سیرت النبی

محمد حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ڈاکٹر سلیم ابن محمد رفیع

(پی ایچ ڈی اسلامیات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم و محترم

محمد فیاض احمد صدیقی صاحب

کے ذوق مطالعہ کی "نذر"

منجانب

محمد سعد امین

۲۴.۵.۲۰۱۶

marfat.com

سیرت النبی

محمد حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن وسنت اور تاریخ وروایات کی روشنی میں "سیرت طیبہ"

ڈاکٹر سلیم ابنِ محمد رفیع
پی ایچ ڈی (اسلامیات)

قاضی پبلیکیشنز
۱۲۱ ذوالقرنین چیمبرز
گنپت روڈ لاہور

marfat.com

جملہ حقوق بحق مصنف و ناشر محفوظ ہیں

© یونیورسل سنہ فاؤنڈیشن

اشاعت اول	2005
تعداد	1000

کمپوزنگ

8/11 راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

ناشر

قاضی پبلیکیشنز

۱۲۱۔ ذوالقرنین چیمبرز، گنپت روڈ، لاہور

marfat.com

فہرست مضامین

01	دیباچہ	iv
02	قبل از اسلام دور کی تہذیبیں	1
03	قریش اور ملک عرب	9
04	حضورؐ کا حسب نسب اور ولادت باسعادت	18
05	حلف الفضول	30
06	حضورؐ اکرم بحیثیت صادق وامین	33
07	حضورؐ کی شادی مبارک	37
08	وحی کی آمد	45
09	اہل قریش کا ردعمل	55
10	قبول اسلام کے چند اہم واقعات	73
11	قریش کا وفد	79
12	پہلی ہجرت اور صحابہ کا ایثار	82
13	سماجی مقاطعہ اور شعب ابی طالب میں نظر بندی	91
14	سفر طائف اور اس کے مصائب	99
15	معراج	105
16	بیعت عقبیٰ	111
17	ہجرت	116
18	مدینہ اور قبلہ کی تبدیلی	132
19	میثاق مدینہ	141
20	قبائلیوں کے ابتدائی الحاق	157
21	غزوہ بدر	175
22	اسیروں سے شفقت	187

marfat.com

23	غلامی	194
24	غزوہ بدر کے اثرات	199
25	مدینہ سے یہودیوں کا اخراج	206
26	غزوہ احد	211
27	یہودیوں اور منافقوں کی سازشیں	229
28	مدینہ سے معاشی مقاطعہ	234
29	غزوہ خندق	241
30	حج بیت اللہ کی موقوفی	257
31	بیعت رضوان	266
32	صلح حدیبیہ	271
33	غزوہ خیبر	282
34	حضورؐ کا عمرہ مبارک	289
35	جنگ موتہ	293
36	معاہدہ کی خلاف ورزی اور بنو خزاعہ کا بہیمانہ قتل	298
37	فتح مکہ	303
38	اہل مکہ کی معافی	309
39	غزوہ حنین	314
40	حضورؐ بطور ایک مذہبی، سیاسی اور فوجی رہنما	322
41	یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے مذہبی آزادی	325
42	کثیر الازدواجیت	328
43	حضورؐ کا آخری خطبہ (خطبہ الوداع)	347
44	غزوہ تبوک	354
45	حضورؐ کی علالت	358
46	حضورؐ کا وصال	363

marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ

يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ

الاحزاب ۵۶

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

بیشک اللہ اور اُس کے فرشتے

دُرود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے نبی پر

اے ایمان والو: ان پر دُرود اور خوب سلام بھیجو۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ

اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى

اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَاوَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی
اے اللہ تو رحمت و سلامتی رکھ ہمارے آقا و مولی محمد پر اور
اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ رَحْمَةِ اللّٰهِ۔
ہمارے آقا محمد کی آل پر اتنی بار جتنی تیری رحمت ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَاوَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی
اے اللہ تو رحمت و سلامتی رکھ ہمارے آقا و مولی محمد پر اور
اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ فَضْلِ اللّٰهِ۔
ہمارے آقا محمد کی آل پر اتنی بار جتنا تیرا فضل ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَاوَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی
اے اللہ تو رحمت و سلامتی رکھ۔ ہمارے آقا و مولی محمد پر اور
اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ خَلْقِ اللّٰهِ۔
ہمارے آقا محمد کی آل پر اتنی بار جتنی تیری مخلوق ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَاوَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی
اے اللہ تو رحمت و سلامتی رکھ ہمارے آقا و مولی محمد پر اور
اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ عِلْمِ اللّٰهِ۔

marfat.com

ہمارے آقا محمد کی آل پر اتنی بار جتنا تیرا علم ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَاوَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی

اے اللہ تو رحمت و سلامتی رکھ ہمارے آقا و مولی محمد پر اور

اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کَلِمَاتِ اللّٰہِ۔

ہمارے آقا محمد کی آل پر اتنی بار جتنے تیرے کلمات ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَاوَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی

اے اللہ تو رحمت و سلامتی رکھ ہمارے آقا و مولی محمد پر اور

اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کَرَمِ اللّٰہِ۔

ہمارے آقا محمد کی آل پر اتنی بار جتنا تیرا کرم ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَاوَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی

اے اللہ تو رحمت و سلامتی رکھ ہمارے آقا و مولی محمد پر اور

اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ حُرُوْفِ کَلَامِ اللّٰہِ۔

ہمارے آقا محمد کی آل پر اتنی بار جتنے تیرے کلام کے حروف ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَاوَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی

اے اللہ تو رحمت و سلامتی رکھ ہمارے آقا و مولی محمد پر اور

marfat.com

اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ قَطَرَاتِ الْاِمْطَار۔

ہمارے آقا محمد کی آل پر اتنی بار جتنے بارشوں کے قطرے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَاوَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی

اے اللہ تو رحمت و سلامتی رکھ ہمارے آقا و مولیٰ محمد پر اور

اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ اَوْرَاقِ الْاَشْجَار۔

ہمارے آقا محمد کی آل پر اتنی بار جتنے درختوں کے پتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَاوَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی

اے اللہ تو رحمت و سلامتی رکھ ہمارے آقا و مولیٰ محمد پر اور

اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ رَمْلِ الْقِفَار۔

ہمارے آقا محمد کی آل پر اتنی بار جتنے ریت کے ذرے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَاوَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی

اے اللہ تو رحمت و سلامتی رکھ ہمارے آقا و مولیٰ محمد پر اور

اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَا خُلِقَ فِی الْبِحَار۔

ہمارے آقا محمد کی آل پر اتنی بار جتنی سمندروں کی مخلوق ہے۔

marfat.com

نعت

جب بھی ہو وِردِ زباں صلِّ علیٰ تیرؐے لئے
سب کہیں ''فرش سے تا عرش بنا تیرے لئے''

یہ گنہگار بھی ہے حاضرِ دربار، آقاؐ!
دل بھی تیرے لئے اور جانِ وفا تیرے لئے

جا کے یہ روضۂ اقدس پہ فرشتو کہنا
کوئی لیتا ہے، تڑپنے کا مزا، تیرے لئے

شب معراج سرِ عرش بلایا تجھ کو
ہے سعادت کا یہ انعام عطا تیرے لئے

اُس تجلّی نے بھی راز کئے تجھ پر فاش
کچھ نہ باقی رہا پردوں میں چھپا تیرے لئے

خُلق ایسا کہ ہوئے غیر ترے حلقہ بگوش
زیب دیتا ہے ''شبیہِ صدق وصفا'' تیرے لئے

رحم ایسا تھا کہ دشمن بھی لگے سینے سے
ہیں بنے لطف وکرم جُود و سخا تیرے لئے

تُجھ پہ سب جنّ وملک، انس وبشر بھیجیں درود
خود ثناخواں ہے دوعالم کا خدا تیرے لئے

اب بھی ایک تمنا دلِ بے تاب کی ہے
میرا جینا میرا مرنا ہو سدا تیرے لئے

تیری سنت کا ہو پرتو یہ مری طبع سلیم
دست بستہ میں رہوں صبح ومسا تیرے لئے

marfat.com

دیباچہ

حضور ﷺ کی زندگی اور حالات و واقعات کے بارے میں لکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔آپؐ اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ ترین ہستی ہیں۔آپؐ کے بارے میں لکھتے ہوئے اپنی صلاحیتوں کی کم مائیگی کا احساس مجھے جس طرح تنگ کر رہا ہے اس سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ آپؐ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا کماحقہ احاطہ کرنا اور ان کی تفاصیل بیان کرنا نہایت مشکل کام ہے۔یہ ایسا کام ہے جس کو کرنے کی قابلیت میں اپنے آپ میں ہرگز نہیں پاتا اور نہ ہی مجھے اس بات کا دعویٰ ہے کہ میں نے اس کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے۔میں تو اللہ عزوجل سے دعا گو ہوں کہ وہ مجھے اتنا ادراک نصیب فرمائے کہ میں حضور ﷺ کی بے شمار صلاحیتوں میں سے چند ایک کے بارے میں قلم اٹھا سکوں۔اللہ تعالیٰ مجھے اپنے خیالات کو اس کتاب کی صورت میں پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ کتاب حضور ﷺ سے پہلے اور آپ کی بعثت کے دوران سرزمین عرب کی ثقافت، تاریخ اور سماجی حالات کا عمیق انداز میں جائزہ لینے کی ایک ادھوری سی کوشش ہے۔یہ کتاب ان واقعات کی شہادت فراہم کرتی ہے جنہوں نے انسانیت کی تقدیر بدل ڈالی اور نسل انسانی کو قرآن شریف کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اخروی نجات کا سرچشمہ فراہم کر دیا۔

گذشتہ صدیوں میں حضور ﷺ کی زندگی کے بارے میں لکھنے کی بے شمار کوششیں ہو چکی ہیں۔بعض غیر مسلموں کی تالیفات بھی منظر عام پر آ چکی ہیں۔اس موضوع پر مجھے کئی مسلمان مفکرین نے متاثر کیا ہے' لیکن سب سے زیادہ دلچسپی مجھے کنسٹن ویسرل میں محسوس ہوئی، جنہوں نے انتہائی دلآویز انداز میں حضور ﷺ کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات کی توضیح وتشریح کی ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ حضور ﷺ کی زندگی کا از سر نو جائزہ لینے اور سمجھنے کی نہ صرف

marfat.com

مسلمانوں کو بلکہ غیر مسلموں کو بھی ضرورت ہے۔

مطالعہ، سیرت نبویؐ کے سلسلے میں میرے زیر نظر جو کتابیں رہی ہیں ان کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

1- قرآن شریف

2- احادیث کے مجموعے (حضورؐ کے اعمال واقوال)

3- سیرت کی ابتدائی اور جدید مستند کتب۔

4- تاریخ کی ابتدائی کتب۔

5- صحابہ کرامؓ، ازواج مطہراتؓ اور آپ کی آلؓ کی سوانح حیات۔

میں نے کنسٹن ویسرل کی کتاب سے خوب استفادہ کیا ہے۔ میری حتی الامکان یہ کوشش رہی ہے کہ واقعات کے بیان اور طرز تحریر کو ممکن حد تک برقرار رکھ سکوں۔ مجھے اس کا انداز عام قاری کے لیے انتہائی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضورﷺ کی زندگی کے بارے میں ابن ہشام اور ابن اسحاق جیسے اولین مُسلمان مفکرین کی تصنیفات اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتیں تاہم مجھے مارٹن لنگز کی کتاب خاص طور پر پسند آئی ہے جس کو اس نے اسی طرح کے اولین مسودوں کی مدد سے ترتیب دیا ہے۔ میں نے قرون اولٰی کے مسلمان مصنفین کی کاوشوں کو غیر مسلم قلمکاروں کی کاوشوں سے جوڑنے کی اس انداز میں کوشش کی ہے کہ قاری تک آسان ترین انداز میں بات پہنچانا ممکن ہو سکے۔

اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ تاریخ عالم میں حضورﷺ سے بڑھ کر عظیم رہنما کوئی نہیں گزرا۔ غریبوں کے لیے آپؐ کی ہمدردی، انسانیت کے لیے آپؐ کی محبت اور اپنے قریبی لوگوں کے ساتھ معاملات میں انصاف اور حق گوئی کے سلسلے میں آپؐ کی بے خوف اولوالعزمی ایسے اوصاف حمیدہ ہیں جو زمانے کے صحیفوں میں سنہری حروف سے نقش ہیں۔

سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آپؐ نے جس چیز کی تعلیم دی اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا۔ ہر صاحب فہم و عقل اور ہوشمند آدمی یہ بات نہایت آسانی سے جان سکتا ہے کہ حضورﷺ کے

marfat.com

خصائل حمیدہ میں آپ کی قوت برداشت اور حلم و بردباری اس قدر نمایاں ہیں کہ ان کا ثانی ملنا ناممکن سی بات نظر آتی ہے۔

یہ بات انتہائی افسوس ناک ہے کہ آج کل اسلام کے پیروکاروں نے اپنے آپ کو نماز پنجگانہ، رمضان کے روزوں، ثواب کے لیے تلاوت قرآن، زکوٰۃ کی لگی بندھی رقم اور زندگی میں ایک بار حج کی ادائیگی جیسے مذہبی فرائض تک محدود کر لیا ہے اور وہ بھی اصلی جذبے کی بجائے محض ایک رسم کی صورت میں۔

مسلمانوں نے صرف انہی فرائض کی بجا آوری کو حضور ﷺ کی تعلیمات کا نام دے کر بہت بڑی غلطی کی ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ اپنے آپ کو مذہبی مفکر اور معاشرے کے اعلیٰ و ارفع مقاصد کے پیشوا ہونے کا دعویدار ثابت کرنے کی کوشش میں بھی مشغول ہیں۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ امر یہ ہے کہ عوام الناس ان نام نہاد مفکرین کو دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہتے ہیں۔

کیا لوگ یہ بات بھول چکے ہیں کہ اسلام امن و آشتی کا دین ہے۔ حضور ﷺ کی صداقت اور دیانت داری کو غیر مسلم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ انصاف کی شرائط، ناداروں کے حقوق، مساوات، وراثت کے حقوق، دوسروں کی احوال پرسی اور سماجی مقام سے قطع نظر ظالموں کا احتساب آج کہاں ہے؟

آج مسلم دنیا جس اسلام پر عمل پیرا ہے وہ حضور ﷺ کے پیش کردہ اسلام کا عشرِ عشیر بھی نہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں اسلام کی تبلیغ کا اثر اس حد تک غیر محسوس دکھائی دیتا ہے کہ مستقبل میں کسی پیش رفت کی امید نہیں کی جا سکتی۔

اس حقیقت سے پہلو تہی کرنے کی جسارت کون کر سکتا ہے کہ آج ایشیا، مشرق وسطیٰ اور عالم عرب سمیت افریقہ و مشرق بعید کے مسلمانوں میں سچائی، انصاف، ایمانداری اور دوسروں کے حقوق کی پاسداری جیسے اوصاف دور دور تک نظر نہیں آتے۔

یوں لگتا ہے جیسے مسلمانوں نے دین اسلام کو آسائش اور آسانی کا دین سمجھ لیا ہے اور غالباً

marfat.com

یہی بات ان کے زوال کا باعث معلوم ہوتی ہے۔ بعض اوقات مجھے یہ خدشہ لاحق ہو جاتا ہے کہ دور حاضر کے مسلمانوں کی جگہ کہیں مغربی ممالک کے نومسلم نہ لے لیں۔ مسلمانوں کو یہ دین اپنے آباؤاجداد سے ورثے میں ملا ہے اور شاید اسی لیے انہیں یقین ہے کہ اسلام کے سچے پیروکار کہلائے جانے کا استحقاق صرف انہیں کو حاصل ہے۔ مگر انہیں اس بات کی یاد دہانی کرانے کی اشد ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ چند انسانوں کا ہرگز ہرگز محتاج نہیں۔ اگر وہ اپنے آپ کو بہتر مسلمان بنانے میں ناکام رہے تو خدائے عزوجل ان کی جگہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو ان سے بہتر مسلمان کہلائے جانے کے اہل ہوں گے۔ میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حضور ﷺ کی تعلیمات پر ان کی حقیقی روح کے مطابق عمل پیرا ہونے کا فہم اور توفیق نصیب فرمائے۔

سلیم بن محمد رفیع

مسجد نبویؐ

۱۳ جمادی الثانی ۱۴۱۷ھ

marfat.com

قبل از اسلام دور کی تہذیبیں

دریائے فرات، دریائے دجلہ اور میسو پوٹامیا کی زرخیز وادیوں میں انسان نے پہلے پہل شہر آباد کئے اور گردونواح کی دوسری آبادیوں پر حکومتی نظام قائم کیا۔ شہری ریاستیں تہذیب کی وہ اولین نشانیاں تھیں جنہوں نے اپنے لوگوں کو تحفظ اور آسائش کی ایسی سہولتیں فراہم کیں جو ان میں قرب و جوار کی بڑی آبادیوں پر حکومت کرنے کی استعداد پیدا کر سکیں۔ یہی وہ دور تھا جب حکومتی طبقے کے لیے سماجی برتری کے نظریات نے جنم لیا اور شہری لوگوں کی زراعت سے حاصل کردہ آمدنی پر لگائے گئے محصول وراثت کے بل بوتے پر حکومت کرنے والے امراء کے طبقے کو قائم کرنے کے لیے استعمال میں لائے جانے لگے۔

اب ضرورت اس بات کی تھی کہ ان حکمرانوں کو حاکم اعلیٰ یعنی دیوتاؤں کے نمائندہ ہونے کا مرتبہ کس طرح دیا جائے۔ پادریوں اور راہبوں نے کچھ خودساختہ کہانیوں کو انتہائی عزت و احترام دینا شروع کر دیا۔ معبد بنائے گئے اور معاشرے میں بادشاہوں کو تحفظ فراہم کرنے والے عقائد تشکیل دینے کی بھرپور کوشش کی گئی۔

ایسے زراعت پیشہ معاشرے میں بھی کسان کو بنیادی ضروریات زندگی کے علاوہ کسی اور چیز کے حصول کا حق حاصل نہیں تھا۔ پیداوار کا زیادہ تر حصہ ملکی نظام کو برقرار رکھنے، غیر ملکی حملہ آوروں سے بچنے، تجارتی مقاصد کو پورا کرنے یا دوسرے اہم امور کو انجام دینے میں خرچ ہو جاتا۔ معاشرے کی ثقافتی زندگی کی سرپرستی کرنے والے لوگ ہی آمدنی کو خرچ کر رہے تھے۔ ان شہروں کی حدود میں چمڑہ رنگنے، کپڑا بننے، سونے چاندی کے زیورات بنانے اور شاعری لکھنے جیسے فنون لطیفہ کی سرپرستی ایسے ہی طبقہ امراء کا خاصہ تھی۔ کم پیداوار کے موسموں میں تاجروں اور بیوپاریوں کے لئے اپنی اشیاء فروخت کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ ایسے علاقوں کی زندگی زراعت سے حاصل

marfat.com

ہونے ہونی والی آمدنی پر منحصر تھی۔

ان تہذیبوں میں بڑی تبدیلی ۸۰۰ سے ۲۰۰ قبل مسیح میں واقع ہوئی۔ مورخین اس زمانے کو پہیے کا دور کہتے ہیں۔ اس سے پہلے تحریری دستاویزات صرف پادریوں کے طبقے تک محدود تھیں جو انہیں عوام سے پوشیدہ رکھنے کے لئے ترتیب دیتے تھے۔ اس کے بعد یونانیوں اور رومیوں کے دور میں یہ تحریری روایت درمیانے طبقے اور عام سمجھ بوجھ رکھنے والے لوگوں تک بھی پہنچ گئی۔ تحریر میں یہ ترقی پرانی دنیا کو مختلف حصوں میں تقسیم کرنے کا سبب بنی جو بیک وقت جغرافیائی اور ثقافتی حقائق پر مبنی تھے۔

پہیے کا دور:

بحر اوقیانوس، بحر الکاہل، خط استوا اور قطب شمالی کے درمیان واقع خطے کو یونانیوں نے زمین کے 'آباد خطہ' سے تعبیر کیا ہے۔ یہ آباد خطہ اس وقت سے آج تک تاریخ کے اہم واقعات کا منبع رہا ہے۔ اس خطے کی ثقافت دوسری صنعتوں کے ذریعے معیشت کے پروان چڑھنے تک زراعت پر مبنی رہی۔ یہ تبدیلی بھی اٹھارویں صدی کے شروع میں تکنیکی دور کے آغاز سے واقع ہوئی۔

پہیے کے دور نے عہد قدیم میں مہذب دنیا کو چار ترقیاتی خطوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔

یورپی خطہ اناطولیہ سے لے کر اٹلی اور بحیرہ روم کے شمالی ساحلوں پر مشتمل تھا۔ یونانی اور لاطینی اس خطے میں بولی جانے والی اہم ترین زبانیں تھیں۔

مشرق وسطیٰ کا خطہ دریائے نیل سے دریائے آمو تک پھیلا ہوا تھا اور اس کی وسعت ہلال نما زرخیز علاقے سے ایران کے بالائی حصے تک پہنچتی تھی۔ سامی اور ایرانی اس خطے میں بولی جانے والی مشہور زبانیں تھیں۔

ہندی خطہ ہندوستان اور جنوب مشرقی میدانوں پر مشتمل تھا۔ اس خطے میں بولی جانے والی زبانیں سنسکرت اور پالی تھیں۔

marfat.com

مشرق بعید کے خطے میں چین اور اس سے ملحقہ علاقے شامل تھے۔ چینی اس خطے کی اہم زبان تھی۔

آپس میں گہرا رابطہ ہونے کی وجہ سے یہ خطے معیشت، فنون، مذاہب اور سائنس کے میدانوں میں ایک دوسرے پر انحصار کرتے تھے۔

آٹھویں یا ساتویں صدی قبل مسیح تک افریقہ، یورپ اور ایشیاء کے عوام نے ایک دوسرے پر انحصار کرنے کے سلسلے کی ابتدا کر دی تھی۔ وہ تجارت، فوج اور سماجی معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ مضبوط روابط پیدا کر چکے تھے۔ زرخیز ہلال کے علاقے نے سماری، اکادی، ہوری، ہتی اور ارارٹی جیسے لوگوں کو مدغم کرنا شروع کر دیا جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک علاقائی ثقافت کی شکل اختیار کر گئے۔ اس طرح ایک بار جب اصلی ریاست کا وجود ختم ہو گیا تو بازار اعلیٰ ثقافت اور تجارت کے مرکز قرار پائے جنہیں علاقے کی خوشحالی میں کردار ادا کرنے والے ایک اہم منصب کی حیثیت حاصل تھی۔ اسی علاقے کو مستقبل کی ایرانی اور آسامی روایات کی جائے پیدائش بننا تھا۔

ہلال نما زرخیز خطے میں یونانی اثرات:

ایرانی اور آسامی علاقے میں شامی اثرات کے دوران سریانی عرب کے تجارت پیشہ طبقے کی زبان بن گئی، جو رفتہ رفتہ عوام الناس اور دربار میں قبولیت کا درجہ اختیار کر گئی۔ اس روایت نے اپنے پیروکاروں کو ایک ایسے اخلاقی نظام پر پختہ کر دیا جو سماجی انصاف اور مساوات کو مہذب زندگی کے اولین نصب العین کے طور پر حاصل کرنے کا خواہش مند تھا۔ سریانی روایات نے ہلال نما زرخیز خطے کے لوگوں کی اخلاقی تربیت شروع کر دی جو بعد میں اس علاقے کی سلطنتوں (مثلاً ایکمند، سلطنت فارس) کے لیے اتحادی قوت کی صورت اختیار کر گئی۔ ۳۰۰ ق م کے لگ بھگ سکندر اعظم کی حملہ آور فوجوں کے ساتھ یونانی روایات اس خطے میں داخل ہوئیں۔ یونانی روایات انسان کی خارجی فطرت کی توقیر اور کائناتی ہم آہنگی میں انصاف کی متلاشی تھیں۔ انہیں حالات

marfat.com

میں قدرتی علوم جن کی بنیاد فلکیات اور ریاضیات پر تھی اس علاقے میں یونانی حوالے سے پہنچائے جانے لگے۔ اسلامی تہذیب کے آغاز تک تھوڑی بہت تبدیلیوں کے باوصف حالات اسی نہج پہ جاری رہے۔

توحیدی مذاہب:۔

توحیدی مذاہب منظم مذہبی روایات پر مشتمل تھے۔ وہ انسان کی اخلاقی قدروں (جو مقدس صحیفوں کے مجموعے کی صورت میں موجود تھیں) کے ساتھ ذاتی وابستگی کو فوقیت دیتے تھے۔ ان مذاہب کا بنیادی اصول یہ تھا کہ انسان کی مشکلات کا جامع حل ایک ایسی دنیا سے رابطہ استوار کر لینے میں ہے جو موت کی حدود سے ماورا ہو یا موت کے بعد بھی قائم رہنے والی ہو۔ ابراہیمی مذاہب کے پیروکاروں کا سلسلہ جو زیادہ تر یہودیوں اور عیسائیوں پر مشتمل تھا عبرانی پیغمبروں تک جا پہنچتا ہے۔ ان دونوں اقوام نے دین ابراہیمی کو بنیادی تصور کے طور پر از سر نو منظم کرنے کی کوشش کی۔ انہی مذہبی روایات سے یہودیت اور عیسائیت کا آغاز ہوتا ہے۔ عیسائیوں نے سلطنت روما میں اپنے آپ کو حکومتی سیاست کے نمائندگان کے طور پر منوالیا تھا۔ دوسرے توحیدی مذاہب جیسے ایران میں زرتشتیت، مزدیت، ہندوستان میں وشنومت اور شومت اور چین میں بدھ مت کی ترقی اور وسعت نے بھی اس بات کو یقینی بنادیا کہ مذہبی وابستگی اس علاقے کی سیاست میں نمایاں کردار سرانجام دے گی۔

خسرو نوشیرواں:

ساسانی دور کے آغاز میں سلطنت مزدیت کے اصولوں پر قائم تھی۔ مذہب نے طبقہ امراء کے سماجی نظام کے ساتھ وابستہ معاشرتی انصاف کا تصور پیش کیا۔ زراعت کو اعلیٰ ترین پیشہ تصور کیا جاتا تھا۔ کسان انتہائی محترم مقام کا آدمی خیال کیا جاتا تھا۔ اس سے یہ توقع بھی نہیں رکھی جاتی تھی کہ وہ مذہب کی باریکیوں کو سمجھے۔ ایسے معاملے موروثی طور پر طبقہ امراء کے راہبروں اور بزرگوں کے لیے مختص تھے۔ عملی طور پر مزدیت کے توحیدی خیالات ساسانی مذہبی حکومت کے تعاون کی زد

marfat.com

طائف کے نزدیک حضرت حلیمہ سعدیہ کا گھر

marfat.com

ہی میں رہے۔ مزدیت جب سرکاری مذہب کے طور پر رائج ہوگئی تو اس کے مخالفین کو معاشرتی طور پر گھٹیا سمجھا جانے لگا۔ وہ سلطنت زراعت پیشہ لوگوں کا زیادہ خیال رکھتی تھی کیونکہ وہی انہیں بنیادی فوجی ضروریات فراہم کرتے تھے۔

پانچویں صدی کے لگ بھگ مزدک نامی سماجی رہنما نے اس وقت کے شہنشاہ قباد کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ طبقہ امراء کی بڑھتی ہوئی طاقت کو لگام دینے کی سعی کرے اور امراء سے سماجی مراعات واپس لے لے۔ مزدکی پرچار کے تحت بہت سے امراء کو اپنی املاک سے ہاتھ دھونا پڑا جبکہ عوام الناس میں سے کئی لوگ قابل رشک سماجی عہدوں پر متمکن ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

قباد کے جانشین خسرو نوشیرواں نے سماجی اقدار دوبارہ بحال کر دیں۔ مزدک اور اس کے کئی پیروکاروں کو تہ تیغ کر دیا اور قدیم سرکاری مزدیت بحال کر دی۔ بہرحال طبقہ امراء اپنی کھوئی ہوئی ساکھ دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ نوشیرواں نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اپنی سلطنت کی ازسرنو تنظیم شروع کر دی۔ اس نے خالصتاً پیشہ ورانہ انداز میں ٹیکسوں کا نفاذ کیا اور اس کام کے لئے لڑنے مرنے کے عادی قبائلی عربوں کو خوب استعمال کیا۔ اس نے ایک مضبوط فوج تیار کی۔ عربوں کی عادات زیادہ تر دیہاتی نوعیت کی تھیں اور وہ دوسرے ترقی یافتہ ملکوں سے الگ تھلگ زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ اس لئے نوشیرواں عربوں کی بجائے طبقہ امراء سے زیادہ خطرہ محسوس کرتا تھا۔

عہد نوشیرواں ساسانی ادبی تہذیب کا نقطہ عروج شمار ہوتا ہے۔ اسے ایک مثالی خاندان کا مثالی بادشاہ سمجھا جاتا ہے اور مسلمان مفکرین اس بات پر فخر محسوس کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت عہد نوشیرواں میں ہوئی۔

بدو اور عرب:

عرب کے خانہ بدوش جو بعدازاں بدو کہلائے شام اور یمن کی سرحدوں میں اچھی طرح

marfat.com

آباد ہو چکے تھے۔ خانہ بدوشی ایک اونچے درجے کا طرز زندگی تھا اور ان خانہ بدوشوں کے اپنے ہی تکنیکی اور معاشرتی ہنر تھے۔ اونٹوں کو زیر استعمال لانے کے بعد جب یہ خانہ بدوش ان بنجر اور ویران علاقوں میں سفر کرنے کے قابل ہو گئے تو انہوں نے جزیرہ عرب کے دوسرے علاقوں سے اپنے تجارتی تعلقات خاطر خواہ حد تک بڑھا لئے۔ یہ علاقہ بنجر میدانوں اور سنگلاخ چٹانوں پر مشتمل تھا۔ موسم سرما اور بہار میں موسلا دھار بارشیں کچھ آب و گیاہ پیدا کر دیتیں لیکن اکثر ان بدوؤں کو نئی چراگاہوں کی تلاش میں رہنا پڑتا۔ یہ لوگ مویشی پالتے اور انکے دودھ اور گوشت پر گزارہ کرتے۔ یہ نخلستانوں میں رہنے والے لوگوں کو اپنے جانور اور مخصوص اشیاء دے کر گندم اور کھجوریں بھی حاصل کرتے۔

مجموعی طور پر یہ سب کچھ ان اونٹوں کی بدولت تھا جنہوں نے صحرا میں زندگی کو اتنے بڑے پیمانے پر ممکن بنایا تھا۔ سیاسی صورتحال نے بھی عرب کے بدوؤں کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ حضورﷺ کے زمانے میں بحیرہ ہند اور بحیرہ روم کے درمیان ہونے والی تجارت میں زیادہ تر عرب ریگستانوں کا علاقہ استعمال ہوتا تھا۔ اس کی وجہ کسی حد تک رومی اور ساسانی سلطنتوں میں ہونے والی جنگیں تھیں۔ ان کشیدہ سرحدوں سے گزرنے والے غیر جانبدار تاجروں کے قافلوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا اور ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی۔

شاید اسی وجہ سے کچھ بدوؤں نے نخلستانوں میں اگنے والے اناج اور کھجوروں پر گزارہ کرنا اور اپنے آپ کو عرب کہلانا شروع کر دیا۔ عرب وہ لوگ تھے جو اونٹ پالتے اور زراعتی زمین کی پیداوار پر گزارہ کرتے۔ بدو ہونے کی نسبت عرب ہونا زیادہ فخر کی بات سمجھی جاتی اور یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے ہمسایہ ملکوں سے بڑھتی ہوئی تجارت کے فوائد اٹھائے۔

بیرونی ممالک کے درمیان اقتدار کی کشمکش میں یہ عرب اتحادی اور جانبدار رویہ بھی اختیار کرنے لگے۔ اونٹ پالنے والے خانہ بدوش اتنی ترقی کر چکے تھے کہ اردگرد کی سلطنتیں انہیں اہمیت دینے لگی تھیں۔

marfat.com

قریش:

حضرت اسمعیل کی نسل میں ایک آدمی عدنان کے بہت سے بچے تھے۔عدنان کی نسل سے فہر بن مالک ایک امتیازی شان کے حامل سردار ثابت ہوئے۔فہر کی اولاد میں سے قصیٰ بن کلاب نکلے جنہوں نے مکہ پر حکومت کی اور خانہ کعبہ کے کلید بردار ہونے کا عہدہ سنبھالا۔وہ چاہ زمزم کے نگرانی اور زائرین کو کھانا کھلانے کی ذمہ داری نبھانے کے ساتھ ساتھ مکہ کے امراء اور شرفاء کے مجمعوں کی صدارت بھی کیا کرتے۔سارے مکہ کے معاملات انہی کے ہاتھوں پایہ تکمیل تک پہنچتے۔

قصیٰ کے بیٹوں میں عبدالمناف ایسے ذی شان اور ذی وقار شخص تھے کہ جن کا پورے مکہ میں کوئی ثانی نہیں تھا۔ان کے بڑے بیٹے ہاشم بھی اپنے باپ کی طرح مکہ کے عظیم لوگوں میں شمار ہوئے۔وہ خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے آنے والے لوگوں کو کھانا مہیا کیا کرتے۔وہ حضور ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب کے والد گرامی بھی تھے۔ان کی شہرت اپنے آباؤ اجداد سے کہیں زیادہ تھی۔

قریش کے بدو اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرتے۔نہ تو ان کا کوئی بادشاہ تھا اور نہ ہی تنظیمی ادارہ۔وہ غیر مشروط صلاح ومشورہ کے لئے تمام قبیلوں کے امراء وشرفاء کا اجتماع منعقد کرتے۔قصاص کا خوف ہی ایک ایسی چیز تھی جو امن قائم رکھتا تاہم قریش نے اپنی بالادستی ثابت کرلی اور اپنے ذرائع کا موثر استعمال کیا۔انہوں نے شمالاً جنوباً تجارت پر دسترس حاصل کی اور امیر ہو گئے۔پہلے انہوں نے حجاز کے قبیلوں میں ایک ثالثی حیثیت حاصل کی اور اس کے بعد سارے علاقے کی تجارت پر قابض ہو گئے۔

خانہ کعبہ کی نگرانی اور شہر میں آنے والے زائرین کے تحفظ کی ذمہ داری قریش کے سپرد تھی۔اس لئے مذہبی حلقوں میں ان کی رائے قانون کا درجہ رکھتی تھی۔وہ اپنے معاملات میں خود مختار اور غیر خودمختار دونوں حیثیتیں رکھتے تھے۔

marfat.com

دور اسلام:

اسلام کا ابتدائی دور اپنے وقت کی دوسری تہذیبوں میں ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔یورپ میں یونانی اور فارسی، ہندوستان میں سنسکرت اور پراکرت جبکہ مشرق بعید میں چینی زبانیں بولی جاتی تھیں۔تاہم مسلمانوں کو دوسری زبانوں کے ادب کا کوئی خاص علم نہیں تھا۔ مسلمانوں نے اپنے ہی انداز میں ترقی شروع کی جس کی وجہ سے علاقے کی ثقافتی نشو ونما میں ایک خلا پیدا ہو گیا۔اسلامی ثقافت نے جن جذبات اور احساسات کو فروغ دیا وہ انتہائی مکمل اور خود انحصاری پر مبنی تھے۔اسلامی معاشرے نے نہ صرف بلاواسطہ توارث حاصل کیا بلکہ نیل سے آکسس تک پھیلے ابتدائی معاشروں کے تسلسل میں مثبت اضافے بھی کئے۔

اپنے سے پہلی تہذیبوں کے برعکس اسلامی تہذیب اس خطے میں اتنا پھیلی کہ کسی ایک علاقے تک محدود نہ رہی یہاں تک کہ پرانی یونانی اور سنسکرت روایتوں پر بھی حاوی ہوتی چلی گئی۔

marfat.com

وادی ابواء

marfat.com

قریش اور ملک عرب

دنیا میں غالباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر گزرے ہیں۔تینوں توحیدی مذاہب یہودیت،عیسائیت اور اسلام اسی علاقے سے نمودار ہوئے۔ہم سبھی انبیاء کے بارے میں پوری معلومات تو نہیں رکھتے البتہ سینکڑون انبیاء اور ان کے حالات زندگی کے بارے میں انکے پیروکاروں اور عزیز واقارب سے ملنے والی روایات سے ہی پتہ چلتا ہے۔

خدا ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ہر زمانے کے لوگوں نے خدا سے ہمکلام ہونے کے لیے اسی سرزمین کی جانب اپنا رخ کیا۔یہودیوں نے کنعان،عیسائیوں نے بیت المقدس اور مسلمانوں نے خانہ کعبہ کو چنا۔

ہر پیغمبر کے لیے اس کی اپنی زندگی سے بھی عزیز ترین شے اس کے مشن کی تکمیل ہوتی ہے۔سوا لاکھ انبیاء میں سے گنتی کے چند نبی ہی ایسے ہوں گے جو اپنے مشن کی تکمیل میں کامیاب ہو سکے اور کامیاب ہونے والے انبیاء انہی وسیع وعریض صحراؤں میں پروان چڑھے۔

ابتدائی ایام میں عرب آبادکار اس جزیرہ نما کے جنوب میں رہائش پذیر تھے۔یہ علاقہ نہایت سرسبز وشاداب اور زرخیز تھا، جسے وہ خدیب کے نام سے پکارتے تھے۔یونانی اسے عرب فیلکس کا نام دیتے تھے۔طویل جنگوں،قحط سالی،پانی کے تباہ شدہ ذخیروں اور بے آب وگیاہ صحراؤں نے عربوں کو شمال کی جانب ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔بہتر چراگاہوں کی تلاش نے انہیں بدو اور خانہ بدوش بنا دیا۔شدید موسم اور درجہ حرارت میں نقل مکانی کئی افراد کو موت کے منہ میں دھکیل دیتی اور جو لوگ ان سختیوں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتے،وہ استقلال،قوت اور عزم صمیم کا مینارہ بن کر ابھرتے۔

marfat.com

نظریہ ارتقاء کے بانی ڈارون کا خیال ہے کہ صرف موزوں ترین شخص ہی دنیا میں باقی رہ سکتا ہے جب کہ کمزور، کم ہمت اور کم عقل شخص کے لئے اس دنیا میں کوئی جگہ نہیں۔ صحرا میں رہنا جہاں بعض اوقات ببول کے کانٹوں کے سوا کچھ بھی کھانے کے لئے میسر نہ ہوتا، سخت طبعی و روحانی استحکام کا متقاضی تھا۔

قبائلی زندگی کے طور طریقے اور نظم وضبط کی پابندی خاص اہمیت کے حامل ہیں، یہاں تک کہ آج کے ترقی یافتہ انسان کے لئے کاروں اور جہازوں کے ہوتے ہوئے بھی انفرادی طور پر طویل عرصے کے لئے کسی صحرا میں قیام کرنا ناممکن سی بات نظر آتی ہے۔

صحرائی زندگی میں قبیلوں یا گروہوں کی تشکیل نہائت اہم رہی ہے اور آج بھی اس کی اہمیت سے انکار کرنا ناممکن ہے۔ کسی فرد کے لئے صحرائی زندگی کی بقاء شہد کی تنہا مکھی کا اپنے چھتے کے بغیر گزر بسر کرنے کے مترادف تھی اور ہے۔

صحرائی زندگی معاشی استحکام کی ضمانت فراہم نہیں کرتی تھی۔ صبر و بردباری ہی ان کا طریق زندگی تھا۔ بھوک پیاس تو بدوؤں کی فطرت کا جزو لاینفک تھا۔ بھوک کی تکلیف سے صرف نظر کرنے کے لئے بھی عرب اپنے لباس تلے کمر بند باندھ لیتے۔ اگر اس کے باوجود انہیں بھوک محسوس ہوتی تو اپنے آپ کو سیر شکمی کا احساس دلانے کے لئے وہ اپنے کمر بند کے نیچے پتھر باندھ لیتے۔

اس زمانے کے نامور شاعر صنفرہ نے اسی کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

''میں بھوک کو جل دے سکتا ہوں اور پیاس کو مار سکتا ہوں اگر پھر بھی وہ مجھے تنگ کریں تو میں ان کا گلا ایسے گھونٹتا ہوں کہ موچی بھی دھاگے کو کیا بل دیتا ہوگا۔''

عرب میں موسم بہار یا ان کے اپنے الفاظ میں فصل کاٹنے کا موسم تین سے چار ہفتوں پر محیط ہوتا جس میں مسلسل بارش کا سا سماں رہتا اور ریت کے علاوہ ہر مقام پر سبزہ اگ آتا۔ موسم گرما میں وہی سبزہ ببول کے کانٹوں کی شکل اختیار کر لیتا۔ بہار کے اس موسم میں مرگ سبزے کی تلاش میں ادھر آنکلتے اور عرب ان کے شکار سے محظوظ ہوتے۔ اس کے سوا سارا سال وہ شکار سے محروم

marfat.com

رہتے۔

بدوؤں نے شہروں میں سکونت اختیار کرنے کے بعد بھی اپنی قبائلی خوبیوں کو برقرار رکھا۔ اگران میں کوئی فرق آیا بھی تو صرف اتنا کہ وہ خیموں کی بجائے مکانوں میں رہنے لگے۔مکہ،مدینہ اور طائف کی شہری آبادیوں میں ہر قبیلہ بدوؤں کی مانند اپنے لئے ایک الگ مقام کا انتخاب کرتا اوراسی میں سکونت اختیار کرتا۔دو قبیلے ایک مقام پر اکٹھے نہ ہو پاتے۔عرب ہمیشہ سفر میں ہی رہتے۔انہیں اپنے اونٹوں کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا پڑتا۔لہٰذہ ان کے لیے بڑی اشیاء کا استعمال کرنا محال تھا۔اگرچہ وہ زیادہ چیزیں بھی رکھ سکتے تھے اور رکھتے بھی اس کے باوجودان کے گھر میں زندگی کی چند چیزیں ہوتیں اور وہ بھی محض تجارتی مقاصد کیلئے۔مکہ میں قریش کے سردار بھی اسی طرح گزر بسر کر رہے تھے۔اونٹوں کی زیادہ تعداداور اعلیٰ نسل ان کی شان و شوکت کی غماضی کرتی تھیں۔اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ بدو مال ودولت سے محروم تھے، بلکہ ان کا طرز زندگی ہی ایسا تھا۔دراصل ان کا طرز زندگی ہم سے بہت مختلف تھا۔

دھوپ سے بچاؤ کے لئے خیمہ،سواری اور دودھ کے لئے اونٹنی اور حفاظت کے لئے تلوار عرب کا کل سرمایہ تھے۔اس گرم اور تغیر پذیر صحراء میں جمالیاتی اشیاء کا وجود شاذ ونادر ہی پایا جاتا تھا۔رنگوں،قابل تراش چٹانوں،اور مجسموں کی عدم دستیابی کے باعث مصوری وہاں نام کو نہ تھی۔ تعمیر اور مجسمہ سازی کے لئے لکڑی کی بہت قلت تھی ۔ وہ مناسب اوزاروں کی کمی کے باعث مصوری اور مجسمہ سازی نہیں کر سکتے تھے،لیکن اس کے باوجود وہ تہذیب سے پوری طرح آگاہ تھے۔ان کا اسلوب بیان شاعری کی صورت میں غیر تحریری تھا،جوان کے بے مثال ادب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ان کے تاریخ وتمدن میں فصاحت و بلاغت بافراط موجود تھی۔

عرب تہذیب وتمدن اور تاریخ کے شائق کے لیے شاعری بہترین مآخذ ثابت ہو گی۔دوسرے مقامات پر شاعری محض ادب کا ایک جزو سمجھی جاتی تھی جبکہ جزیرہ نما عرب میں شاعری عربوں کا طرز زندگی تھا۔شاعر محض شاعر ہی نہیں بلکہ ایک خادم،مذہبی رہنما،پولیس اہلکار یا عالم بھی ہوتا تھا۔شعران کے لئے ایسے ہی ضروری تھا جیسے زندگی کے لئے سورج اور ہوا۔عرب

marfat.com

قوم کے پاس ہر وقت شاعری کا ایک وسیع ذخیرہ موجود رہتا تھا جو خوشی سے غم، پیدائش سے موت ، جنگ سے امن اور اچھی فال سے لے کر بدشگونی تک تمام مقاصد کی تکمیل کا سامان مہیا کرتا تھا۔ عرب اداسی میں زہیر، خوف میں نبیغہ، اشتعال میں عشا اور لڑائی میں عنترہ کے اشعار گنگنایا کرتے تھے۔

عرب اگرچہ اشتعال میں جنگجو اور جوشیلے واقع ہوئے تھے تاہم عام حالات میں وہ نہایت منظم تھے۔ خانہ کعبہ کی حدود میں جنگ و جدل ممنوع تھا، یہاں تک کہ ایک دوسرے کی جان کے پیاسے دو حریفوں کے لیے حرم کی حدود میں داخل ہوتے ہی اپنی پرانی عداوت کو پس پشت ڈال دینا عام سی بات تھی۔ مسافر اور قافلے اپنے عقیدے کے مطابق عبادت کرنے کے لئے آزاد تھے۔ ہر قوم اور قبیلے کے لوگوں کا اپنا ایک الگ معبد ہوتا جہاں وہ اپنے مذہب کے مطابق پوری آزادی سے عبادت کر سکتے تھے۔ چاروں مقدس مہینوں میں جنگ کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں تک کہ ان مہینوں میں ڈاکو بھی زائرین اور تجارتی قافلوں کو لوٹنا چھوڑ دیتے۔ حج بھی انہی مہینوں میں ہوتا۔

مکہ کے نزدیک ایک چھوٹے سے شہر میں عکاظ نامی میلہ لگتا جہاں لوگ تجارتی اشیاء کی خرید و فروخت کیلئے دور دراز کا سفر طے کر کے آتے۔ عکاظ نامی میلے میں شعر گوئی کا سالانہ اجتماع ہوتا جس میں کامیاب قرار پانے والے شاعر کو انعام سے نوازا جاتا اور اس کے اشعار کو ریشمی کپڑے پر سنہری حروف سے کندہ کر کے سال بھر کے لیے خانہ کعبہ کی دیواروں کے ساتھ لٹکا دیا جاتا تاکہ آنے والے زائرین بھی ان سے مستفید ہو سکیں۔ عرب انہیں معلقات کے نام سے موسوم کرتے۔

عکاظ ایک اور اعتبار سے بھی خصوصی اہمیت کا حامل تھا اور وہ یہ کہ حکمران یا بادشاہ جب کوئی قیمتی شے جیسے تلوار یا زربفت بکنے کیلئے وہاں بھیجتے تو عرب روایت کے مطابق محض اعلیٰ و برتر شخص ہی اسے خریدنے کا مجاز ہوتا۔ اس طریق کار کے مطابق چنے ہوئے اور صاحب استحقاق افراد مخصوص جگہ پر کھڑے ہو کر اپنا تعارف کرواتے اور اپنی بہادری کے حق میں اشعار کہتے۔ اگر کوئی

marfat.com

شخص شعر کہنے سے قاصر ہوتا تو اسے کسی اور شاعر کی خدمات حاصل کرنا پڑتیں۔ منصف جس شاعر کے حق میں فیصلہ سناتے صرف وہی شخص شاہی چیز خریدنے کا اہل تصور کیا جاتا۔

عرب قبائل قادرالکلامی کو بہت زیادہ اہمیت دیتے یہاں تک کہ ان کے سردار کے لئے شاعر ہونا لازمی امر تھا۔ عربی زبان میں سردار کو امیر یا سید یا جادو بیان کے القاب سے پکارا جاتا تھا۔ امراء القیس معروف شعراء میں سے ایک تھا۔ اسے مسلمانوں میں بہت ہر دلعزیزی حاصل رہی ہے۔ وہ ان سات شعراء میں سے نہایت اعلیٰ پائے کا خوش بیان تصور کیا جاتا تھا جن کی شاعری کو خانہ کعبہ کی دیواروں کے ساتھ لٹکے رہنے کا اعزاز حاصل تھا۔ آج بھی ایسے کئی بدو مل جائیں گے جنہیں قدیم شعراء کا کلام ازبر ہوگا۔

عرب قوم اگرچہ بہادر، مہمان نواز اور خوش بیان تھی، تاہم وہ معاشرتی ناانصافی اور شرک کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ان کی اکثر خوبیوں کو ان کے قبائلی تفاخر کی رو سے واضح کیا جا سکتا ہے جس کے لیے وہ ایک دوسرے کو خوش بیانی، مہمان نوازی اور شجاعت میں مات دینے کی کوشش کرتے تھے۔

عرب میں عورتوں کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ بچیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دینا رواج کی صورت اختیار کر گیا تھا کیونکہ بچیوں کی پرورش کو وہ اپنے لیے باعث شرم گردانتے تھے۔ سرداری نظام کی رو سے بیٹے کی پیدائش پر بڑی خوشیاں منائی جاتیں اور اسے فخر و نجابت کا ذریعہ تصور کیا جاتا۔ باپ کا نام بیٹے کے نام سے چلتا تھا۔ اگر بیٹے کا نام قمر ہوتا تو اس کے باپ کو ابوقمر کہہ کر پکارا جاتا۔ اس طرح بیٹے زیادہ قابل قدر ٹھہرتے۔ عورتوں کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں تھا۔ بیویوں کو مرد کی جائیداد تصور کیا جاتا اور انہیں کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ ایک آدمی جتنی چاہے بیویاں رکھتا۔ باپ کی وفات کے بعد اس کی بیویاں اس کے بیٹے کو وراثت میں چلی جاتیں جنہیں قانونی طور پر وہ اپنے عقد میں لانے کا مجاز تھا۔ عورتیں محض تجارتی اشیاء تھیں جن کی خرید و فروخت مرضی کے مطابق کی جا سکتی تھی۔

خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ دوسرے قبائل اور اقوام کے کئی

marfat.com

مقدسات بھی وہاں موجود تھے اور ہر شخص اپنی مذہبی رسومات کی ادائیگی میں آزاد تھا۔ کعبہ خدا کا پہلا گھر ہے جسے خاص اسی کی عبادت کے لئے تعمیر کیا گیا۔ بدقسمتی سے وہ بت پرستوں کے ہاتھ لگ گیا جنہوں نے اسے بتوں اور دیوی دیوتاؤں کی مورتیوں سے بھر دیا۔ ان میں کہیں حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کی تصاویر بھی آ گئیں۔ ہر گھر میں بت تھے۔ یہاں تک کہ سنگ و اشجار کی پوجا عام تھی۔ ہر قبیلے کے اپنے خدا تھے جن کے حضور وہ بعض اوقات انسانی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کرتے تھے۔ کسی مرکزی حکومت کا وہاں وجود تک نہ تھا۔ مختلف قبائل اپنے باپ دادا کے زمانے سے چلی آنے والی لڑائیوں میں مستقل طور پر الجھے ہوئے تھے۔ غلامی اپنی بدترین شکل میں موجود تھی۔ لوگوں کا عقیدہ آخرت پر کوئی یقین نہیں تھا۔ شراب نوشی، قمار بازی اور زنا عام تھے۔ جنگوں میں ظلم و بربریت کا بازار گرم رہتا۔ فاتح مفتوح پر ہر قابل تصور ظلم روا رکھنا اپنا حق سمجھتا تھا۔

پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں مہذب دنیا ابتری کے دھانے پر کھڑی تھی۔ پرانے تمدن دم توڑ چکے تھے۔ قدیم تہذیب انتہائی تباہ حال اور زوال پذیر تھی۔ یہی وہ زمانہ تھا جس میں حضور اکرمؐ اس دنیا میں تشریف لائے۔ آپؐ میں تمام معلوم دنیا کو متحد کرنے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی۔

حضرت ابراہیمؑ کی عرب میں بڑھنے والی اولاد میں سب سے طاقتور قبیلہ قریش کا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے چار سو سال بعد ایک قریشی سردار قصیٰ نے خزاعہ کے سردار حلیل کی بیٹی سے عقد کیا۔ بالاتفاق یہ بات طے پا گئی کہ قصیٰ مکہ کا حکمران ہوگا۔ اس کے قریبی رشتہ دار مکے کے پاس آباد ہو گئے اور وہ کعبہ والے قریش کے نام سے مشہور ہوئے۔ جب کہ اس کے دور پار کے رشتہ دار مکے کے نواح و اطراف میں پھیلی ہوئی پہاڑیوں سے نکلنے والے چشموں کے کنارے اور دیہاتی علاقوں میں آباد ہو گئے اور نواحی قریش کے نام سے مشہور ہوئے۔ خانہ کعبہ کے نگران اس کے اردگرد خیموں میں رہائش پذیر تھے۔ قصی نے انہیں گھر بنانے کی ترغیب دی اور اس نے اپنے لیے دارالندوہ کے نام سے ایک نہایت کشادہ گھر بنایا۔ وہ

marfat.com

قریش کا حکمران بادشاہ تھا۔

قصی کے چاروں بیٹوں میں سے عبدالمناف سب سے زیادہ قابل تھا۔اس نے عبدالمناف کی بجائے اپنے پہلوٹے بیٹے عبدالدار کو اپنا جانشین مقرر کیا جو اتنا زیادہ قابل نہیں تھا۔ اپنی وفات سے قبل اس نے عبدالدار سے کہا: "میرے بیٹے! میں تمہیں دوسروں کے برابر لا کھڑا کرتا ہوں۔اگر چہ لوگ تمہاری نسبت ان کو زیادہ عزت واحترام دیتے ہیں مگر تمہاری اجازت کے بغیر کوئی شخص خانہ کعبہ میں داخل نہیں ہو سکے گا اور تمہارے علاوہ کوئی شخص قریش کے علم جنگ کو گرہ نہیں لگا سکے گا اور نہ ہی کوئی زائر تمہاری مرضی کے بغیر پینے کا پانی لے سکے گا اور نہ ہی کوئی کھانا کھا سکے گا اور نہ ہی قریش تمہارے گھر سے باہر کسی اور جگہ کوئی فیصلہ کر سکیں گے" عبدالدار کو اپنے سب حقوق اور اختیارات تفویض کرنے کے بعد قصی نے دارالندوہ کو اس کی ملکیت میں دے دیا۔عبدالمناف نے باپ کے احترام میں اس فیصلے کو بلا چون وچرا قبول کر لیا۔اگلی پشت میں قریش کے آدھے قبائل عبدالمناف کے بیٹے ہاشم کے گرد جمع ہو گئے اور پرزور مطالبہ کیا کہ عبدالدار کے قبیلے سے اختیارات لے کر ان کے اپنے قبیلے میں منتقل کیے جائیں۔

وہ جذبہ اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ عبدالمناف کی عورتوں نے نہایت قیمتی خوشبو سے بھرا ہوا پیالہ خانہ کعبہ کے پہلو میں رکھ دیا۔ہاشم،اس کے تمام بھائی اور اتحادیوں نے خوشبو میں اپنے ہاتھ ڈبو کر یہ عہد کیا کہ وہ ایک دوسرے کو کبھی نہیں چھوڑیں گے۔یہ عہد انہوں نے خانہ کعبہ کے مقدس پتھروں پر ہاتھ ملتے ہوئے کیا۔نہ صرف خانہ کعبہ بلکہ اس کے ارد گرد کئی میل پر محیط علاقے میں تشدد سختی سے منع تھا۔اس سے پیشتر کہ دونوں حریف مقدس مقام سے باہر نکل کر ایک زوردار جنگ کرتے ان کے درمیان سمجھوتہ طے پا گیا۔ان کے درمیان یہ بات طے پائی کہ عبدالمناف کی اولاد کو ٹیکس عائد کرنے اور حاجیوں کو کھانے پینے کی اشیاء فراہم کرنے کی ذمہ داری سونپ دی جائے جب کہ عبدالدار کی اولاد کے پاس خانہ خدا کی چابیاں اور اس سے متعلقہ حقوق بدستور قائم رہیں اور ان کا گھر بھی دارالندوہ ہی میں رہے۔

ہاشم کے بھائی اس بات پر راضی ہو گئے کہ حاجیوں کا انتظام اس کے سپرد رہے گا۔جب

marfat.com

حج کا وقت قریب آتا تو اجتماع کے اندر کھڑے ہو کر وہ اعلان کرتا "اے قریش کے لوگو، تم اللہ کے پڑوسی ہو، اس کے گھر کے میزبان ہو، اللہ کے گھر کے زائر تمہارے پاس آتے ہیں۔ وہ اللہ کے مہمان ہیں اور مہمانان خدا سے بڑھ کر تمہاری فیاضی کا کون مستحق ہو سکتا ہے۔ اگر میرا مال و دولت اس ذمہ داری کو نبھا سکتا تو میں یہ بوجھ آپ لوگوں پر ہرگز نہ ڈالتا۔"

گھر میں اور گھر سے باہر ہاشم کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ہاشم ہی وہ شخص تھا جس نے مکہ سے شمال مغربی عرب اور اس سے بھی آگے فلسطین اور شام تک قافلے روانہ کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ علاقہ رومی شہنشاہیت کا حصہ ہونے کے باعث بازنطینی حکومت کے ماتحت تھا۔ یہ سفر قدیم پرخطر راستوں پر طے کیا جاتا۔ موسم گرما میں سفر کرنے والے کاروانوں کے لیے سب سے پہلا پڑاؤ مدینہ کی سرسبز و شاداب وادی میں پڑتا جو مکہ سے جانب شمال اونٹوں پر گیارہ دن کی مسافت پر واقع تھی۔

ابتدا میں یہ نخلستان یہودیوں کا جائے مسکن تھا لیکن اب یہ جنوبی عرب کے ایک قبیلے کی عملداری میں آ چکا تھا۔ تاہم یہودیوں نے آبادی کی عام زندگی میں حصہ لیتے اور اپنی مذہبی رسومات پر عمل کرتے ہوئے بڑی خوشحالی کے ساتھ اپنی رہائش کا سلسلہ وہیں جاری رکھا۔

مدینہ کے عربوں میں عورت کی سربراہی کے متعلق بعض روایات موجود تھیں۔ وہ اپنے خاندان کی ایک بزرگ عورت قائلہ کی نسبت سے بنی قائلہ کے نام سے مشہور تھے۔ اوس اور خزرج قائلہ کے دو بیٹے تھے جن کے ناموں پر وہ دو قبیلوں میں بٹ گئے۔

خزرج کی بااثر عورتوں میں سے نجار کی ایک عورت سلمہ بنت عمرو تھی۔ ہاشم نے اس سے شادی کر لی۔ صحرائی بخار (جو اجنبیوں کے لیے زیادہ خطرناک تھا) کے باوجود مدینہ کی آب و ہوا مکے سے زیادہ صحت بخش تھی۔ ہاشم شام کے تجارتی سفر کے دوران جاتے ہوئے اور واپسی پر سلمہ اور اپنے بیٹے کے پاس قیام کرتے۔ ہاشم کے نصیب میں لمبی عمر نہیں لکھی تھی۔ اپنے کسی سفر کے دوران وہ فلسطین میں غزہ کے مقام پر بیمار پڑے اور وہیں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

عبدالشمس اور مطلب اس کے دو سگے بھائی تھے۔ ہاشم کے چھوٹے بھائی مطلب نے

marfat.com

حاجیوں کے خورد ونوش کا انتظام اور ٹیکس عائد کرنے کا فریضہ اپنے ذمے لے لیا۔ ہاشم کے ہاں سلمہ کے علاوہ دوسری بیویوں میں سے تین بیٹے اور ہوئے۔ مطلب کے اپنے بیٹوں میں سے کوئی بھی سلمہ کے بیٹے شیبہ کا مدمقابل نہیں تھا۔ وہ عظیم قائدانہ صلاحیتوں کا مالک تھا۔ مدینہ سے گزرنے والے مکی مسافر اپنی واپسی پر ان کی قائدانہ خوبیوں کے قصے سناتے۔ مطلب اسے ملنے گیا اور سلمہ سے کہا کہ وہ شیبہ کو اس کی سرپرستی میں دے دے۔

مکہ کے نگران کی حیثیت سے قریش دوسرے قبائل سے زیادہ معتبر اور عالی مرتبت گردانے جاتے تھے۔ اس بات کا قوی امکان موجود تھا کہ شیبہ ایک دن اپنے باپ کی جگہ ضرور لے لے گا اور قریش کا سردار بنے گا۔ مطلب نے اپنے بھتیجے کو اپنے پیچھے اونٹ پر بٹھایا اور مکہ کی جانب عازم سفر ہوا۔ ان کی مکہ آمد پر کسی راہگیر نے مطلب کے ساتھ کسی اجنبی کو دیکھ کر اسے بلا ساختہ عبدالمطلب (مطلب کا غلام) کہہ کر پکارا۔ اس دن سے شیبہ کو پیار سے عبدالمطلب کے لقب سے پکارا جانے لگا۔ مطلب کی وفات کے بعد کسی کو بھی ان کے بھتیجے کی جانشینی پر اعتراض نہیں تھا۔

marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسب نسب اور

ولادت باسعادت

حضرت عبدالمطلب اپنی فیاضی، اعتبار اور عقل و دانش میں بہت مشہور تھے۔ ان میں بے پناہ مردانہ وجاہت تھی۔ ان کے ہاں کئی بیویاں تھیں مگر ان میں سے ایک ہی بیٹا پیدا ہوا۔ ان کے برعکس ان کے چچازاد بھائی امیہ کے ہاں کئی بیٹے ہوئے۔ وہ بنی عبدالشمس کے سردار تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے دعا کی کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں دس بیٹوں سے نوازے اور وہ تمام اپنی جوانی کو پہنچیں تو وہ ان میں سے ایک کو خانہ کعبہ کی دہلیز پر اس کے نام سے قربان کر دیں گے۔

ان کی دعا قبول ہوئی۔ اللہ نے انہیں مزید نو بیٹوں سے نوازا۔ جب وہ پل کر جوان ہوئے تو خدا سے کیا ہوا عہد انہیں اکثر یاد آنے لگا۔ آپ کو اپنی اولاد میں سے عبداللہ سب سے زیادہ پیارے تھے۔ اللہ نے انہیں حسن و جمال سے خوب نوازا تھا۔ حضرت عبدالمطلب اپنی بات کے پکے تھے۔ انہوں نے اپنے سبھی بیٹوں کو اکٹھا کیا، اور اپنے عہد کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہا کہ وہ اسے پورا کرنے میں ان کی مدد کریں۔

انہوں نے اپنے تمام بیٹوں سے کہا کہ وہ ایک ایک تیر لیں اور اس پر اپنا اپنا نشان لگائیں۔ وہ خود خانہ خدا کے اندر تشریف لے گئے اور ہبل کے پاس کھڑے ہو کر اپنی تلوار نیام سے باہر نکالی اور اللہ سے دعا میں مشغول ہو گئے۔ قرعہ اندازی ہوئی اور قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکل آیا۔

حضرت عبداللہ کی والدہ ماجدہ کا تعلق قریش کے طاقتور قبیلے بنی مخزوم سے تھا۔ جب حضرت عبدالمطلب نے بنی مخزوم سے اپنے عہد کے بارے میں بات شروع کی تو مخزوم کے سردار

marfat.com

مغیرہ نے انکی بات کاٹتے ہوئے کہا "آپ عبداللہ کو قربان نہ کریں بلکہ ان کی جگہ کسی جانور کی قربانی کردیں۔ بنی مخزوم کو اپنی ساری جائیداد بھی قربان کرنا پڑی تو وہ پھر بھی انہیں بچالیں گے "ان کے بھائی بھی حضرت عبدالمطلب سے ان کی جان کی امان مانگنے لگے۔انہوں نے اپنے عظیم باپ سے عرض کی کہ وہ عبداللہ کے بدلے میں کوئی اور قربانی پیش کردیں۔ حضرت عبدالمطلب اس بات پر رضامند ہو گئے کہ وہ مدینہ کی کاہنہ سے دریافت کریں گے کہ آیا اس مسئلہ میں کفارہ دیا بھی جا سکتا ہے یا نہیں اور اگر دیا جا سکتا ہے تو کس شکل میں۔

حضرت عبدالمطلب نے سواری لی اور مدینے کا رخ کیا،مگر وہاں پہنچ کر انہیں پتہ چلا کہ کاہنہ خیبر گئی ہوئی ہے۔ کاہنہ کی واپسی پر اگلی صبح اس سے مشورہ کیا گیا۔ اس نے کہا" "مجھے آپ کے معاملے کی خبر پہنچی ہے۔آپ کے ہاں خون بہا کیا ہے؟" 'دس اونٹ' انہوں نے جواب دیا۔ اپنے وطن واپس لوٹ جاؤ اور اپنے بیٹے اور دس اونٹوں کو آمنے سامنے کھڑا کر کے ان کے درمیان قرعہ ڈالو۔ اگر قرعہ آپ کے بیٹے کے خلاف نکلے اونٹوں کا اضافہ کر کے قرعہ ڈالو اگر پھر بھی ویسا ہی نتیجہ نکلے تو مزید اونٹوں کا اضافہ کرتے چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ آپ کا خدا اسے قبول کرلے اور اونٹوں کے حق میں قرعہ نکل آئے۔تب اونٹوں کو قربان کردو اور اپنے بیٹے کو بچالو۔انہوں نے ایسا ہی کیا۔قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔وہ ہر بار دس اونٹوں کا اضافہ کر کے قرعہ نکالتے چلے گئے۔ جب اونٹوں کی تعداد سو تک پہنچ گئی تو قرعہ اونٹوں کے نام پڑا۔

حضرت عبدالمطلب مکہ روانہ ہو گئے جہاں انہوں نے اپنے بیٹے کے عوض اللہ کے حضور سو اونٹوں کی قربانی پیش کی۔ برسوں بعد جب حضرت عبداللہ کے اکلوتے بیٹے حضرت محمد ﷺ منصب نبوت پر فائز ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن کریم نازل کیا تو دیت کے طور پر اونٹوں کی تعداد سو مقرر رہوئی۔ واضح رہے کہ قبائلی دشمنی سے قطع نظر اگر کسی شخص سے غیر ارادی طور پر کسی دوسرے انسان کا قتل ہو جائے تو اس سے خون بہا کی جو رقم وصول کی جاتی ہے اسے دیت کہا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ جوان ہوئے تو حضرت عبدالمطلب نے ان کی شادی حضرت آمنہؓ سے کر

marfat.com

دی۔ حضرت آمنہ مدینہ کے معزز قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے والد حضرت وہب شادی کے لیے آمادہ ہو گئے اور ۵٦۹ء میں ان کا نکاح حضرت عبداللہ سے ہوا۔

حضرت عبداللہ فلسطین اور شام میں تجارتی قافلے کے ہمراہ گئے ہوئے تھے۔ وہاں سے واپسی پر وہ اپنی دادی کے خاندان کے ساتھ مدینہ میں ٹھہرے۔ آپ وہیں بیمار پڑے اور وصال فرما گئے۔

ان کی اہلیہ حضرت آمنہ اپنے اندر روشنی محسوس کرتی تھیں اور ایک دن وہی روشنی اس شدت کے ساتھ چمکی کہ انہیں شام میں واقع بصریٰ کے قلعے نظر آنے لگے۔ انہوں نے ایک آواز سنی جو کہہ رہی تھی۔ "آپ کے رحم میں اس قوم کا پیشوا موجود ہے۔ جب وہ پیدا ہو تو کہنا کہ میں اسے ہر حاسد کے شر سے خدا کی پناہ میں دیتی ہوں، اور اس کا نام احمد رکھنا"۔ کچھ ہفتے بعد بچے کی ولادت باسعادت ہوئی۔ حضرت آمنہؓ اس وقت اپنے چچا کے گھر میں موجود تھیں۔ انہوں نے حضرت عبدالمطلب کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے پوتے کی زیارت کے لیے تشریف لے آئیں۔

آپؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپؐ کا نام محمد ﷺ رکھا جس کے لغوی معنی ہیں بہت زیادہ تعریف کیا گیا۔ عرب میں یہ ایک غیر معمولی نام تھا۔ حضرت آمنہؓ نے دوران حمل بچے کا وزن محسوس نہیں کیا اور جب حضور ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے تو قدرتی طور پر آپ کے ختنے ہوئے ہوئے تھے۔

حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کے بعد عرب رواج کے عین مطابق آپؐ کا سر مبارک مونڈا گیا اور آپؐ کے سر کے بالوں کے وزن کے برابر سونا خیرات کیا گیا۔ اگرچہ بچے کے بالوں کا وزن کچھ زیادہ نہیں ہوتا تاہم قریش اس رواج پر سختی سے کاربند تھے۔ اگر دنیا کے کسی کونے میں اس رواج کا وجود نظر آئے تو اسے عربوں کا رواج ہی تصور کیا جانا چاہئے۔

حضور ﷺ کا سر منڈانے کے بعد آپؐ کو آپؐ کی دایہ کے سپرد کر دیا گیا۔ پیغمبر اسلامؐ کی تربیت دو دایوں نے کی اگرچہ ایک کا نام تاریخ کی کتابوں میں شاذ و نادر ہی ملے گا کیونکہ وہ حضور ﷺ کے چچا ابولہب کی باندی تھی۔ ابولہب اسلام کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھا اس نے آپؐ

marfat.com

کی ذات اور آپؐ کے مشن کو نقصان پہنچانے کی زبردست کوشش کی۔ ابولہب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے۔ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔ اور آخرت میں عنقریب ایک شعلہ زن آگ میں داخل ہو گا۔ وہ بھی اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں لاد کر لاتی ہے۔ اور دوزخ میں پہنچ کر اس کے گلے میں ایک رسی ہو گی خوب بٹی ہوئی۔

(سورۃ لہب)

ابولہب حضور ﷺ کی ذات اقدس پر پتھر پھینکا کرتا جو آپؐ کے چہرہ مبارک اور سینے پر لگتے اور آپؐ کو زخمی کر جاتے۔ آپؐ اپنے کپڑوں کے پلو سے خون صاف کرتے اور ابولہب کی ہدایت کے لیے دعا کرتے۔ امِ جمیل ابولہب کی بیوی تھی۔ وہ اپنے شوہر سے کسی صورت پیچھے نہ تھی۔ وہ رات کے اندھیرے میں آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھاتی تاکہ منہ اندھیرے جب آپؐ نماز کے لیے اٹھیں تو کانٹوں پر چلنے کے باعث آپؐ کے پاؤں زخمی ہو جائیں۔ قرآن حکیم میں اسے ایسی عورت سے تشبیہ دی گئی ہے جو ہر وقت کانٹے اکٹھی کرتی رہتی ہو۔ دونوں میاں بیوی جہنم میں ایک ساتھ پھینکے جائیں گے۔

بعض مسلمان مورخین کا خیال ہے کہ آپؐ کی اس دایہ کا نام ثویبہ تھا جو اپنے فرض میں اور آپ کو دودھ پلانے میں کوتاہی سے کام لیا کرتی تھی۔ اسے بہت جلد اس کام سے سبکدوش ہونا پڑا۔ لیکن آنحضور ﷺ نے اس کی کوتاہی کے باوجود اسے اس کی خدمت کا بہت اچھا صلہ دیا۔ جوان ہونے کے بعد آپؐ نے اسے ابولہب سے خرید کر آزاد کر دیا۔

جن دنوں ایک اور دایہ کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی قبیلہ بنوسعد کی عورتوں کا ایک گروہ مکہ

marfat.com

میں داخل ہوا۔ ان عورتوں نے ابتدائی چند گھنٹوں میں ہی اپنے لیے بچوں کا انتخاب کیا اور صحرا کو واپس پلٹ گئیں۔ لیکن آپ کو یتیم جان کر کسی نے بھی آپ کو اپنے ساتھ لے جانے کی حامی نہ بھری۔ صرف حلیمہ سعدیہ ہی وہ خاتون تھیں جو آپ کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے راضی ہوگئیں۔

اس طرح آپ کو حلیمہ سعدیہ کی رضاعت میں دے دیا گیا۔ عرب رواج کے مطابق وہ آپ کی رضائی ماں بنیں۔ مکہ میں بسنے والے قریش کے قبائل خانہ بدوش زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ اپنے بچوں کو دایوں کے حوالے کردیتے تاکہ وہ صحرا کی آغوش میں پروان چڑھ سکیں۔

اس رواج کی دو وجوہات تھیں۔ اوّل یہ کہ اس وقت مکے کی فضا بچوں کی نشوونما کے لیے سازگار نہ تھی بلکہ اکثر بچوں کے لیے جان لیوا ثابت ہورہی تھی۔ مکہ کے اندر پرورش پانے والے بچے کئی بیماریوں کا شکار ہورہے تھے جبکہ صحرا میں اس مسئلے کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ تھا۔ دوسری وجہ قبائلی تعلقات کا قیام تھی جو ایسے انتظامات سے بخوبی پروان چڑھ سکتے تھے۔ چونکہ دایہ مختلف قبائل کے بچوں کی ایک ساتھ اپنے گھر میں پرورش کرتی تھی اس لئے جب وہ بھی اسی دایہ کا دودھ پی کر پروان چڑھتے تو وہ ایک دوسرے کے رضائی بھائی کہلاتے اور رضاعت کا یہ رشتہ اتنا مقدس تصور ہوتا کہ رضائی بھائی کے ساتھ اکثر معاملات میں سگے بھائیوں کا سا سلوک روا رکھا جاتا۔

حلیمہ سعدیہ نے بعد میں یہ بات کچھ اس طرح بیان کی:

''اس سال بارشوں کے نہ ہونے کے باعث ہمارے پاس فصل بہار موجود نہ تھی لہٰذا ہمارے ہاں روٹی روزی کا کوئی سامان بھی موجود نہیں تھا۔ میں نے اپنے شوہر کو یہ تجویز پیش کی کہ ہم مکہ سے کسی بچے کو لے کر آئیں اور اس کی پرورش کریں تاکہ روزی کا کوئی بندوبست ہو سکے۔ شوہر کو میری یہ تجویز پسند آئی اور میں اپنے شیر خوار بچے کو لے کر اونٹنی پر سوار ہوئی اور ہم مکہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ میرا بچہ بھوک سے بلک رہا تھا۔ لیکن میری چھاتی دودھ سے خالی تھی''

''قحط سالی کے باعث اونٹنی کا دودھ بھی خشک ہو چکا تھا۔ لہٰذا ہمارا زیادہ وقت بھوکے ہی گزرا۔ جب ہم مکہ پہنچے تو میری ساتھی عورتیں امراء کے بچوں اور انعام واکرام کے ساتھ واپس

marfat.com

لوٹ رہی تھیں۔ ہمیں کسی امیر کبیر خاندان کا بچہ دستیاب نہ ہو سکا۔ اس کے برعکس صرف ایک یتیم بچہ ہمارے حصے میں آیا جس کے خاندان والے ہمیں بہتر انعام سے نوازنے کے قابل نہ تھے۔''

"خالی ہاتھ واپس لوٹنے کی بجائے میں نے اسے اپنے ساتھ لانا ہی مناسب سمجھا کیونکہ میرا خیال تھا کہ ممکن ہے بچہ بڑا ہو کر جب ایک معزز شخص بن جائے تو وہ ہمارے پرانے تعلقات کو یاد رکھے۔"

"میرے شوہر نے میری اس تجویز کو قبول کیا اور ہم بچے کو لے کر واپس آنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ ابھی ہم نے آدھا فاصلہ ہی طے کیا ہوگا کہ میں نے محسوس کیا کہ میری چھاتیاں حیرت انگیز طور پر دودھ سے بھر گئی ہیں۔ اس طرح دونوں بچوں نے سیر ہو کر دودھ پیا۔"

" گھر واپس پہنچنے کے بعد میرے شوہر نے اونٹنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا' حلیمہ دیکھو اونٹنی تو دودھ دینے کے لئے تیار ہے'۔ ہم بھوک سے نڈھال ہو رہے تھے۔ لہٰذا ہم نے اس کا دودھ دھویا اور خوب سیر ہو کر پیا۔ اس رات ہمیں بڑے سکون کی نیند آئی۔ اگلی صبح میرے شوہر نے کہا' حلیمہ! یہ بچہ بہت مبارک معلوم ہوتا ہے۔ یہ یقیناً ہماری قسمت بدل دے گا'۔"

حلیمہ سعدیہ کی ایک نہایت شریف النفس بیٹی تھی جس کا نام شیما تھا۔ اس کے دل میں بچے یعنی حضورﷺ کی محبت بہت زیادہ موجزن تھی۔ وہی اس کی دیکھ بھال کرتی۔ حلیمہ انہیں سال میں دو بار ان کی ماں سے ملانے کے لیے لے جاتیں۔ جب آپؐ دو سال کے ہوئے اور آپؐ کے دودھ چھڑانے کا وقت قریب آن پہنچا تو حلیمہ انہیں لے کر مکہ آ گئیں۔ اس وقت مکہ میں طاعون کی وباء پھیلی ہوئی تھی۔ لہٰذا حضرت آمنہ نے بی بی حلیمہ سعدیہ کو مشورہ دیا کہ وہ آپ کو ابھی صحرا میں ہی لے جائیں تا کہ وبا کا خطرہ ٹل جائے۔ لہٰذا آپ کھلی فضا میں مزید کچھ عرصہ گزارنے کے لیے حلیمہ سعدیہ کے ساتھ واپس پلٹ آئے۔ ان ابتدائی ایام اور آپؐ کے بچپن کے بارے میں حلیمہ سعدیہ کا کہنا ہے:۔

" آپ بچپن سے ہی انصاف پسند واقع ہوئے تھے۔ آپؐ صرف ایک طرف کا دودھ پیتے اور دوسری طرف کا دودھ اپنے رضاعی بھائی عبداللہ کے لیے چھوڑ دیتے۔ آپ کی نشوونما دوسرے

marfat.com

تمام بچوں سے بہتر ہو رہی تھی اور آپؐ اپنی عمر سے زیادہ کے معلوم ہوتے تھے۔ آپؐ کی معصومیت اور شخصیت سے ہر شخص متاثر ہو جاتا تھا۔ آپؐ کا چہرہ مبارک اندھیرے میں مانند ماہتاب تھا۔ آپؐ دوسرے بچوں کے ہمراہ کھیلتے مگر کسی میلے کچیلے کھیل میں ان کا ساتھ نہ دیتے۔ آپؐ بچپن سے ہی بہت معاون و مددگار طبیعت کے واقع ہوئے تھے۔ تین سال کی عمر میں آپؐ نے اپنے رضاعی بھائی عبداللہ کے ساتھ مل کر بکریاں چرانا شروع کر دیں۔"

بعد ازاں حضورؐ نے اپنے اور دوسرے مکی قبائل کی بکریاں چرائیں۔ اس دوران آپؐ مقصد زندگی اور کائنات کی حقیقت پر غور و خوض فرماتے رہتے۔ بعد میں حضور ﷺ اس دور کا بڑے فخر سے ذکر فرمایا کرتے اور اللہ کا شکر ادا فرماتے کہ اس نے آپ کو ان یادگار تجربات سے نوازا۔

جب حلیمہ سعدیہ حضور ﷺ کو حضرت آمنہ کے سپرد کرنے کے لئے مکہ پہنچیں تو آپ کی عمر تین برس کی تھی۔ آپؐ پرہجوم گلیوں میں کہیں کھو گئے۔ حلیمہ سعدیہ انتہائی پریشانی اور اضطراب کے عالم میں حضرت عبدالمطلب کی خدمت میں پہنچیں اور سارا معاملہ عرض کیا۔ آپؐ کے دادا حیران و سرگرداں خانہ کعبہ کی جانب لپکے تاکہ اللہ کے حضور آپ کی بازیابی کے لیے دعا کریں۔ ابھی وہ بمشکل خانہ کعبہ پہنچے ہوں گے کہ انہوں نے دیکھا ورقہ بن نوفل اور قریش کا ایک اور نوجوان آپ کو اپنے ہمراہ لے کر آ رہے ہیں۔ انہوں نے آپ کو مکہ کی گلیوں میں پھرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے ان کا شکریہ ادا کیا اور آپ کو کندھے پر اٹھا کر طوافِ کعبہ میں مشغول ہو گئے اور آپ کی صحت و حفاظت کے لیے دعا کرنے لگے۔ اس کے بعد انہوں نے آپ کو بی بی آمنہ کے پاس بھیج دیا جو بڑی شدت سے آپ کی منتظر تھیں۔

آپؐ اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ غالباً تین برس رہے۔ اس عرصہ میں آپؐ کے دادا، چچا اور پھوپھیاں اور ان کے بیٹے بیٹیاں بھی آپ سے بہت پیار کرنے لگے۔ خاص طور پر آپ کو حمزہؓ اور صفیہؓ بہت بھلے معلوم ہوتے وہ حضرت عبدالمطلب کی دوسری بیویؓ کے بطن سے تھے جن کے ساتھ ان کی شادی اسی برس انجام پائی تھی جس برس آپؐ کے والدین رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے تھے۔ حمزہؓ تو آپ کے ہم عمر تھے جب کہ صفیہؓ ان سے چھوٹی تھیں۔

marfat.com

مکہ میں آپؐ کے رہائش پذیر ہونے کے ساتھ ہی ام ایمن کو آپ کی دیکھ بھال کے لیے آیا مقرر کیا گیا۔ جب آپ کا سن مبارک چھ برس ہوا تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو لے کر مدینہ کے لیے روانہ ہوئیں تاکہ آپؐ اپنے ننھیالی رشتہ داروں سے مل سکیں اور اپنے والد گرامی کی قبر پر حاضری دے سکیں۔

دونوں ماں بیٹا ایک مہینے تک مدینہ میں قیام پذیر رہے۔ مکہ واپسی کے دوران حضرت آمنہؓ ابوہ کے مقام پر بیمار پڑیں اور وہیں اپنے اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ آپؐ کے دادا آپ کو مکہ واپس لے آئے۔

حضرت عبدالمطلب ایک سو آٹھ برس کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور مکہ میں ہی رہائش پذیر تھے۔ انہوں نے حضور کو اپنی کفالت میں لیا اور اپنے گھر لے آئے۔ اگلے دو برس یعنی ان کی وفات تک آپؐ انہیں کی کفالت میں رہے۔ حضرت عبدالمطلب کو اپنے ننھے پوتے سے اتنا انس تھا کہ وہ جہاں بھی جاتے آپ کو اپنے ساتھ رکھتے یہاں تک کہ وہ دارالندوہ میں بھی آپ کو ساتھ رکھنے لگے حالانکہ وہاں صرف چالیس برس سے اوپر کا قریشی مرد ہی داخلے کا مجاز تھا۔ اراکین ندوہ نے پہلے پہل اس بات کی مخالفت کی لیکن بعد میں انہیں آپؐ سے ایسی الفت ہوئی کہ وہ آپؐ سے نہایت محبت و شفقت کا برتاؤ کرنے لگے۔

حضورﷺ کا بچپن المنا کی کی زندہ مثال تھا۔ محض آٹھ برس کی عمر میں آپؐ کے دادا عبدالمطلب رحلت فرما گئے۔ اس وقت ان کی عمر ایک سو دس برس تھی۔ ان کی وفات کے بعد آپؐ کے چچا حضرت ابو طالب نے آپ کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ حضرت ابو طالب کے بیٹوں میں سے ایک کا نام طالب تھا جس کی وجہ سے آپ کو ابو طالب یعنی طالب کا باپ کہہ کر پکارا جاتا۔ عرب رواج کے مطابق باپ کا نام بیٹے کے نام پر چلتا تھا۔ حضرت ابو طالب کا اصلی نام مناف تھا۔

حضرت ابو طالب کا خاندان کافی بڑا تھا اور ان کی آمدن اتنی زیادہ نہیں تھی کہ وہ آپؐ کے لباس و طعام کا بندوبست کر سکیں۔ لہٰذا آپ کو اس کمسنی کی عمر میں مجبوراً بھیڑیں چرانا پڑیں۔ صحرا کی

marfat.com

اس تپتی دھوپ نے آپؐ کے کردار کی مضبوطی اور ذہنی پختگی میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ بعد ازاں نبوت کا بوجھ برداشت کرنے میں بھی یہ چیز ممد و معاون ثابت ہوئی۔ بھیڑیں اور دوسرے مویشی چراتے ہوئے آپ کسی گہری سوچ میں منہمک رہتے۔ ایسی تربیت کے لیے صحرا نہایت اعلیٰ مقام تھا۔

جزیرۃالعرب کے صحراؤں میں کچھ وقت گزارے بغیر یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ صحرائی سکوت اور وسعت، خیال اور دلجمعی کے کن اوصاف کا تقاضا کرتے ہیں۔ تھوہر اور دوسرے صحرائی پودے یورپی پودوں سے قطعی مختلف ہوتے ہیں۔ شاید ہی کوئی پودا خوشبو سے خالی ہو، یہاں تک کہ ببول کے کانٹے بھی بھینی بھینی خوشبو خارج کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اگر یورپ کے بے بو پودے بھی ان گرم صحراؤں میں لا کر اگائے جائیں تو چند نسلوں کے بعد وہ پودے بھی خوشبودار بن جائیں اور چھوٹے پودے بڑے درختوں کا روپ دھار لیں۔

آپؐ بھیڑیں چرانے کے لیے ہر صبح صحرا میں تشریف لے جاتے اور شام تک سارا وقت وہیں گزارتے۔ اکثر اوقات آپؐ افق کے عظیم مناظر پر نظریں جمائے متفکر بیٹھے رہتے۔ آپؐ غروب آفتاب سے قبل بھیڑیں لے کر شہر واپس لوٹ آتے اور رات اپنے چچا کے ہاں گزارتے۔

کہا جاتا ہے کہ یتیم بچے دوسرے بچوں کی نسبت جلد ذہنی بلوغت کو پہنچ جاتے ہیں اور دنیا کے نشیب و فراز کا علم بڑی تیزی سے سیکھ جاتے ہیں۔ ان کے پاس کوئی کندھا نہیں ہوتا جس پر سر رکھ کر وہ رو سکیں اور نہ ہی کوئی ایسا ہوتا ہے جو ان کے چہروں کے دکھ مٹا سکے۔ کپڑے اور جوتے خرید کر دینے کے لیے ان کے والدین نہیں ہوتے یہاں تک کہ عید جیسے خوشی کے تہوار پر انہیں گلے لگانے والا اور ان کی پیشانی چومنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ آٹھ سالہ یتیم جسے مجبوراً کام کرنا پڑ رہا ہو زندگی کی تلخ حقیقتوں سے بہت جلد آشنا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی قوت فیصلہ کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتا۔ مشقت کی بھول بھلیوں سے باہر نکلنے کے سوا اس کے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں رہ جاتا۔ لہٰذہ یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ پیغمبر اسلام کا بچپن تفکر و تدبیر میں کیسے گزرا ہوگا۔ شدید مشکلات، تنہائی اور احساس ذمہ داری نے آپ کو سنجیدہ، متین اور سمجھدار بنا دیا۔ اس سے اس بات کی

marfat.com

وضاحت بھی ہوتی ہے کہ آپؐ کے چچا ابو طالب نے صرف بارہ سال کی عمر میں آپ کو اپنے شام کے تجارتی سفر پر کیوں ساتھ رکھا؟

باقی شرفائے مکہ کی طرح حضرت ابو طالب بھی تجارت کے پیشے سے منسلک تھے۔ قریش میں روایت تھی کہ وہ سال میں ایک بار شام کے تجارتی سفر پر ضرور روانہ ہوتے۔ ایک ایسے ہی سفر کے دوران حضرت ابو طالب کا قافلہ شام میں بصرہ کے مقام پر رکا جس کے قریب ہی بحیرہ نامی راہب کی خانقاہ تھی۔

آج تک بحیرہ نے خانقاہ سے باہر قدم نہیں رکھا تھا اور نہ ہی وہ کسی قافلے کے ساتھ گفتگو میں مشغول ہوا تھا، مگر اس روز وہ خلاف معمول اپنے حجرے سے باہر نکل آیا۔ قافلہ خانقاہ کے قریب پہنچنے والا تھا۔ اس نے خاص طور پر یہ بات نوٹ کی کہ بادل کا ایک ٹکڑا قافلے پر سایہ کیے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ چلا آ رہا ہے۔ بادل کا وہ ٹکڑا سورج اور مسافروں کے درمیان آڑ بنائے ہوئے تھا۔ قافلہ ایک درخت کے نیچے رکا تو بادل بھی اس درخت کے اوپر ہی کھڑا ہو گیا، اور درخت کی ٹہنیاں جھک کر مسافروں پر سایہ کرنے لگیں۔ اس طرح دونوں سائے ان پر چھاؤں کرنے لگے۔ بحیرہ نے اہل قافلہ کو کہلا بھیجا۔ ''قریش کے لوگو، میں نے آپ کے لیے کھانے کا اہتمام کیا ہے''۔

''قریش کے لوگو'' اس نے کہا ''قافلے کا کوئی فرد پیچھے نہ رہے''۔ بحیرہ کے اصرار کے باوجود وہ حضورﷺ کو اونٹوں اور دوسرے سامان کی حفاظت کے لیے پیچھے چھوڑ گئے۔ ''کوئی پیچھے تو نہیں رہ گیا؟'' اس نے دوبارہ پوچھا۔ ''صرف ایک لڑکا، جو سب سے چھوٹا ہے۔'' انہوں نے جواب دیا۔ ''ایسا نہ کرو''۔ بحیرہ نے کہا ''اسے بلاؤ تاکہ وہ بھی ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہو۔'' آپؐ کے مقدس چہرے پر بحیرہ کی نظر کا پڑنا تھا کہ اس پر بادل کے سایہ کرنے کے معجزے کی حقیقت کھل گئی۔ انجیل کے مطابق آپؐ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہونی چاہیے تھی اور بحیرہ اسے دیکھنے کا متمنی تھا۔

راہب نے حضرت ابو طالب کو اپنا خواب سناتے ہوئے کہا ''قافلے کے ہمراہ ایک لڑکا

marfat.com

marfat.com

آئے گا وہ عرب ہوگا۔ اللہ کی جانب سے پیغمبر مبعوث ہوگا اور عربی زبان میں ہدایت کرے گا۔''
اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا'' اس لیے آپ کو یہودیت یا عیسائیت قبول کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی بلکہ آپ میں نبی مبعوث ہونے والا ہے'' بحیرہ نے حضرت ابو طالب کو متنبہ کرتے ہوئے کہا۔'' اگر انہوں نے وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں جو میں دیکھ چکا ہوں تو وہ انہیں نقصان پہنچانے کی پوری کوشش کریں گے۔ کیونکہ آپ کے بھتیجے میں آنے والے پیغمبر کی وہ تمام نشانیاں موجود ہیں جو ہماری مذہبی کتابوں میں درج ہیں۔ وہ پیغمبر اپنی قوم سے انکی زبان میں بات کرے گا اور خدا کا پیغام ان تک پہنچائے گا۔''

حضرت ابو طالب نے بحیرہ کے انتباہ پر سنجیدگی سے غور کیا اور اپنے کاروباری معاملات جلد از جلد نمٹا کر آپ کو واپس مکہ لے آئے۔

شام میں بحیرہ حسن و فطانت کا مرقع یا بوڑھے عارف کے طور پر جانا جاتا تھا۔ وہ عیسائیت کی مجسم تصویر سمجھا جاتا تھا۔ تاہم ایک عرب مورخ ابن ہشام نے اس کی تردید کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ عیسائی نہیں بلکہ مانکی پادری تھا۔ وہ منی نامی شخص کا پیروکار تھا جس نے ساسانی دور میں نبوت کا دعوٰی کیا تھا۔ ساسانی بادشاہ بہرام نے انہیں ایرانی صوبے خوستان کے شہر جندی پور کے دروازے پر ۲۷۶ء میں مصلوب کر دیا تھا۔ عیسائی انہیں مذہب میں ترجیحی تصورات متعارف کروانے کے باعث ملحد قرار دیتے تھے۔ منی اور بحیرہ سمیت اس کے تمام پیروکار اس بات کے قائل تھے کہ خدا کسی خاص قوم تک محدود نہیں بلکہ وہ دنیا کی ہر قوم کا خدا ہے چونکہ ہر قوم اس کی مخلوق ہے اس لیے وہ جس قوم میں چاہے نبی بھیج سکتا ہے۔

حضرت ابوطالب دین حنیف کے بعض پیروکاروں سے واقف تھے۔ انہیں میں سے بنی اسد کے ورقہ بن نوفل تھے جن کے والد نوفل ان کے قرابت دار تھے۔ ورقہ عیسائی ہو چکے تھے۔ اس علاقے کے عیسائیوں کا ایمان تھا کہ رسول کی بعثت بہت قریب ہے۔ حضرت ابو طالب کو یقین ہو چکا تھا کہ ان کا بھتیجا ہی پیغمبر بنے گا۔ اس لیے وہ کسی قسم کی تاخیر کے بغیر مکہ واپس لوٹ آئے۔

marfat.com

حضورؐ نے سب سے پہلے مکہ کے جنوب میں آباد ایک قبیلے اور قریش کے دس قبائل کے اتحاد کے مابین ہونے والی جنگ میں شرکت کی۔ اس جنگ کی وجہ اس قبیلے کی جانب سے مقدس مہینوں میں جنگ نہ کرنے کے معاہدے کی خلاف ورزی تھی۔ اہل مکہ کی معاشی زندگی کا سارا دارومدار عکاظ پر تھا۔ مقدس مہینوں میں جنگ نہ کرنے کے معاہدے کی خلاف ورزی کی صورت میں لوگ حج اور عکاظ پر آنے سے گریز کر سکتے تھے۔

دوسرے مہینوں میں راہزنی جیسے ناخوشگوار واقعات سے بچاؤ کے لیے جزیہ کی ادائیگی ضروری تھی۔ اس کے برعکس مقدس مہینوں میں جزیہ وصول کرنے کی کسی کو بھی اجازت نہیں تھی۔ اگر کوئی قبیلہ اس معاہدے کی خلاف ورزی کرتا تو قریش اس ظالم قبیلے سے جنگ کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے۔

اس بات کی قطعی شہادت موجود نہیں کہ جنگ کی ابتدا کب ہوئی تاہم حضورؐ نے اس میں حصہ لیا اور دوران جنگ حضرت ابوطالب کے شانہ بشانہ لڑے۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ چونکہ آپؐ بہت کم عمر تھے اس لیے آپؐ نے صرف حضرت ابوطالب کا ترکش اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔ آپؐ اس میں سے تیر نکال نکال کر اپنے چچا کو دیتے اور وہ دشمنوں پر پھینکتے جاتے۔ دوسرے مورخین کا خیال ہے کہ آپؐ نا صرف باقاعدہ تلوار لے کر لڑائی میں شریک ہوئے بلکہ آپؐ نے باغی قبیلے کے سردار کو زخمی بھی کیا۔

marfat.com

حلف الفضول

عرب انفرادی طور پر کسی کام یا واقعہ کا ذمہ دار نہیں ہوتا تھا۔ اگر اس سے کسی انسان کا قتل ہو جاتا تو مقتول کا قبیلہ قاتل سے نہیں بلکہ اس کے قبیلے سے انتقام لیتا تھا لہٰذا متعلقہ شخص کی بجائے پورے قبیلے کو اجتماعی طور پر اس کی غلطی کے نتائج بھگتنا پڑتے۔

جب بدوؤں نے شہر مکہ میں رہائش اختیار کی تو انتقام کے مروجہ طریقے غیر اصولی قرار پائے۔ چونکہ مکہ میں پولیس یا عدالت کا وجود نہیں تھا لہٰذا ہر قبیلہ قبائلی حدود کی خلاف ورزی کیے بغیر اپنا حساب بے باک کر لیتا۔ البتہ کسی بیرونی دشمن کے مقابلے میں بھی قریشی قبائل یک جان ہو کر اتحاد کی صورت اختیار کر لیتے۔ اس لیے اگر کسی بدو کے ساتھ مکہ میں کوئی زیادتی ہو جاتی تو صرف اس کے ہم قبیلہ ہی اس کا بدلہ لے سکتے تھے۔ اور جونہی کوئی قبیلہ مکہ پر چڑھائی کرتا تو اسے ایک کی بجائے دس قبائل کا سامنا ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ مکہ کے اندر جب کسی اجنبی کے ساتھ زیادتی ہو جاتی تو وہ انصاف کے حصول اور اپنی زیادتی کا بدلہ چکانے کی لیے اپنے آپ کو بے یار و مددگار پاتا۔

سہیلی ایک عرب مورخ گزرا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک عرب اشیائے ضروریات کی خریداری کے لئے اپنی جواں سال بچی کے ہمراہ عکاظ کے میلے میں آیا۔ مکہ کے ایک امیر کبیر تاجر نے اس کی بچی اغوا کر لی۔ غریب باپ کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ واپس جائے اور اپنے قبیلے کو ساتھ لے کر مکہ آئے اور اپنی بچی کو رہا کروائے۔ اغوا کنندہ اس بات سے بخوبی واقف تھا کہ اس کے قبیلے میں اتنی جان نہیں کہ وہ اس سے اپنی اغواء شدہ بچی کو چھڑا کر لے جا سکے اس لیے اس نے بچی کو واپس کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ حضور ﷺ کو جب اس واقعے کی اطلاع ملی تو آپؐ نے مکہ کے جوانوں کو اس بربریت کے خلاف اکسایا۔ کچھ رضا کار جو اغوا شدہ بچی کو رہائی دلانے کے حق میں تھے ایک جگہ اکٹھے ہوئے اور سب نے مل کر عہد کیا اور کہا

marfat.com

''ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم مظلوم کی اس وقت تک مدد کرتے رہیں گے جب تک ظالم اس کا حق واپس نہ کردے۔ اور ہم حلفاً کہتے ہیں کہ ہم ہر مظلوم کی مدد رنگ و نسل اور امیر و غریب کی شرط کے بغیر کریں گے''۔

خوب بحث و تمحیص کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ایک ایسی جماعت کا وجود لازمی ہے جو انصاف کے حصول اور کمزور و بے بس کے تحفظ کو یقینی بنائے۔ اس کے بعد وہ ایک گروہ کی شکل میں خانہ کعبہ کے اندر گئے اور خدا کے حضور کھڑے ہو کر عہد کیا کہ آج کے بعد مکہ کے اندر ہونے والی کسی بھی زیادتی کے خلاف وہ اس وقت تک یک جان ہو کر لڑیں گے جب تک کہ انصاف کے مطابق فیصلہ نہیں ہو جاتا۔ مظلوم خواہ قبیلہ قریش کا آدمی ہو یا کہیں باہر سے آیا ہو وہ سب اس کے حمایتی و مددگار ہوں گے۔

بنی تیم کے سردار، بنو ہاشم کے حضرت زبیرؓ اور ان کے بھتیجے حضور ﷺ اس جماعت کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپؐ نے حلف میں شرکت کی اور بعد میں کسی موقع پر ارشاد فرمایا۔'' میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر کیے گئے عظیم الشان معاہدے میں شریک تھا۔ اس معاہدے میں اپنے کردار کو میں کسی شے کے بدلے میں بھی بدلنے کو تیار نہیں۔ اس معاہدے کے تحت آج بھی اگر کوئی شخص مجھے بلائے تو میں بڑی خوشدلی کے ساتھ حاضر ہوں گا۔'' اس معاہدے میں میزبان کے چچیرے بھائی بنی تیم کے ابو قحافہ اور ان کے بیٹے حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی موجود تھے۔ حضرت ابو بکر حضور ﷺ سے تین سال بڑے تھے جو بعد میں آپؐ کے معتمد ترین دوست بنے۔

اس رضا کارانہ تنظیم کی تشکیل انسانی حقوق کی تنظیم کے لیے نقطہ آغاز تھی۔ اس کا نام ''حلف الفضول'' اس کے مقاصد کی ترجمانی کرتا ہے۔

آپؐ ''حلف الفضول'' کے دوسرے اراکین کے ہمراہ اغوا کنندہ تاجر کے پاس گئے۔ تاجر کے گھر کا گھیراؤ کیا اور اس سے بچی کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا۔ تاجر نے ایک رات کی مہلت مانگی جسے نامنظور کر دیا گیا۔ لہٰذا اس نے مجبور ہو کر بچی کو فوری طور پر رہا کر دیا۔

marfat.com

خانہ کعبہ کے ایک کونے میں لگا ہوا مقدس پتھر حجرِ اسود جسے حضورؐ نے بوسہ دیا تھا۔ ہر سال لاکھوں مسلمان آپؐ کی اس سنت پر عمل کرتے ہیں۔ ایک مسلمان حجرِ اسود کو بوسہ دے رہا ہے۔

marfat.com

ایک دفعہ ابوجہل نے کسی اجنبی سے سامان تجارت خریدا مگر اس کی قیمت ادا کرنے سے انکاری ہوگیا۔ وہ اجنبی ''حلف الفضول'' نامی تنظیم کے وجود سے لاعلم تھا۔ لہٰذا مایوسی کے عالم میں وہ واپس پلٹ گیا۔ مکہ کے دس قبائلی اتحاد کے مقابلے میں اس کا اپنا قبیلہ مجبور ولاچار تھا۔ حضور ﷺ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپؐ ابوجہل کے پاس تشریف لے گئے اور اسے مجبور کیا کہ وہ اجنبی کو اس کے مال کی قیمت ادا کرے۔ بعدازں جب بھی کسی اجنبی کے ساتھ زیادتی ہوئی اس نے ''حلف الفضول'' کے رضا کاروں کو پکارا اور اس سے زیادتی کا ازالہ کر دیا گیا۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ اس تنظیم کی سرگرمیوں میں شریک ہو کر آپ کو فرحت و سرشاری کا احساس ہوتا تھا۔

حضور ﷺ کی بعثت سے قبل ایسی تنظیم کی تشکیل بڑی اہمیت کی حامل ہے اس سے عربوں کے نظام عدل میں انقلاب برپا ہوگیا اور قبائلی انتقام کا تصور ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا۔

آپؐ کا تشکیل کردہ حلف الفضول ساری انسانیت کو درس دیتا ہے کہ ظالم کے مقابلے میں ہمیشہ مظلوم کا ساتھ دینا چاہیے اگرچہ مظلوم کا تعلق کسی کمزور قبیلے یا کسی سے بھی نہ ہو اور کوئی شخص بھی اس کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈالنے کو تیار نہ ہو۔ یہ جان کر انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا منشور ۱۹۴۸ء میں تشکیل دیا گیا جب کہ حلف الفضول کا انسانی حقوق کا منشور اس سے چودہ سو سال پیشتر آپؐ نے تحریر کروایا اور اس پر اپنے دستخط ثبت کیے۔

marfat.com

حضور اکرمؐ بحیثیت صادق وامین

آنحضورﷺ جہاں بے شمار قابل ستائش خوبیوں کے مالک تھے' وہیں منصب نبوت پر فائز ہونے سے قبل آپؐ صادق وامین کے لقب سے مشہور ہو چکے تھے۔ اپنے عظیم آباء حضرت ابراہیمؑ وحضرت اسماعیلؑ کی مانند آپؐ میں تیر اندازی کا رجحان بہت نمایاں تھا۔ آپؐ میں ایک اچھے تیر انداز کی تمام خوبیاں موجود تھیں۔ اس حوالے سے آپؐ کی قوت بصارت ایک اثاثہ تھی۔

بعثت نبوی سے قبل آپؐ نے بعض ایسے اقدامات کیے جو دوسرے لوگوں پر آپؐ کی فوقیت و برتری ثابت کر دینے کے لیے کافی ہیں۔ حضورﷺ نے معاشرتی، سیاسی، اقتصادی بلکہ عدالتی نظام کو ایسی شاندار بصیرت اور عقل سلیم سے سمجھا جو عام آدمی کی فہم و دانش سے بالاتر تھی۔ آپ کا دیانتدارانہ برتاؤ بڑا مشہور تھا۔

بعثت نبوی سے پچیس برس پہلے ہی آپؐ امین وحلیم کے القاب سے مشہور ہو چکے تھے۔

عرب میں صبر وحلم نہایت اعلیٰ پائے کی خوبی شمار ہوتی تھی۔ عربوں کے نزدیک غربت و مفلوک الحالی بری بات نہیں تھی بلکہ مصائب ومشکلات میں صبر وہمت سے کام نہ لینا اور بے صبری و پریشانی کا مظاہرہ کرنا قابل نفرت بات تھی۔

عرب محقق ابوداؤد نے لکھا ہے کہ جب آپؐ کی عمر مبارک تیس برس کی ہوئی تو ایک تاجر نے آپؐ سے کسی تجارتی معاملے میں بات چیت کے لیے کسی جگہ ملاقات کا وقت طے کیا۔ تاجر کو وقت مقررہ پر پہنچنا یاد نہ رہا۔ تین روز بعد جب وہ اتفاقاً اس جگہ سے گزرا تو اس نے دیکھا کہ آپؐ حسب وعدہ وہاں پر موجود ہیں اور پچھلے تین دن سے وہیں کھڑے اس کا انتظار کر رہے ہیں۔

سونا عرب میں نایاب شے تصور ہوتی تھی۔ پانچ گرام سونے کا سکہ بہت بڑی نعمت شمار ہوتا تھا۔ امریکہ کی دریافت کے بعد دنیا میں سونے کے استعمال میں نمایاں اضافہ ہوا۔ ہسپانوی

marfat.com

دریافت کنندہ امریکہ کے بعد سونے کو پہلے یورپ اور پھر وہاں سے افریقہ اور ایشیا لے گئے۔

دور جوانی میں آپ قیس بن زید نامی ایک تاجر کے لیے کام کیا کرتے تھے۔ آپؐ اس کا سامان تجارت لے کر دور دراز مقامات پر جاتے اور پندرہ سو سے دو ہزار سونے کے سکوں تک اٹھنے والا کثیر منافع واپسی پر اسے پیش کرتے۔ اگر آپؐ چاہتے تو اس خطیر رقم کو غصب کر کے اپنی باقی ماندہ زندگی عیش و آرام میں گزار سکتے تھے لیکن چونکہ آپؐ امین تھے لہٰذا حساب کتاب ہمیشہ ٹھیک رکھتے۔ جب آپؐ قیس سے علیحدہ ہوئے تو اس نے کہا '' خدا آپ کی عمر دراز کرے۔ مجھے آپؐ سے زیادہ شریف اور ایماندار شخص پھر کبھی نہیں ملے گا''۔

جوانی کے دور میں جب آپ تجارتی سفر پر روانہ ہوتے تو آپ کی امانت و دیانت کو دیکھتے ہوئے دوسرے تاجر بھی آپؐ سے درخواست کرتے کہ آپؐ ان کا مال بھی اپنے ساتھ لے جائیں اور اس میں سے اپنی اجرت بھی کاٹ لیں۔ آپؐ اپنی اجرت تو کاٹ لیتے مگر آپؐ نے اپنے طور پر کبھی کوئی پیسہ نہ رکھا۔

امام ابن حنبلؒ اپنی '' مسند ابن حنبل'' کے صفحہ ۴۴۵ پر رقمطراز ہیں۔ ان کی یہ کتاب ۱۳۶۸ء میں قاہرہ سے شائع ہوئی۔

'' تجارتی سفر سے واپسی پر آپؐ اپنے دوستوں کا حال احوال پوچھتے اور ان میں سے جس کسی کو مالی اعانت کی ضرورت ہوتی اپنی کمائی میں سے اسے بھی عنایت فرماتے''۔

اس دور میں کسی تاجر کے ہاں ایسی مثال شاذ و نادر ہی ملے گی۔ اس سے آپؐ کے صاف و شفاف کردار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ابتدائی دور میں خانہ کعبہ کی دیواریں انسانی قد سے قدرے اونچی تھیں اور دروازہ مقفل کرنے کے بعد بھی اس میں داخل ہونا ممکن تھا اس لئے وہاں سے خزانے چوری ہونے لگے۔

شرفائے قریش نے خانہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کر کے اس پر چھت ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ خانہ کعبہ کی دیواروں پر چڑھ کر سب سے پہلا پتھر اکھیڑنے والا شخص بنی مخزوم کا ابو وہب تھا وہ آنحضورﷺ کی

marfat.com

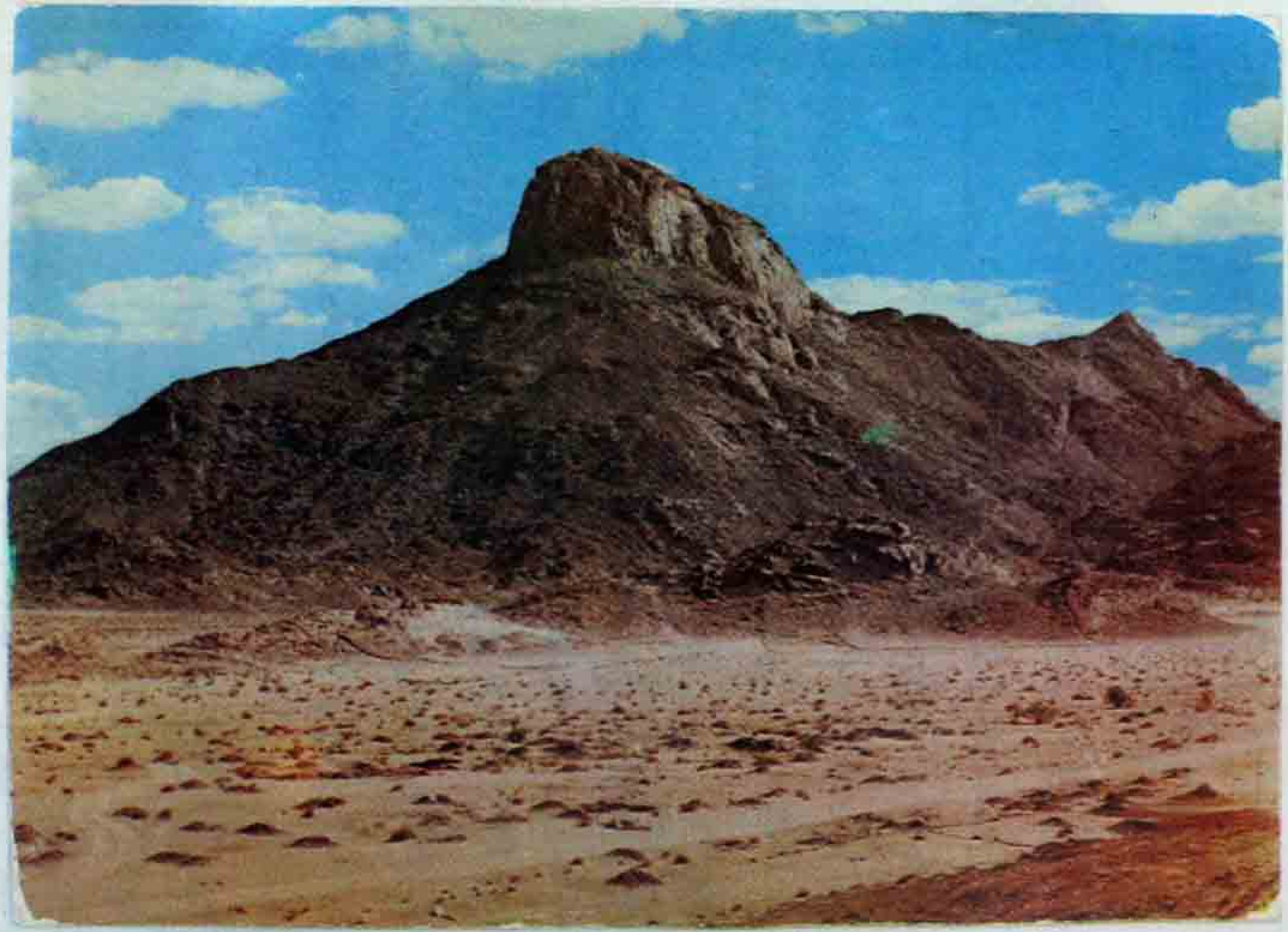

مکہ کے نواح میں دو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع کوہ حرا

marfat.com

نانی حضرت فاطمہ کا بھائی تھا۔ ابو وہب نے یونہی پتھر اٹھایا تو وہ اچٹ کر اپنی جگہ پر واپس چلا گیا اس پر بنی مخزوم کے سردار ولید بن مغیرہ نے کدال پکڑی اور کہا اس کام کی ابتدا میں کرتا ہوں۔ وہ خانہ کعبہ کے پاس جا کر یوں مخاطب ہوا ''اے اللہ! ہماری نیت نیک ہے'' اور حجر اسود اور جنوب مشرقی دیوار کے یمنی کونے کے درمیانی حصے پر ضرب لگائی۔

خانہ کعبہ کی شمال مغربی دیوار سے متصل ایک چھوٹا سا احاطہ ہے جو ہلکا سا دائرہ بناتے ہوئے ایک چھوٹی سی دیوار کے اندر گھرا ہوا ہے۔ اسی حصے کو حطیم کا نام دیا جاتا ہے۔ دیوار کے دونوں کنارے خانہ کعبہ کے شمالی اور مغربی کناروں کے عین قریب آ کر رک جاتے ہیں۔ ان کے درمیانی مقام کو حجر اسماعیل کہا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی قائم کردہ بنیادوں تک ساری دیواریں گرادی گئیں تو اونٹ کی کوہان سے ملتے جلتے سبزی مائل گول پتھر نظر آئے جو بڑے سلیقے سے ایک دوسرے پر پیوست کیے گئے تھے۔

ایک شخص نے ان میں سے ایک پتھر اٹھانا چاہا مگر عین اسی لمحے شہر مکہ زلزلے کے جھٹکے سے لرز اٹھا۔ انہوں نے یہ مطلب اخذ کیا کہ خدا کی مرضی یہی ہے کہ ان بنیادوں کو نہ چھیڑا جائے۔

قریش کے تمام قبائل نے خانہ کعبہ کی تعمیر میں علیحدہ علیحدہ شرکت کی۔ دیواریں جب حجر اسود کے مقام تک بلند ہو گئیں تو ان کے مابین ایک جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس حد تک طول پکڑ گیا کہ چار یوم میں فیصلے کی کوئی صورت نہ نکل سکی۔ قریب تھا کہ خانہ کعبہ جنگ کی لپیٹ میں آ جائے فیصلے کی ایک صورت نکل آئی کہ اگلی صبح مسجد کی حدود میں داخل ہونے والا پہلا شخص اس قضیے کا حکم ہوگا۔ خانہ کعبہ کے اطراف والا احاطہ مسجد کہلاتا ہے۔ عربی میں سجدہ کرنے کے مقام کو مسجد کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے زمانے سے خانہ کعبہ کی جانب منہ کر کے نماز ادا کرنے کی روایت چلی آ رہی تھی۔ اگلی صبح مسجد میں سب سے پہلے داخل ہونے والے شخص حضور ﷺ تھے۔ آپ کی آمد پر بڑی گرم جوشی اور اطمینان کا اظہار کیا گیا۔ بعض نے کہا ''آپ امین ہیں'' اس پر دوسروں نے کہا ''ہمیں ان کا فیصلہ منظور ہے''۔

marfat.com

''ایک چادر لاؤ'' آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ چادر زمین پر بچھا کر آپؐ نے حجر اسود اٹھایا اور چادر کے درمیان رکھ دیا'' ہر قبیلہ ایک ایک کونہ پکڑ لے'' آپؐ نے فرمایا'' اور سب مل کر چادر اوپر اٹھائیں'' جب وہ اوپر اٹھا چکے تو آپؐ نے حجر اسود کو اپنے ہاتھوں سے اٹھایا اور ایک کونے میں نصب کر دیا۔

آپؐ نے حجر اسود کا قضیہ جس حسن خوبی سے نمٹایا وہ نہ صرف آپ کی اعلیٰ فراست کا بین ثبوت ہے بلکہ آپ کی دانش، عدل، قابلیت، اور راستی پر قریش کے بڑوں کے کامل یقین کا بھی مظہر ہے۔

marfat.com

حضور ﷺ کی شادی مبارک

حضرت ابو طالب امیر آدمی نہیں تھے۔ اہل خانہ کی مالی معاونت اکثر اوقات ان کے لیے دشواریاں پیدا کرتی۔ آپ کو بچپن میں ہی بھیڑ بکریاں چرانا پڑیں۔ بعد میں آپؐ دوسرے تاجروں کا مال تجارت لے کر جانے لگے اور تاجر بھی آپ کی شرافت و دیانت سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کی خواہش تھی کہ صرف آپؐ ہی ان کا مال لے کر روانہ ہوں۔ انہیں تاجروں میں سے ایک حضرت خدیجہؓ تھیں۔ انہوں نے آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ ان کا مال تجارت لے کر شام کے قافلے کے ساتھ روانہ ہوں۔

آپؐ نے اپنے چچا ابو طالب سے مشورہ کیا اور ان کا مال تجارت لے جانے پر راضی ہو گئے۔

حضرت خدیجہؓ بنت خویلد ایک پاکیزہ سیرت خاتون تھیں وہ ورقہ بن نوفل کی چچیری بہن تھیں۔ ورقہ بن نوفل عیسائی تھے انکی بہن قبیلہ بنی ہاشم کی دور کی رشتہ دار تھیں۔ حضرت خدیجہؓ دو بار پہلے بھی شادی کر چکی تھیں مگر ان کے دونوں شوہر قضائے الٰہی سے فوت ہو گئے تھے۔ وہ تاجر تھیں اور طاہرہ (پاکباز خاتون) کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ ان کا گھر مکہ کے بہترین گھروں میں سے ایک تھا۔ آپؐ نے ان کا سامان تجارت لے جانے کے لیے اپنی رضامندی کا اظہار کیا تو حضرت خدیجہؓ نے اپنی دو معتمد ترین معاون آپؐ کے ساتھ بھیجے۔ ان میں سے ایک ان کا بھتیجا اور دوسرا ان کا غلام میسرہ تھا۔

آپؐ قافلے کے ساتھ شام میں داخل ہوئے اور بصرہ کے مقام پر پہنچے جہاں پہلے سفر کے دوران آپ کی ملاقات بحیرہ راہب سے ہوئی تھی۔ اب بحیرہ انتقال کر چکا تھا اور اس کی جگہ پر ایک اور راہب نسطورہ مقیم تھا۔ تاریخ اس بات کی قطعی شہادت فراہم نہیں کرتی کہ نسطورہ بھی اپنے پیشرو

marfat.com

کی طرح منی پیغمبر کا ماننے والا تھا کہ نہیں۔ تاہم اس نے بحیرہ کے الفاظ دہرائے اور کہا " خدا کسی ایک قوم کا خدا نہیں۔ یہودیوں کا دعویٰ کہ وہ دنیا کی بہترین قوم ہیں ان کے کبر و نخوت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ خدا کے نزدیک تمام اقوام برابر ہیں "۔

نسطورہ نے بتایا کہ جزیرۃ العرب میں ایک پیغمبر کی بعثت ہونے والی ہے جو مشرکوں کو بدل دے گا اور ان کے غلط یقین کو سچے اور حقیقی مذہب میں بدل دے گا۔

آپ تجارتی مصروفیات نمٹا کر مکہ واپس پہنچے تو آپ کو معاوضے کے طور پر سرخ اونٹ ملا۔ اس وقت اونٹ کی قیمت ۴۰۰ درہم تھی جب کہ غلام اپنی کم عمری، ضعیف العمری یا شکل و صورت کے اعتبار سے ۱۵۰ سے لے کر ۸۰۰ درہم تک فروخت ہوتا تھا۔ مکہ کی منڈی میں برچھا ۴ درہم کا اونٹ کی زین ۱۳ درہم کی اور کدال ۶ درہم کی تھی اگر ہم موازنہ کریں تو آپ کو ملنے والا معاوضہ بہت اچھے معاوضوں میں شمار ہوگا۔ آپؐ معاوضے سے مطمئن تھے اور حضرت خدیجہؓ آپؐ کے کام سے۔ لہٰذا انہوں نے آپ کو ایک اور سفر پر روانہ کیا۔

آپؐ واپسی پر حضرت خدیجہؓ کے پاس حساب کتاب کے لیے گئے لیکن وہ تو کچھ اور ہی فیصلہ کیے بیٹھی تھیں۔ حضرت خدیجہؓ آپؐ سے شادی کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔

اس وقت آپ کی عمر مبارک پچیس برس تھی۔ آپ کا درمیانہ قد تھا اور آپؐ دبلے پتلے تھے۔ آپؐ کے کشادہ کندھے اور جسم کے باقی اعضاء نہایت متناسب تھے۔ آپؐ کے سر اور داڑھی کے بال سیاہ اور گھنے تھے۔ آپؐ کے سر کے بال کانوں کی لوؤں تک لمبے تھے۔ اور آپ کی داڑھی ان سے پوری طرح میل کھاتی تھی۔ آپ کی پیشانی نہایت کشادہ تھی اور آپ کی بیضوی آنکھوں کے سفید حصے انتہائی واضح تھے۔ آپ کی پلکیں نہایت لمبی تھیں اور بھنویں بڑی اور ہلکی کمانی دار لیکن جدا جدا۔ ابتدائی دور کے اکثر تذکروں میں آپ کی آنکھوں کا رنگ سیاہ بتایا گیا ہے۔

آپ کی ناک مبارک ستواں اور درمیان سے ہلکی سی اوپر کو اٹھی ہوئی اور دہن مبارک کھلا مگر متناسب۔ آپؐ کے چہرۂ مبارک سے شرم و حیا کا واضح اظہار ہوتا تھا۔ آپ کی رنگت سفید مگر دھوپ سے سنولائی ہوئی۔ قدرتی حسن کے علاوہ آپؐ کے چہرۂ مبارک پر نور کا ایک ہالہ تھا وہی

marfat.com

ہالہ جو آپؐ کے والد گرامی کے چہرۂ مبارک پر بھی چمکتا تھا۔ اب وہی نور اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ آپؐ کے چہرے پر روشن تھا۔

آپؐ کی بڑی بڑی آنکھیں انتہائی گہری اور چمکدار تھیں اور بال مبارک کندھوں تک لمبے۔ آپؐ سیدھی مانگ نکالتے تھے۔ اور یہی وہاں کا رواج تھا۔ دوران گفتگو آپ مسکراتے تو موتی جیسے چمکدار دانتوں اور خوبصورت خمار ہونٹوں کو دیکھ کر آدمی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکتا۔ حسن و وجاہت کے علاوہ آپؐ کے جسم اطہر سے بھینی بھینی خوشبو اٹھتی رہتی۔ عرب اعلیٰ پائے کی خوشبوئیں استعمال کرتے تھے۔ مکہ اور مدینہ کے باسی نہ صرف اپنے جسم پر بلکہ اپنے گھروں میں بھی خوشبو استعمال کرتے تھے۔ آپ بھی خوشبو پسند کرتے تھے لیکن تیز اور چبھنے والی نہیں۔ آپؐ وقار، متانت اور نہایت آہستگی کے ساتھ بات کرتے یہانتک کہ سننے والا آپ کی زبان سے ادا ہونے والے ایک ایک لفظ کو شمار کر سکتا تھا۔ آپ کی باتیں نہایت مسحور کن ہوتیں اور سننے والا انہیں کبھی بھی بھلا نہ پاتا۔

آپؐ نے تجارت سے اٹھنے والا منافع حضرت خدیجہؓ کے حوالے کیا تو وہ جاننا چاہتی تھیں کہ آیا آپؐ شادی کا ارادہ رکھتے ہیں یا نہیں۔

شادی کی راہ میں تین بڑی رکاوٹیں کھڑی تھیں۔ اول یہ کہ حضرت خدیجہؓ چالیس سالہ بیوہ عورت تھیں ان کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھے۔ اس کے برعکس آپؐ پچیس سال کے جوان اور غیر شادی شدہ مرد تھے۔ دوئم وہ ایک مالدار خاتون تھیں۔ سوئم، پرانے رواج کے مطابق دونوں قبائل کی منظوری بھی لازمی تھی اور حضرت خدیجہؓ کے قبیلے کی طرف سے منظوری کا ملنا محال تھا۔

چونکہ آپؐ سے بلاواسطہ شادی کی بات کرنا ان کے لیے ناممکن سی بات تھی اس لیے انہوں نے اپنے غلام میسرہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا جس نے آپؐ سے صاف الفاظ میں سوال کیا کہ آیا آپؐ حضرت خدیجہؓ سے شادی کرنا پسند کریں گے یا نہیں۔؟ میسرہ نے واپسی پر حضرت خدیجہؓ کو بتایا وہ صحیح طور پر اندازہ نہیں کر پایا کہ آپؐ ان سے شادی کرنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ اس لیے دوسری بار انہوں نے نفیسہ نامی ایک خاتون کو آپؐ سے بات چیت کے لیے بھیجا تا کہ وہ کوئی واضح

marfat.com

جواب حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے۔

نفیسہ نے آپؐ کو گلی میں آتے ہوئے دیکھا تو وہ ناک کی سیدھ آپؐ کے پاس پہنچ گئیں اور چھوٹتے ہی دریافت کیا" آپؐ ایک مہذب اور خوبصورت انسان ہیں، آپؐ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟" آپؐ نے جواب دیا" میں اہل خانہ کو پالنے کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتا۔"

نفیسہ نے کہا" آپؐ محنتی شخص ہیں اور اپنے اہل خانہ کی ذمہ داریاں نہایت خوش اسلوبی سے ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں"۔ آپؐ نے جواب دیا " میرے چچا حضرت ابو طالب بوڑھے ہو چکے ہیں۔ وہ زیادہ مالدار بھی نہیں۔ جب میں بچہ تھا تو انہوں نے میری پرورش کی اور اب میں جوان ہو چکا ہوں تو یہ ذمہ داری میرے کاندھوں پر آن پڑی ہے کہ میں ان کے اہل خانہ کی ذمہ داریوں کا بوجھ کم کروں۔ اس لیے میں جو کچھ کماتا ہوں انہیں دے دیتا ہوں"۔

ہلکی پھلکی گفتگو کے بعد اس نے اپنی آمد کا اصل مقصد بیان کیا اور کہا کہ اگر آپؐ کو یہ پیشکش منظور ہو تو سمجھ لیں کہ حضرت خدیجہؓ پہلے سے ہی منظوری دے چکی ہیں۔ آپؐ گہری سوچ میں ڈوب گئے تو نفیسہ نے کہا چونکہ آپؐ بھی نہایت پرکشش طبیعت کے مالک ہیں اور بی بی خدیجہؓ بھی آپؐ کو بہت چاہتی ہیں اس لیے آپؐ کو انکار نہیں کرنا چاہیے۔

آپؐ کو حضرت خدیجہؓ کی رضا مندی کا علم ہوا تو آپؐ نے ان سے بلاواسطہ بات چیت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اگلے روز آپؐ کی ملاقات ہوئی تو حضرت خدیجہؓ نے نفیسہ کی بات کی تصدیق کر دی۔

اگر چہ حضرت خدیجہؓ آپؐ سے شادی کے لیے رضا مند تھیں تاہم شادی سے پہلے اپنے قبیلے بنی اسد کی رضا مندی حاصل کرنا لازمی تھا۔ جب انہوں نے قبیلے کے سردار عمرو بن اسد سے بات کی تو اس نے کہا۔' میں آپ کی دیانتداری اور اعتبار سے آگاہ ہوں مگر جب دوسرے قبائل اس شادی کے بارے میں سنیں گے تو وہ ہمیں یہ کہہ کہ طعنہ دیں گے کہ کیا مکہ میں شوہروں کی کمی تھی جو خدیجہؓ نے آپؐ سے شدی کی؟' "

marfat.com

حضرت ابو طالب کو اس واقعے کی خبر پہنچی تو انہوں نے عمرو اور انکے قبیلے کے دوسرے افراد کی ضیافت کی ۔کھانے کے بعد انہوں نے کہا ''اگر چہ محمدؐ خدیجہؓ جتنے امیر کبیر نہیں مگر آپؐ اعلیٰ شہرت کے مالک ہیں۔آپؐ ہاشمی خاندان کے چشم و چراغ ہیں جو بنو اسد سے بہتر نہیں تو کم از کم اس کے برابر ضرور ہے۔آپؐ کی جوانی' آپؐ کا حسن اور آپؐ کا کردار ہی آپؐ کے لئے عظیم اثاثہ ہیں۔اے عمرو' انکار کر کے نہ صرف تم حضرت خدیجہؓ کا دل توڑ دو گے بلکہ اسے آپؐ سے بہتر شوہر بھی نہ مل سکے گا۔'' حضرت ابو طالب کی باتوں نے عمرو کو قائل کر لیا۔

عرب رواج کے مطابق شوہر بیوی کو شادی کے وقت کچھ رقم ادا کرتا تھا آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کو پانچ سو درہم ادا کیے۔اس رقم سے بمشکل دو اونٹ خریدے جا سکتے تھے۔آپؐ کی شادی پر آپؐ کی دایہ حلیمہ سعدیہؓ مکہ آئیں۔حضرت خدیجہؓ نے انہیں پانچ اونٹ تحفتاً پیش کیے۔کچھ عرصے بعد جب وہ واپس لوٹیں تو آپؐ نے انہیں ایک اونٹ اور چالیس بھیڑیں دیں۔حضور ﷺ نے انہیں کبھی فراموش نہیں کیا اور ساری زندگی ان کی مدد کرتے رہے۔

ان کی شادی حیران کن حد تک خوشگوار ثابت ہوئی۔حضرت خدیجہؓ سے آپؐ کے دو بیٹے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔شادی کے دن آپؐ نے اپنے والد گرامی سے ورثے میں ملنے والی لونڈی برکہ کو آزاد کر دیا اور اسی دن حضرت خدیجہؓ نے اپنا ایک پندرہ سالہ نوجوان غلام زید آپ کو تحفے میں پیش کیا۔جہاں تک برکہ کی بات تھی آپ نے اس کی شادی مدینہ کے ایک آدمی سے کر دی جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔اسی لڑکے کی نسبت سے برکہ بعد میں ام ایمن یعنی ایمن کی ماں کے نام سے مشہور ہوئیں۔

شادی کے بعد جب حضور ﷺ کی معاشی حالت بہتر ہو گئی تو آپؐ نے اپنے عم زاد علیؓ بن ابی طالب کو اپنی کفالت میں لے لیا۔آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے ملنے والے غلام زید بن حارثہ کو بھی آزاد کر دیا۔تاہم حضرت زیدؓ نے آزاد ہونے کے بعد بھی آپ کی خدمت ترک نہ کی۔

حضرت زیدؓ کے والدین کو اپنے بیٹے کے زندہ ہونے کی کوئی خبر نہیں تھی۔جب انہوں نے سنا کہ وہ زندہ ہیں تو وہ انہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے مکہ آئے۔حضرت زیدؓ نے واپس

marfat.com

جانے سے صاف انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کی معیت انہیں ان کے والدین سے زیادہ عزیز ہے اس لئے وہ کبھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔

حضور ﷺ اپنی زندگی کے آخری دم تک غریبوں کی مدد فرماتے رہے۔ آپ اکثر کہا کرتے دنیا میں کوئی بھوکا اور لاوارث نہیں رہنا چاہئیے۔ غریبوں کی مدد پر جتنا قرآن زور دیتا ہے شاید کوئی دوسری آسمانی کتاب نہیں دیتی۔

کچھ مغربی مصنفین جو عرب کی قبل از اسلام معاشی حالت سے آگاہ نہیں ہیں کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ سے شادی کے بعد حضور ﷺ کا طرز زندگی یکسر بدل گیا تھا۔ یہ بات حقیقت پر مبنی نہیں ہے کیونکہ آپ کی زندگی کے آخری دن بھی آپؐ کے پاس دولت نام کی کوئی چیز نہیں تھی اور ان کے بعد ان کے خلفاء بھی ویسی ہی سادہ اور قناعت بھری زندگی بسر کرتے رہے۔ یہ تو بنو امیہ کا دور آیا جب اسلامی خلافت میں شاہانہ طمطراق اور جاہ وحشم در آئے۔ تاہم ان چیزوں کی نہ تو اسلام نے اجازت دی تھی اور نہ ہی اس کے اولین پیروکار انہیں زیر عمل لائے تھے۔

فطرتاً حضور ﷺ خوردونوش کے شوقین نہیں تھے۔ بچپن اور نوجوانی کا جتنا عرصہ بھی آپؐ نے عرب کے صحراؤں میں گزارا، آپ کی خوراک کا بیشتر حصہ اونٹ کے دودھ پر مشتمل رہا۔ ویسے بھی ایک عرب کی غذا دودھ پر ہی منحصر ہوتی تھی۔ عربوں کی قبائلی زندگی کا تصور اونٹ کے بغیر محال نظر آتا ہے۔ جزیرہ عرب کے اندرونی صحراؤں میں کھجوروں کے باغات اور نخلستانوں کی کمی تھی اس لئے اونٹ کا دودھ عام بدو کی غذا بن گیا۔

حضور ﷺ صحرا میں دودھ اور شہر کی آبادی میں رہتے ہوئے روٹی اور کھجوریں تناول فرماتے تھے لیکن آپؐ نے یہ دونوں غذائیں ایک ساتھ کبھی نہیں کھائی تھیں۔ یا تو آپؐ روٹی کھاتے یا کھجوریں۔ آپؐ کا فرمان تھا کہ بھوک مٹانے کے لئے ان میں سے ایک ہی چیز کافی ہے اور اگر دوسری بھی کھالی جائے تو یہ زیاں کے زمرے میں شمار ہوگی۔

آپؐ اپنی زندگی کے آخری دنوں تک کھانے کی ایک ہی چیز پر گزارہ کرتے رہے اور جب کبھی کھانا تناول فرماتے زمین پر بیٹھ کر ہی تناول فرماتے۔ آپ کا دسترخوان کھجور کی چھال سے بنی

marfat.com

ہوئی ایک چٹائی پر مشتمل تھا۔ روٹی اور کھجوروں کے علاوہ حضورﷺ ابلی ہوئی گندم اور مسور تناول فرمانا بھی پسند فرماتے۔ جس دن آپؐ نے ابلی ہوئی گندم اور مسور کھائے ہوتے آپؐ کھجوریں کھانے سے گریز فرماتے۔ گوشت تو ویسے ہی آپؐ عیاشی تصور کرتے۔ مکی زندگی کے دوران آپؐ کے گھر میں گوشت کبھی کبھار ہی پکایا جاتا کیونکہ گوشت خوری کا رواج زیادہ تر خانہ کعبہ کی زیارت کے دنوں میں ہی دیکھنے میں آتا۔ سادگی پسند ہونے کی وجہ سے آپؐ کے گھر میں کرسی میز جیسی کوئی چیز نہیں تھی۔ آپؐ چٹائی پر ہی بیٹھنے اور آرام فرمانے کے عادی تھے۔ آپؐ کے خلفاء کی زندگی بھی ایسی ہی سادہ تھی۔ وہ بھی خوراک کی ایک ہی قسم پر انحصار کرتے حالانکہ انتہائی تھوڑے عرصہ میں اسلام ایران، شام اور مصر جیسی عظیم الشان سلطنتوں کو سرنگوں کر چکا تھا اور اس کی سرحدیں دنیا کے طول و عرض میں پھیل چکی تھیں۔

مسلمانوں کی موجودہ اسراف پسند زندگی کے حوالے سے دیکھا جائے تو ان کے آباؤ اجداد کی زندگی ان سے یکسر مختلف نظر آتی ہے۔ شادی سے پہلے حضورﷺ تجارتی نکتہ نظر سے دور دراز کے سفر کیا کرتے۔ شادی کے بعد بھی آپؐ نے یہی روش اپنائے رکھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپؐ مختلف قبیلوں کو پہچان لیا کرتے اور کسی خاص جگہ کے بارے میں ضروری معلومات سے بہم آگاہ فرماتے۔ حضرت خدیجہ سے آپؐ کے دو بیٹے تولد ہوئے۔ آپؐ نے پہلے بیٹے کا نام قاسم تجویز فرمایا اور اپنے آپ کو ابوالقاسم یعنی قاسم کا باپ کہلوانا پسند فرمایا۔ آپؐ کے دونوں بیٹے کم سنی میں ہی وصال فرما گئے۔ حضرت خدیجہؓ سے آپ کی چار صاحبزادیاں بھی پیدا ہوئیں جن کے نام رقیہؓ، زینبؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ تھے۔ پہلی تینوں صاحبزادیاں بے اولاد وصال فرما گئیں۔ صرف حضرت فاطمہؓ سے آپ کی اولاد آگے چلی۔

حضرت خدیجہؓ سے شادی کے بعد حضورﷺ ان کے قبیلے کے ایک فرد شمار ہونے لگے اور دوسرے لوگوں سے آپؐ کے تعلقات میں بہتری آئی۔ حضرت خدیجہؓ کے رشتہ دار شکل و صورت، کردار اور اخلاص کے حوالے سے کافی مشہور تھے۔ ان کا شمار حنفاء میں ہوتا تھا۔

حنفاء وہ لوگ تھے جو رات دن سچائی کی تلاش میں سرگرداں رہے اور جنہوں نے ساری

marfat.com

زندگی ایک ہی ذات واحد کی عبادت کرتے ہوئے بسر کردی۔ ان لوگوں میں حضرت خدیجہؓ کے عم زاد ورقہ بن نوفل بھی شامل تھے۔ حضور ﷺ کی شادی کے بعد ورقہ بن نوفل آپؐ کے بااعتماد دوست بن گئے۔ جن دوسرے لوگوں سے آپؐ کی شناسائی ہوئی ان میں عبید اللہ بن جحش، عثمان بن حریث اور زید بن عمرو شامل ہیں۔ جب کبھی یہ لوگ یا حضرت خدیجہؓ کے دوسرے رشتہ دار حضور ﷺ سے ملتے گفتگو کا موضوع زیادہ تر مذہب ہی رہتا۔ انہوں نے حضور ﷺ کو بھی حنفاء میں شامل ہونے کی پیش کش کی۔

حضور ﷺ حضرت خدیجہؓ کے رشتہ داروں سے جو بات چیت کرتے رہے وہ انتہائی تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ اس بات چیت کا زیادہ تر حصہ محفوظ نہیں رکھا جاسکا تاہم ابن سعد اور عینی جیسے کچھ عرب مورخین نے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے۔ حضور ﷺ کی پچیس سے پینتیس سال تک کی زندگی میں واقع ہونے والی یہ باتیں آپؐ کی اندرونی تبدیلیوں کو سمجھنے میں انتہائی ممد و معاون ثابت ہوسکتی ہیں۔

ان مورخین کے مطابق وہ لوگ جب کبھی حضور ﷺ کو سچائی کی تلاش پر اکساتے آپؐ ایک ہی جواب دیتے 'لا الہ الا اللہ' یعنی اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔

marfat.com

وحی کی آمد

بتوں کو ماننے اور موثر سمجھنے کا جواز اور اختیار ایک روایت کی صورت اختیار کر گیا تھا
۔عربوں کا خیال تھا کہ چونکہ ان کے باپ دادا اور پرانے بزرگ ایسا کیا کرتے تھے اس لیے انہیں
بھی ایسا ہی کرنا چاہیے ۔تاہم حضرت عبدالمطلب خدا کو ایک بہت بڑی حقیقت سمجھتے تھے ۔ وہ اپنے
معاصرین سے بدرجہا دین ابراہیمؑ کے قریب تھے ۔ ہر دور کی طرح اس زمانے میں بھی بعض
ایسے افراد موجود تھے جو حضرت ابراہیمؑ کے دین کو اس کی خالص شکل میں برقرار رکھے ہوئے تھے
۔حضرت عبدالمطلب ہی وہ شخص تھے جنہوں نے محسوس کیا کہ بتوں کی پوجا کا بزرگوں کی روایت
سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ ایک اختراع ہے جس کا سد باب کیا جانا نہایت ضروری ہے ۔ یہ بات
سمجھنے کے لیے کہ ہبل بنی اسرائیل کے سونے کے بچھڑے سے بہتر نہ تھا تاریخ کا تفصیلی جائزہ لینے
کی ضرورت ہے ۔دین حنیف کے پیروکار بتوں سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے ۔مکہ میں بتوں کی
موجودگی ان کے نزدیک غلاظت کے ڈھیر سے زیادہ کچھ نہ تھی ۔

حضور ﷺ ان مضبوط باطنی نشانیوں کے تجربے سے گزر رہے تھے جن سے آپؐ اس سے
قبل آگاہ نہ تھے ۔ جب آپؐ سے اس سلسلے میں دریافت کیا جاتا تو آپؐ سوتے میں دیکھے گئے
خوابوں کا حوالہ دیتے اور فرماتے کہ وہ تو ''سپیدۂ سحر کی مانند ہیں''۔آپؐ کوہ حرا میں واقع ایک
غار میں گوشہ نشینی اختیار فرماتے ۔حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں انسانوں کی دنیا سے کٹ کر کچھ
وقت کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرنے کا دستور چلا آ رہا تھا۔آپؐ اشیائے خوردونوش لے کر غار حرا
میں تشریف لے جاتے اور کئی راتیں اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ۔

حضور ﷺ سے پیشتر آپؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب بھی سال میں ایک مہینہ غار حرا میں
عبادت میں مشغول رہتے تھے ۔عربوں میں قمری کیلنڈر مستعمل تھا جس میں طلوع ہلال سے لے کر

marfat.com

دوسرے طلوع ہلال تک کا عرصہ ایک مہینہ شمار ہوتا۔ چونکہ وقت کی پیائش کا وہی آسان ذریعہ تھا اس لیے گوشہ نشینی کا عرصہ بھی ایک قمری مہینے پر محیط ہوتا۔ اس وقت بعض بزرگ مواحد بھی ساتھ والی غاروں میں عبادت کیا کرتے تھے۔

شہر مکہ ریتلے ٹیلوں اور پہاڑیوں میں گھرا ہوا تھا۔ عرب ان پہاڑیوں کو جبل کہتے تھے۔ انہیں پہاڑیوں میں سے ایک پہاڑی کے اندر غار حرا واقع تھی۔ اس پہاڑی کو بعد میں جبل نور کا نام دیا گیا۔ غار حرا آپؐ کے گھر سے تقریباً اڑھائی کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھی۔

غار حرا کی بناوٹ سے معلوم ہوتا ہے جیسے وہ تینوں اطراف سے پتھر کی بھاری سلوں کے گرنے سے وجود میں آئی ہو۔ اپنی ترتیب اور بناوٹ کے اعتبار سے یہی سلیں چھت کا کام بھی دیتی ہیں۔

غار کی اونچائی اور لمبائی اس قدر ہے کہ کوئی بھی شخص اس میں چھت سے ٹکرائے بغیر آرام سے کھڑا ہو سکتا ہے اور سکون سے لیٹ سکتا ہے۔ غار کا منہ خانہ کعبہ کی جانب ہے اس لیے غار کے اندر سے خانہ کعبہ صاف دکھائی دیتا ہے' اور خانہ کعبہ کے قریب ہونے کے باعث آپ کا گھر بھی وہاں سے نظر آتا تھا۔ دیواروں اور چھت کے برعکس غار کا فرش نہایت ہموار ہے اور اس پر چادر یا چٹائی بچھا کر آرام سے بیٹھا اور لیٹا جا سکتا ہے۔ آجکل غار میں داخلے کیلئے پہاڑی کے ساتھ ساتھ پتھروں کو تراش کر سیڑھیاں بنا دی گئی ہیں۔ عربوں کا خیال ہے کہ آپؐ کے دور میں سیڑھیاں نہیں تھیں۔

دوران رمضان غار حرا میں قیام آپ کا معمول بن چکا تھا۔ ماہ رمضان کو تقدس حاصل تھا اور عرب اپنی روایت کے مطابق اس میں لڑائی اور جنگ سے احتراز برتتے تھے۔ کوئی نہیں جانتا گوشہ نشینی کے ان ایام میں آپ کن مخصوص معاملات پر غور و فکر فرمایا کرتے تھے۔

ایک روز آپؐ جبہ مبارک زیب تن فرمائے غار حرا میں استراحت فرما رہے تھے، آپؐ نیند اور بیداری کی درمیانی کیفیت میں تھے جب حضرت جبرائیلؑ انسانی شکل میں تشریف لائے۔ آپ کو جگایا اور فرمایا اقراء (یعنی پڑھیے)۔ حضرت جبرائیلؑ کے ہاتھوں کے دباؤ سے آپ کو

marfat.com

اس قدر تکلیف محسوس ہوئی کہ آپ کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ تاہم آپؐ نے جواب دیا ''میں پڑھ نہیں سکتا'' یا ''میں نہیں پڑھ پاؤں گا''۔

بعض مسلمان علماء کے مطابق جگانے والے نے تین مرتبہ اپنے الفاظ دہرائے اور تینوں بار آپؐ نے ایک ہی جواب دیا یہاں تک کہ جبرائیلؑ نے کہا

> اے پیغمبر آپؐ پر جو قرآن نازل ہوا کرے گا اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے۔ (سورۃ علق ۹۶:۱)

اس آیت کے اثرات کا ادراک کرنے کے لیے ہمیں غار حرا میں جانے کی ضرورت نہیں۔ عربی زبان کے کسی ماہر پر یہ الفاظ بہت گہرا اور عمیق اثر چھوڑیں گے۔ دراصل عربی زبان میں مہارت حاصل کیے بغیر اس آیت اور دوسری قرآنی آیات کے بیان واثر کا اندازہ لگانا نہایت مشکل امر ہے۔

انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اطالوی، اور کئی دوسری زبانوں میں چھپنے والے قرآنی تراجم اپنے قاری کے دل پر اس درجہ رقت طاری نہیں کر پاتے جو خاص عربی زبان میں تلاوت سے ہوتا ہے۔ دوسری الہامی کتابوں کی طرح قرآن پاک کا بھی اپنا ایک خاص اسلوب بیان ہے۔ اس میں بعض آیات کی تکرار پائی جاتی ہے جو فرانسیسی یا انگریز قاری کو فضول نظر آئے گی حالانکہ عربی زبان کے واقف کسی شخص کے سامنے سورۂ علق کی پہلی آیت کی تلاوت کی جائے تو وہ ان الفاظ کی گہرائی کو فوراً جان جائے گا۔

حضورﷺ نے ان الفاظ کو حفظ کیا اور جبرائیل امین کے پیچھے پیچھے دہرایا۔ مسلمان علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ 'اے پیغمبر آپؐ پر جو قرآن نازل ہوا کرے گا اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے۔' کا مفہوم یہ ہے کہ کلام اللہ کی تلاوت سے پہلے اللہ کا نام لیا جانا چاہیے۔ لہٰذا سورۂ توبہ کے علاوہ قرآن پاک کی تمام سورتیں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے شروع ہوتی ہیں۔

سورۂ علق میں کل انیس آیتیں ہیں۔ تمام علماء اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ پہلی قرآنی سورت ہے۔ اس کی پہلی پانچ آیتیں آپؐ پر سب سے پہلی بار نازل ہوئیں۔ وہ آیات

marfat.com

درج ذیل ہیں:

اے پیغمبر آپؐ پر جو قرآن نازل ہوا کرے گا اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے۔ جس نے مخلوقات کو پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ آپؐ قرآن پڑھا کیجئے اور آپؐ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم سے تعلیم دی۔ انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا۔

(سورۃ علق ۵-۹۶.۱)

اسلام نے شروع دن سے ہی حصول علم کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے جسے انیسویں صدی میں مغرب کا مظہر بنا تھا۔ بعض مسلمان عالم تو یہاں تک کہتے ہیں کہ نماز روزہ کی طرح حصول علم بھی ایک مذہبی فریضہ ہے۔

نزول وحی کے فوراً بعد جبرائیل امین غائب ہو گئے۔ طبری نے اپنی کتاب میں حضرت خدیجہؓ کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپؐ نے فرمایا'' انسانی شکل میں آنے والا فرشتہ چلا گیا تو میں نے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی مگر میری رانیں کمزور پڑ چکی تھیں، میں زیادہ دیر کھڑا نہ رہ سکا لہٰذا مجھے بیٹھنا پڑا۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد میں نے اپنے گھٹنوں میں کھڑا ہونے کی طاقت محسوس کی۔ میں اٹھا اور اپنے گھر کی طرف چل پڑا مگر ابھی تک میرے کاندھے کانپ رہے تھے۔ آدھا راستہ طے کیا ہوگا جب میں نے ایک آواز سنی "اے محمدﷺ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ میں جبرائیل ہوں۔" آواز آسمان سے آرہی تھی۔ میں نے اوپر دیکھا تو جبرائیلؑ افق پر کھڑے کہہ رہے تھے۔ "اے محمدﷺ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ میں جبرائیلؑ ہوں۔" خوف سے میرے قدم رک گئے میں آگے جا سکتا تھا نہ پیچھے۔ میں نے نگاہیں موڑ کر دوسری جانب دیکھا مگر ادھر بھی جبرائیل امینؑ کھڑے تھے۔ میں نے اُن سے بچنے کے لیے دوسری جانب دیکھا لیکن جبرائیل ادھر بھی موجود تھے۔ غرضیکہ میں جدھر بھی دیکھتا، جبرائیلؑ کو موجود پاتا۔ دھیرے دھیرے وہ آسمانوں میں غائب ہو گئے۔ نقاہت و کمزوری سے میرا برا حال تھا۔ میں بڑی مشکل

marfat.com

سے گھر پہنچا۔"

حضرت خدیجہؓ کی روایت ہے' آپ ؐ گھر تشریف لائے تو آپؐ کے چہرہ مبارک کا رنگ زردی مائل ہو چکا تھا اور آپؐ دیوار کے سہارے مجھ تک پہنچے۔' یہ واقعہ ماہ رمضان کی ایک شب کے دوران پیش آیا۔ تکلیف کے جس احساس نے آپؐ پر قابو پایا وہ کسی طور پر بھی حیرت انگیز نہیں۔ کلام اللہ کا سننا بذاتِ خود بہت بڑی بات ہے۔ پھر جب کوئی چیز انسان کی برداشت سے باہر ہو جائے تو وہ تکلیف کا باعث بن ہی جاتی ہے۔ فطرت نے انسان کے لیے کچھ اصول متعین کر دیئے ہیں۔ انسانی اعصاب اور ہڈیاں ایک خاص حد سے زیادہ دباؤ برداشت نہیں کر سکتے۔ اور یہی معاملہ روح کا بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قادرِ مطلق ذات زمان و مکان کی قیود سے ماوراء ہے اس کے کلام کو سننا انسان کے بس کی بات نہیں۔ زلزلے یا بادل کی گرج سن کر ہم خوف سے کانپ اٹھتے ہیں حالانکہ وہ ہمارے گرد و پیش میں اٹھنے والا شور ہے جس کے قوانین قدرت سے ہم پوری طرح آگاہ ہیں۔ لہٰذا ہمیں کسی طور بھی حیران نہیں ہونا چاہیے کہ حضور ﷺ نے جبرائیل امینؑ کی آواز سن کر کپکپاہٹ محسوس کی یا ان کے چلے جانے کے بعد شدید تھکاوٹ اور نقاہت محسوس کی تو کیوں کی۔

حضرت خدیجہؓ نے حضور ﷺ کو غیر معمولی حالت میں دیکھنے کے بعد آپ کو ہاتھ سے سہارا دیا اور پوچھا" آپ کو کیا ہوا ہے۔ آپؐ بہت تھکے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ آپؐ بیمار لگ رہے ہیں؟" آپؐ نے سارا واقعہ سنایا اور فرمایا "میں خوفزدہ ہوں" حضرت خدیجہؓ نے پوچھا " آپؐ کیوں خوف زدہ ہیں؟" آپؐ کے جواب سے متعلق دو روایات مشہور ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے آپؐ نے فرمایا" میں نے جو آواز سنی ہے اس کے خوف سے بے بس سا ہو گیا ہوں۔ مجھے چین نہیں آ رہا۔ مجھے کہیں چھپا دو یا مجھ پر کچھ اوڑھا دو۔"

ابنِ ہشام اور سہیلی سمیت بعض دوسرے تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ آپؐ غارِ حرا میں بیٹھ کر غور و خوض فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ غمزدہ تھے کہ جو آواز آپؐ نے سنی کہیں وہ آپؐ کا وہم تو نہیں۔ تاہم دونوں گروہ اس بات پر متفق ہیں کہ آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے کپڑا اوڑھانے کے

marfat.com

لیے کہا اور انہوں نے آپؐ پر کمبل اوڑھ دیا تا کہ آپ کا خوف دور ہو اور آپ آرام فرما سکیں مگر
نینداور آرام تو آپؐ سے کوسوں دور تھے۔

یہ بات بھی حیران کن نہیں ہونی چاہیے کہ شک نے آپؐ کو گھیر لیا۔ اللہ کی آواز سننے
والوں کو پہلی مرتبہ اسی قسم کے تجربے سے گزرنا پڑا ہے۔

بعض عرب مورخین کا کہنا ہے کہ جبرائیل امینؑ اسی شب دوبارہ ظاہر ہوئے اور اللہ کا پیغام
پہنچایا۔ اس کے برعکس بعض دوسرے مورخین کا خیال ہے کہ اس واقعہ کے تین دن بعد حضرت
جبرائیلؑ دوبارہ نمودار ہوئے اور آپؐ کو اللہ کا پیغام پہنچایا جبکہ بعض دوسروں کا خیال ہے کہ اس
واقعہ کے تین دن بعد حضرت جبرائیلؑ دوبارہ تشریف لائے اور سورۂ مدثر وحی کی۔ سورۂ مدثر کی پہلی
دو آیات درج ذیل ہیں۔

اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو۔ پھر ڈراؤ (سورۃ مدثر ۲-۱:۷۴)

حضرت جبرائیلؑ جو وحی لائے آپؐ نے اسے حفظ کر لیا۔ دراصل اس وقت تک حضورﷺ
اس بات کے قائل ہو چکے تھے کہ آپؐ پر نازل ہونے والی وحی کلامِ ربانی ہے۔

حضرت خدیجہؓ آپؐ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وہ عیسائی
تھے یا دین حنیف کے ماننے والے تھے۔ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ حنیف ایسا گروہ تھا جسے بتوں
سے شدید نفرت تھی اور وہ تلاش حق کے لیے سرگرداں تھا۔ آپؐ اور حضرت خدیجہؓ ان کے ہاں
تشریف لے گئے۔ ورقہ بن نوفل اور ان کی بہن اس وقت صحیفہ آسمانی پڑھنے میں مصروف تھے۔
آپؐ نے غارِ حرا میں پیش آنے والا واقعہ اور سورۂ مدثر کے نزول کا حال بیان کیا تو ورقہ بن نوفل
نے کہا۔ ''یہ تو وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰؑ پر اترا تھا۔'' بعض مسلمان علماء کے مطابق ورقہ
بن نوفل نے اس کے علاوہ یہ بھی کہا "اے محمدﷺ یقیناً آپؐ وہی نبی ہیں جن کے آنے کی بشارت
حضرت موسیٰؑ نے دی تھی"۔

ورقہ بن نوفل نے آپؐ سے مخاطب ہو کر فرمایا" جو کچھ آپؐ لائے ہیں یہ لوگوں کو آپ کا

marfat.com

دشمن بنا دے گا۔ اگر میں زیادہ دیر زندہ رہا اور آپؐ کے دشمنوں کے خلاف آپؐ کی مدد کر سکا تو میرے لیے یہ نہایت خوشی کا مقام ہوگا۔ تاہم مجھے ڈر ہے کہ جب آپؐ اپنے دین کا پرچار کریں گے تو لوگ آپؐ کو جلاوطن کر دیں گے یا رد کر دیں گے"۔

ورقہ بن نوفل کا خوف بجا تھا کیونکہ عرب میں قبیلہ بدری نہایت سخت اور سنجیدہ بات تصور کی جاتی تھی۔ قبیلہ بدر کیے جانے والے شخص کا قتل قانونی طور پر جائز تھا۔ اس کے قتل کی صورت میں قاتل سے خون بہا نہیں لیا جاتا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ کوئی بھی شخص اسے اپنا غلام بنا سکتا تھا۔ دراصل وہ تو ایک پتھر کی مانند ہوتا تھا جسے جس نے جب چاہا اٹھایا اور اٹھا کر جہاں چاہا پھینک دیا۔ لیکن قبیلے سے نکالے جانے یا اس کے نتائج کا حضور ﷺ کو کوئی خوف نہ تھا۔

اس فیصلہ کن شب کے بعد آپؐ دوبارہ غارِ حرا تشریف لے گئے مگر جبرائیلؑ ظاہر نہ ہوئے۔ شام پڑتے ہی غارِ حرا تشریف لے جانا آپؐ کی عادت ثانیہ بن گئی۔ انجانا غم دھیرے دھیرے آپؐ کو اپنی گرفت میں لینے لگا۔ حضرت خدیجہؓ اپنی تمام تر کوشش کے باوجود آپؐ کا غم غلط کرنے میں یا آپ کی ڈھارس بندھانے میں سرے سے ناکام رہیں۔

ایک رات آنحضور ﷺ غمزدہ حالت میں غارِ حرا میں تشریف فرما تھے۔ نیند اور بیداری کی درمیانی کیفیت میں آپؐ نے ایک جانی پہچانی آواز سنی۔

"اے محمد ﷺ، آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ میں جبرائیلؑ ہوں۔"

آپؐ اٹھ بیٹھے کہ جبرائیل امینؑ کچھ اور فرمائیں مگر انہوں نے اس سے زیادہ کلام نہ کیا۔ اگلی صبح جب آپؐ غارِ حرا سے گھر واپس لوٹے تو حضرت خدیجہؓ نے آپ کو ہشاش بشاش پایا۔ آپؐ نے انہیں بتایا کہ پچھلی رات آپؐ نے دوبارہ جبرائیلؑ کی آواز سنی آپؐ اس بات پر بہت خوش تھے کہ اللہ آپؐ سے ناراض نہیں ہے۔ اس کے بعد کئی روز تک آپؐ گہری سوچ میں مستغرق رہتے۔ بعض اوقات آپؐ جبرئیل کی آواز سنتے۔

"اے محمد ﷺ، آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ میں جبرائیلؑ ہوں"

marfat.com

اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کے بارے میں آپ مسلسل غوروخوض کرتے رہتے اور نازل شدہ آیات کی تلاوت آپ کا روزانہ کا معمول بن چکا تھا۔ یہ دور فترۃ الوحی کے نام سے موسوم ہے یعنی وحی کے رکے رہنے کا عرصہ۔

میں یہاں ایک نکتے کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ علمائے مغرب اس بارے میں اکثر مغالطے کا شکار رہے ہیں۔ عام طور پر عربی کے الفاظ نبوت اور رسالت ہم معنی تصور کیے جاتے ہیں۔ انگریزی زبان میں ان دونوں کے لیے Prophethood کا لفظ مستعمل ہے۔ درحقیقت نبی اس شخص کو کہتے ہیں جو الہامی علم کے ذریعے لوگوں کو غیب کی خبریں اور بشارتیں سناتا ہے جب کہ رسول الہامی کتاب کے ذریعے خدا کا قانون لوگوں میں رائج کرتا ہے۔ لہٰذا عرب علماء کا خیال ہے کہ غار حرا میں جبرئیل امینؑ کی آمد سے قبل آپ نبی تھے اور نزول وحی کے بعد رسول بن گئے چونکہ خدا نے آپؐ پر قرآن پاک نازل کرنا شروع کر دیا تھا۔

فترۃ الوحی کے دوران آپ تشکیک کا شکار ہو گئے تھے کہ کہیں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو چھوڑ تو نہیں دیا۔ سورۃ والضحیٰ کے نزول کے بعد آپؐ کے تمام اندیشے دور ہو گئے۔

قسم ہے دن کی روشنی کی۔ اور رات کی۔ جب کہ وہ قرار پکڑے۔

والضحیٰ (۹۳:۱-۲)

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے جن دو چیزوں کی قسم کھائی ہے وہ طلوع سحر کے بعد طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے بعد رات کا چھا جانا ہے۔ متذکرہ بالا آیات کی تلاوت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں قسمیں اپنے اندر بے انتہا لطافت لیے ہوئے ہیں۔ آغاز سے اس وسیع و عریض اور سرسبز و شاداب زمین کا تصور ابھرتا ہے جو بے مثال حسن کا مرقع ہو۔ کلیاں موسم بہار کی خوشگوار صبح کے وقت طلوع آفتاب کا نظارہ کرنے کے لیے کھل اٹھی ہوں۔ مغربی قارئین جو عربی زبان سے نابلد ہیں والضحیٰ کا مطلب محض طلوع آفتاب سے تعبیر کریں گے جبکہ عربی زبان میں یہ الفاظ اپنے اندر وسیع استعاراتی مفہوم لیے ہوئے ہیں۔ عربی لغت کے مطابق والضحیٰ کا مطلب ہے "وہ حتمی وقت جب سورج کی کرنیں نمودار ہوں اور دھیرے دھیرے اس طرح پھیل

marfat.com

جائیں کہ زمین کا ہر گوشہ چمک اٹھے اور سورج کی خیرہ کر دینے والی روشنی سے منور ہو جائے"۔

اور رات کی (قسم)۔ جب کہ وہ قرار پکڑے۔ والضحیٰ (۹۳:۲)

اس سورۃ میں کھائی جانے والی دوسری قسم کا جہاں تک ذکر ہے یہ بھی پہلی قسم کی مانند اپنے اندر ایک وسیع مفہوم لیے ہوئے ہے۔ تاہم اس کا لغوی ترجمہ کچھ یوں ہوگا "رات کے وقت جب تاریکی ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے لے"۔ لیکن آیت کے اس جزو کا استعاراتی و معنوی مفہوم کچھ اس طرح سے ہوگا۔ "حتی وقت جب تاریکی دنیا کی ہر شے کو ہڑپ کر جانے کے لیے چھا جائے اور سکوت کی گہرائی دنیا میں اس قدر سرایت کر جائے کہ دور راز سے اٹھنے والی ہلکی سی آواز بہت نزدیک محسوس ہو۔"

سچی بات تو یہ ہے کہ اس ترجمے سے بھی ان الفاظ کا پورا مفہوم واضح نہیں ہوتا جب کوئی عرب متذکرہ بالا آیت کی تلاوت کرتا ہے تو اس کی آنکھوں کے سامنے ایک جیتا جاگتا وسیع و عریض صحرا آن کھڑا ہوتا ہے۔ اسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے صحرا میں اندھیرا چھا گیا ہو اور آسمان کی طنابیں کھنچ کر افق کے ساتھ اس طرح باندھ دی گئی ہوں جیسے ایک بہت بڑا سائبان ہو اور اس پر جگمگ جگمگ کرتے ہوئے تارے ٹمٹما رہے ہوں۔ تاروں بھرے آسمان تلے صحرا کے گھپ اندھیرے میں دور دراز سے اٹھنے والی آواز کانوں سے ایسے ٹکراتی ہے جیسے وہ بالکل قریب سے اٹھ رہی ہو۔ یوں لگتا ہے جیسے ہوا تھم گئی ہو اور فضا معلق ہو چکی ہو۔ صحرا کی اس دہشت میں انسان اپنے آپ کو بے یار و مددگار اور تنہا محسوس کرتا ہے اور یوں لگتا ہے جیسے اس کے اپنے وجود اور اس صحرائی سکوت کے علاوہ کسی اور چیز کا کبھی بھی وجود نہ رہا ہو۔

ممکن ہے قارئین کی نظر میں یہ بت پرستانہ خیالات ہوں لیکن حقیقت میں خدا کی طرف سے کھائی گئی قسموں کی تشریح کے علاوہ کچھ نہیں۔

اسی سورۃ کی تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے یوں خطاب فرمایا ہے۔

آپؐ کے پروردگار نے نہ آپؐ کو چھوڑا اور نہ آپؐ سے دشمنی کی۔

والضحیٰ (۹۳:۳)

marfat.com

پہلی آیات کی طرح یہ آیت بھی اپنی لغوی معنوں سے کہیں زیادہ مفہوم اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی ذہنی اذیت دور کرنے کے لیے جواب مرحمت فرمایا ہے۔ آپؐ کے ذہن میں قدرتی طور پر جنم لینے والی تشکیک کہ کہیں اللہ نے آپؐ کو چھوڑ تو نہیں دیا کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

ایک روز مکہ کے بالائی مقام پر حضرت جبرئیل امینؑ تشریف لائے اور اپنی ایڑھی زمیں پر ماری جس سے پانی کا ایک چشمہ ابل پڑا۔ انہوں نے آپ کو وضو کر کے دکھایا اور آپؐ نے بھی ان کے ساتھ ساتھ ویسے ہی وضو کیا۔ اس کے بعد انہوں نے آپ کو نماز پڑھنے کا طریقہ سکھلایا۔ جبرائیلؑ نے قیام، رکوع، سجود اور قعدہ سب کچھ خود کر کے دکھایا اور نماز میں بار بار دہرائی جانی والی تکبیر اللہ اکبر سے لے کر اختتامی الفاظ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تک ساری نماز سکھلائی۔ آپؐ گھر تشریف لائے' جو کچھ حضرت جبرائیلؑ سے سیکھا تھا حضرت خدیجہؓ کو سکھلایا اور دونوں نے مل کر نماز ادا کی۔

وضو اور نماز کی بنیادوں پر اب دین کی عمارت استوار ہو چکی تھی۔ حضور علیہ السلام کے دوست حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ نے سب سے پہلے آپؐ کی دعوت پر لبیک کہا۔ کئی افراد نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ذریعے اسلام قبول کیا۔ ان کے علاوہ بنو زہرہ کے عبدالرحمٰنؓ بن عوف، جو آپ کی والدہ ماجدہ کے دور کے رشتہ دار تھے اور بنو حارث کے حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے آپ کی دعوتِ حق کا خیر مقدم کیا۔

وحی کی نمایاں خصوصیات میں خدا کے دو نام الرحمٰن اور الرحیم شامل ہیں۔ الرحمٰن رحم کی بنیاد یا جڑ سے متعلق ہے یعنی اللہ کے بے انتہا رحم اور نیکی سے متعلق اور قرآنِ پاک نے الرحمٰن کو اللہ کے مترادف بیان کیا ہے۔ اسی کے ہیں اچھے اچھے نام چاہے اللہ ہو یا رحمٰن۔

الرحمٰن خدا کا ایسا وصف ہے جو ساری مخلوقات کی نگہبانی کرتا ہے جبکہ الرحیم خدا کی وہ صفت ہے، جو صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

marfat.com

اہلِ قریش کا ردِعمل

ولید مخزوم قبیلے کا سردار اور قریش کا باضابطہ معتبر اعلیٰ تھا۔ایک دن حضورﷺ کو ولید سے تنہا بات چیت کرنے کا موقع ملا۔جب آپؐ اپنی گفتگو میں منہمک تھے ایک نابینا آدمی آیا اور آپؐ سے قرآن شریف کی آیات تلاوت کرنے کو کہنے لگا۔جب آپؐ نے اسے تھوڑا صبر اور انتظار کرنے کا کہا تو نابینا آدمی نے اس قدر اصرار کیا کہ آپؐ منہ پھیر کر چل دیے۔فوراً ایک سورۃ نازل ہوئی جس کا آغاز ان الفاظ میں تھا۔

> پیغمبر چیں بہ جبیں ہو گئے اور متوجہ نہ ہوئے۔اس بات پر کہ ان کے پاس اندھا آیا۔اور آپ کو کیا شاید نابینا آپ کی تعلیم سے پورے طور پر سنور جاتا۔یا کسی خاص امر میں نصیحت قبول کرتا سو اس کو نصیحت کرنا کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچاتا۔تو جو شخص دین سے بے پروائی کرتا ہے۔آپؐ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں۔حالانکہ آپؐ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے۔

سورۃ عبس ۷-۱:۸۰

ابوجہل کو یہ برداشت نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی نبوت سے عبدالمناف کی اولاد کو سرفراز فرمائے۔اس لئے ایک دن ابوجہل عتبہ سے کہنے لگا' او عبدالمناف کے بیٹے! وہ دیکھو تمھارا نبی۔اگر ہمارے اندر کوئی نبی یا بادشاہ ہوتا تو کیا کمی تھی'۔یہ آخری لفظ قصیٰ کی طرف ایک حوالہ تھا اور مخزومی کے لئے ایک یاددہانی کہ عبدالمناف قصیٰ کا بیٹا ہے جبکہ مخذوم صرف اسکا عم زاد۔

قریش کی دو طاقتور شاخیں عبدالشمس اور بنومخزوم تھے۔عتبہ اور اس کا بھائی شیبہ عبدالشمس کی اولاد تھے۔بنوامیہ کے سابقہ سردار اور ان کے عم زاد حارث کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابو سفیان جو حضرت حلیمہؓ کی رضاعت کے حوالے سے حضورﷺ کا رضاعی بھائی بھی تھا، سردار بنا۔قریب ترین خاندانی تعلقات ہونے کی وجہ سے اس میں حضورﷺ کے خاندان کی بھی کچھ

marfat.com

خصوصیات تھیں جن میں خطابت سر فہرست تھی ۔عربی زبان پر عبور اور گفتگو کی خوبصورتی میں حضورﷺ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

دولت آدمی کی عظمت کا کوئی حوالہ نہیں تھی بلکہ ضروریات زندگی کا حصہ تھی۔ایک بڑے آدمی کو بھی کسی محافظ یا ساتھی کی ضرورت پڑ جاتی تھی جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ وہ معاشرے میں اتنا قابل اعتبار نہیں ہے۔کوئی آدمی اپنی شادیاں یا اپنے بیٹے بیٹیوں کی شادیاں اونچی جگہ کر کے تعلقات کا ایک تانا بانا بُن لیتا تھا جس سے وہ ایک قابل اعتبار آدمی سمجھا جانے لگتا تھا۔دولت کا اگر کوئی کردار تھا تو ان تعلقات کے حصول میں آسانی فراہم کرنا تھا۔

ام جمیل کے امیر اموی رشتے دار عثمان نے حضرت رقیہؓ کا ہاتھ مانگا تو اسے قبول کر لیا گیا۔یہ شادی حضورﷺ اور حضرت خدیجہؓ کے لئے انتہائی اطمینان بخش تھی۔آپؐ کی بیٹی اپنے گھر میں خوش تھی اور داماد اس کی پرواہ کرتا تھا۔ایک اور وجہ جس سے آپؐ اس شادی پر مشکور تھے وہ یہ تھی کہ حضرت رقیہؓ نا صرف آپؐ کی بیٹیوں بلکہ سارے مکہ کی ہم عمر عورتوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھیں اور حضرت عثمانؓ بھی انتہائی وجیہ الصورت انسان تھے۔ان دونوں کو اکٹھے دیکھ لینا ہی باعث مسرت تھا۔اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی پسند کرتا ہے۔حضرت زینبؓ اور ابوالعاص ایک دوسرے سے انتہائی گہرا انس رکھتے تھے۔حضرت زینبؓ ہمیشہ دعا کرتی تھیں کہ وہ مسلمان ہو جائے۔

آپؐ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم بھی اُسی کو ہے۔

سورۃ قصص (۲۸:۵۶)

اگر مسلمانوں کو مایوسیوں کا سامنا تھا تو ان کے مخالفوں کو بھی مکہ میں بے شمار ایسے حالات درپیش تھے جنہوں نے انکی زندگی کو تہ و بالا کر رکھا تھا۔ان کے مستقبل کے تمام مقاصد خاص طور پر بچوں کی شادیوں سے متعلق ،التواء کا شکار تھے۔جب حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک بہنیں بھی مومن ہیں تو اس سے مراد حضرت میمونہؓ اور آپؐ کی تین بہنیں تھیں جو حضرت عباسؓ،حمزہؓ اور جعفرؓ

marfat.com

کی بیویاں تھیں۔

جب حضورﷺ نے اسلام کی تبلیغ عام کا اعلان کیا تو ابولہب اور اسکی بیوی ام جمیل جیسے لوگوں نے حضورﷺ کو پتھر مارنے شروع کر دیئے۔ وہ آوارہ لڑکوں کو پیسے دے کر اس بات پر اکساتے کہ آپؐ جہاں کہیں اور جیسے بھی ملیں آپؐ پر گندگی پھینکی جائے یا گالی گلوچ کیا جائے۔ جب کبھی حضورﷺ گھر سے باہر نکلتے آوارہ بچے اور بدقماش لوگ آپؐ کو پتھر مارتے یہاں تک کہ بعض دفعہ پتھر لگنے سے آپؐ کے چہرہ مبارک سے خون بہنے لگتا۔ آپؐ جواب میں کچھ نہ کہتے۔ آرام سے اپنا چہرہ صاف کر لیتے۔ ایک بار حضرت خدیجہؓ کہنے لگیں' آپؐ اتنی اذیت کیوں برداشت کرتے ہیں؟' آپؐ نے ارشاد فرمایا' خدیجہ! جب آدمی کو پتہ ہو کہ وہ کس لئے اور کیوں ایسی تکلیفیں جھیل رہا ہے تو اسے کوئی دکھ درد محسوس نہیں ہوتا۔'

ابولہب کے بعد ابو طالب سردار قرار پائے۔ آپ ہاشم قبیلے کے سردار تھے۔ ابولہب نے جو حفاظت اپنے بھتیجے کو مہیا کی تھی وہ نہ ہونے کے برابر تھی۔ حضورﷺ کے ساتھ ایسا برا سلوک ہوتا تھا کہ پہلے کسی کے ساتھ نہیں ہوا ہوگا۔ ایک بار تو ایک آدمی نے آپؐ کے گھر کے قریب سے گزرتے ہوئے آپؐ کی ہنڈیا میں بدبودار اوجڑی پھینک دی۔ ایک اور بار جب آپؐ اپنے صحن میں نماز ادا کر رہے تھے تو کسی آدمی نے بھیڑ کی گندی کھال آپؐ پر پھینک دی۔ اسے باہر پھینکنے سے پہلے حضورﷺ نے اسے ایک چھڑی پر اٹھایا اور دروازے پر لے جا کر کہا' اے عبدالمناف کے بیٹو! یہ کیسا تحفظ ہے؟' آپؐ نے دیکھ لیا تھا کہ کھال پھینکنے والا شرپسند عقبہ یعنی حضرت رقیہؓ کے خاوند حضرت عثمانؓ کا سوتیلا باپ تھا۔ ایک اور موقع پر جب حضورﷺ خانہ کعبہ سے باہر تشریف لا رہے تھے تو ایک آدمی نے مٹھی بھر خاک آپؐ کے سر اقدس اور چہرہ انور پر پھینک دی۔ جب آپؐ گھر پہنچے تو آپؐ کی بیٹیوں نے روتے ہوئے آپ کا چہرہ مبارک دھویا۔ آپؐ نے فرمایا' میری بچیو! مت روؤ۔ اللہ تمھارے باپ کی حفاظت کرے گا۔'

حضورﷺ کے خاندان والوں نے آپ کو اس قدر ستایا کہ ایک دن آزردہ خاطر ہو کر آپؐ

marfat.com

کہہ اٹھے 'اے اللہ! تمھیں تو معلوم ہے ان میں سے کوئی تمھارا مذہب ماننے والا نہیں۔ اس موقع پر حضرت جبرائیل جو آیات لے کر آئے وہ حسب ذیل ہیں:

یہ لوگ جو (آپؐ پر) ہنستے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود قرار دیتے ہیں ان سے آپؐ کے لئے ہم کافی ہیں۔ سو ان کو ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔ اور واقعی ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں اس سے آپؐ تنگ دل ہوتے ہیں۔ سو (اس کا علاج یہ ہے کہ) آپؐ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے رہیئے اور نماز پڑھنے والوں میں رہیئے۔ اور آپؐ اپنے رب کی عبادت کرتے رہیئے یہاں تک کہ آپؐ کو موت آجائے۔

سورۃ حجر ۹۹-۹۴: ۱۵

مذکورہ بالا آیات سے حضورﷺ کو تسلی ہوئی کہ کفار کبھی غالب نہیں آئیں گے اور یہ کہ ایک دن اسلام ہی کا بول بالا ہوگا۔ اس کے بعد آپؐ نے تمام سختیاں انتہائی ہمت اور بردباری سے برداشت کیں۔

ایک دن حضورﷺ اور حضرت خدیجہؓ کی دونوں بیٹیاں جو ابولہب کے بیٹوں سے بیاہی ہوئی تھیں اپنے جہیز سمیت واپس آگئیں۔ انہوں نے بتایا کہ انہیں طلاق دے کر واپس بھیج دیا گیا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے سارے معاملے کی تفصیل پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ ان کے شوہروں نے ابولہب اور اسکی بیوی کے کہنے پر انہیں طلاق دے دی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ابولہب کے بیٹوں کے شایان شان نہیں کہ وہ محمدؐ کی بیٹیوں کو بیویاں بنا کر رکھیں۔ کیونکہ محمدؐ سے ہر کوئی نفرت اور گھٹیا سلوک روا رکھے ہوئے ہے اس لئے اس کے ساتھ کوئی تعلق رکھنا انتہائی شرمناک محسوس ہوتا ہے۔

حضرت خدیجہؓ یہ سن کر بہت پریشان ہوئیں لیکن حضورﷺ نے انہیں تسلی دی۔ حضورﷺ

marfat.com

بھی دوسرے لوگوں کی طرح اپنی بیٹیوں کے حال پر بہت رنجیدہ ہوئے۔تمام نفسیاتی دباؤ اور خاندانی سختیوں کے باوجود آپؐ اپنے عزم پر قائم رہے اور اپنے مقصد کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔آپؐ کے دشمن بھی اپنے باپ دادا کے مذہب پر ثابت قدم رہے اور اسلام کے خلاف انتہائی تعصب کا مظاہرہ کیا۔

بدو انتہائی ضدی لوگ ہیں۔ جب کوئی بدو کسی بات پر اڑ جائے تو اسے ہٹانا انتہائی مشکل ہوتا ہے جب تک کہ اس کے ذہن میں ویسی ہی کوئی اور بات نہ ڈال دی جائے۔اس لئے جب کبھی کسی بدو کی سوچ کسی نظریئے کی شکل اختیار کرتی ہے تو اسے اس نظریہ سے ہٹانا اتنا آسان نہیں ہوتا۔

اگر کوئی بدوؤں کی ضد کے بارے میں مزید جاننے کی خواہش رکھتا ہو تو قدیم شاعر صنفرہ کی سوانح حیات اس کے لئے فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہے۔وہ نہ صرف اپنی زندگی میں مشہور تھا بلکہ آج بھی کئی بدو اس کے شعر پڑھتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ایک دن جب صنفرہ ایک صحرا سے گزر رہا تھا تو بنو سلیمان کے کچھ لوگوں نے اسے برا بھلا کہا اور اس کا استہزاء اڑایا۔اس نے اس بات کا بدلہ تمام قبیلے سے لیا۔اس نے اس قبیلے کے ایک سو آدمی مارنے کی قسم کھائی۔اگلے دن وہ اپنا قبیلہ چھوڑ کر تیر کمان لئے ان لوگوں کے شکار پر نکل کھڑا ہوا۔پندرہ سالوں میں وہ بنو سلیمان کے ننانوے آدمی مارنے میں کامیاب ہو گیا۔

ایک دن وہ ایک کنوئیں سے پانی نکال رہا تھا تو کچھ لٹیروں نے اس پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔اس کی لاش صحرائی جانوروں نے کھالی اور صرف ہڈیاں ادھر اُدھر بکھری رہ گئیں۔اسکی سینے کی ہڈی کنوئیں کے قریب پڑی رہی۔ایک دن بنو سلیمان کے کچھ لوگ پانی پینے کے لئے کنوئیں کے قریب آئے تو ایک بگولے کی وجہ سے وہ ہڈی ہوا میں بلند ہوئی اور ایک آدمی کو گہرا زخم پہنچایا۔وہ شخص اس زخم سے جانبر نہ ہوا اور وفات پا گیا۔اس واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ صنفرہ اپنی موت کے بعد بھی اپنے قول کو بھلا نہ پایا اور اپنے شکاروں کی تعداد سو تک کرنے میں کامیاب ہو

marfat.com

گیا۔

یہ بات ٹھیک ہے کہ اس کی سوانح حیات کا دوسرا حصہ محیر العقول باتوں پر مبنی ہے اور مورخین کے لئے اتنا قابل قبول نہیں لیکن اس سے عربوں کی ختم مزاجی ضرور ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ موت کے بعد بھی لڑائی جھگڑے، نفرتیں، اور دشمنیاں اس کی نسل کو ورثے میں ملتی ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ حضورﷺ کے قریش کو ثابت کر لینے کے باوجود کہ بت پرستی کوئی فائدہ مند شئے نہیں بلکہ ایک اللہ پر یقین ہی اصل شئے ہے قریش اپنے جاہلانہ عقائد پر اڑے رہے۔

حضورﷺ ہر روز نماز پڑھنے خانہ کعبہ جاتے تھے لیکن قریش نے ان کے خانہ کعبہ داخل ہونے پر پابندی لگا دی۔ حضورﷺ نے انہیں بتایا کہ خانہ کعبہ اللہ کا گھر ہے اور اس میں داخل ہونے کے لئے انہیں کسی اجازت کی ضرورت نہیں۔

ایک دن جب حضورﷺ نماز ادا کرتے ہوئے حالت سجدہ میں تھے تو ابوجہل اپنے چند ساتھیوں سمیت ادھر آ نکلا۔ اس کے اکسانے پر عقبہ بن معیط خون اور گندگی سے بھری ہوئی اونٹ کی اوجڑی اور انتڑیاں اٹھا لایا اور نہ صرف انہیں آپؐ کے سر اقدس پر ڈال دیا بلکہ آپؐ کی گردن کے گرد اتنا کھینچ کر لپیٹا کہ آپؐ کی سانس تک رک گئی۔ عرب یہ طریقہ کسی کو جان سے مارنے کے لئے استعمال کیا کرتے تھے۔ حضورﷺ نے اپنے آپؐ کو چھڑانے کے لئے کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ ارد گرد کھڑے لوگ آپؐ کو ہاتھ پیر مارتے دیکھتے رہے لیکن ابوجہل کے ڈر سے آپؐ کی مدد کو آگے نہ بڑھے۔ وہ اس کی دشمنی مول نہیں لینا چاہتے تھے۔

قریش کی ایک عورت یہ سارا ماجرا دیکھ رہی تھی۔ وہ اس منظر کی تاب نہ لا سکی۔ وہ بھاگی بھاگی حضورﷺ کے گھر گئی اور آپؐ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو سارے واقعے کی اطلاع دے دی۔ یہ سنتے ہی حضرت فاطمہؓ حیران پریشان خانہ کعبہ کی طرف بھاگی آئیں اور آتے ہی اپنے باپ کے گلے سے وہ سب گندگی اتار پھینکی۔ پھر جب انہوں نے آپؐ کا چہرہ مبارک اپنے پلو

marfat.com

سے صاف کیا تو آپؐ کچھ سانس لینے کے قابل ہوئے۔اس کے بعد بھی آپؐ ایک گھنٹہ تک اچھی طرح سانس نہ لے سکے۔جب آہستہ آہستہ آپؐ کی طبیعت بحال ہوئی تو آپؐ حضرت فاطمہؓ کے سہارے اٹھے اور گھر تشریف لے آئے۔حضرت فاطمہؓ نے آپؐ کے چہرہ مبارک کو دھویا اور کپڑوں کو صاف کیا۔اگلے دن آپؐ پھر خانہ کعبہ گئے اور اپنی نماز ادا کرنے لگے۔آپؐ کی قوت ارادی اس قدر مضبوط تھی کہ کوئی آپؐ کو آپؐ کے کام سے ہٹا نہیں سکتا تھا۔

آپؐ کے مخالفین بھی انتہائی ہٹیلے اور ضدی تھے۔جب انہوں نے دیکھا کہ حضورﷺ پھر خانہ کعبہ آگئے ہیں انہوں نے آپؐ کے قتل کا ایک منصوبہ تیار کیا۔

اس بار عقبہ ایک کپڑا لئے پیچھے سے ننگے پاؤں آپؐ کے قریب آیا۔آپؐ کے سجدہ میں جاتے ہی اس نے کپڑا آپؐ کے اوپر ڈالا اور پیٹنا شروع کر دیا۔آپؐ کی ناک اور منہ سے خون نکلنے لگا۔تاہم آپؐ اپنے آپؐ کو چادر سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔آپؐ گھر لوٹ آئے، اپنا چہرہ مبارک صاف کیا اور کسی قسم کی کوئی شکایت زبان پر نہ لائے۔

عرب بدوؤں کا سارا آئین صرف ایک لفظ پر موقوف تھا اور وہ لفظ تھا فیاضی۔مہمان نوازی، مظلوم کی مدد اور قبائلی قوانین کی اطاعت سب اسی میں آتے تھے۔ایک بدو انہی اصولوں کو اپنا قانون سمجھتا تھا۔بہادر ہونا ایک انفرادی ذمہ داری تھی۔لڑائی سے بھاگنا اس کے شایان شان نہیں تھا۔اس کے اندر اتنی ہمت ہوتی تھی کہ یا تو وہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا یا دوسرے کو مار گراتا۔اگر بدو کسی مظلوم کو پناہ دیتا تھا تو صرف اور صرف اپنی مردانگی کے بل بوتے پر۔خانہ بدوش عربوں کی زندگی میں رحم دلی نام کی چیز کوئی نہیں تھی۔جو دور کھڑے حضورﷺ کا گلا گھٹتے دیکھتے رہے وہ اپنے تکبر کی وجہ سے مزاحم نہ ہو سکے۔کچھ تو صرف اس لئے آپؐ کے خلاف تھے کہ ان کے خیال میں آپؐ نے قبائلی قوانین کو پائمال کیا تھا۔

دنیا کی کوئی بھی قوم ہو، جغرافیائی تقسیم، طرز زندگی اور ماحولیاتی حقائق اس کے عادات و اطوار پر گہرا اثر چھوڑتے ہیں۔فرانسیسی مفکر ارنسٹ رینن نے اسلام سے پہلے عرب ثقافت

marfat.com

کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں انتہائی دلچسپی کی حامل ہیں۔اس کا خیال ہے کہ اگر عربوں میں رحم دلی کی کمی تھی تو یہ ان کے ماحول کی وجہ سے تھا۔

یورپ کے پہاڑی علاقوں میں بھی جہاں زندگی سختیوں سے دوچار ہے لوگوں کو انتہائی تنگ نظری اور سنگدلی کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔کسی انسان کو درپیش نقصان یا سختی دوسروں کے لئے کوئی معانی نہیں رکھتے۔تپتے ہوئے صحراؤں میں جہاں زندگی اس سے بھی زیادہ مشکل ہے بدو اپنے مہمان کی تواضع یا آؤ بھگت کے لئے اپنی بقا کا آخری سہارا اپنا اکلوتا اونٹ تک قربان کر دیتے ہیں۔

رینن اپنی اس کتاب صحرا کی ثقافت میں لکھتا ہے کہ جتنی دلچسپ اور دلکش عربوں کے خانہ بدوشوں کی ثقافت ہے شائد ہی کسی قوم کی ہو۔جب کوئی مظلوم یا مصیبت زدہ کسی کے خیمے میں پناہ لے لیتا ہے تو پناہ دینے والا اس کی حفاظت اور حمائت میں تلوار تک اٹھانے سے گریز نہیں کرتا۔بعض دفعہ تو وہ مظلوم کو بچانے میں اپنی جان تک دے دیتا ہے۔

قریش کی نظروں میں حضور ﷺ مظلوم نہیں تھے اس لئے کوئی آپؐ کی مدد کے لئے آگے نہیں آتا تھا۔مظلوم وہ ہوتا تھا جو یا تو اجنبی ہوتا یا کسی کے ظلم کا شکار یا اس نے کسی دوسرے قبیلے سے بچنے کے لئے پناہ مانگی ہوتی۔

اگر کسی اور قبیلے کا آدمی کسی کے ظلم سے قریش کی پناہ مانگتا تو قریش اس کی مدد ضرور کرتے۔لیکن حضور ﷺ کو وہ اجنبی نہیں سمجھتے تھے۔دور کھڑے تماشا دیکھنے والے آپؐ پر ہوتے ظلم وستم کو جائز اور روا سمجھتے تھے۔رائج الوقت قانون کے مطابق کوئی قبیلہ اپنے کسی آدمی کو ہر طرح کی سزا دینے کا مجاز تھا۔جس طرح موجودہ دور میں قانون کو ہر شئے پر بالا دستی حاصل ہے اسی طرح عرب قبیلوں میں قانون ہر شئے پر مقدم تھا۔

اسلام کے پہلے چار ایمان لانے والے یعنی حضرت خدیجہؓ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ بے یار و مددگار تھے۔وہ قریش کی طرف سے عائد کردہ مظالم کو روک نہیں سکتے تھے۔تاہم حضور ﷺ کی نبوت کے پہلے چار سالوں میں ایمان لانے والوں کی تعداد کافی زیادہ ہو

marfat.com

گئی تھی۔زیادہ تر مسلمان غریب، غلام، حبشی یا اجنبی تھے۔ وہ محتاج تھے۔ نہ تو ان کا کوئی مدد کرنے والا تھا نہ دفاع۔ظہور اسلام سے پہلے ان کی زندگی میں شائد ہی کوئی دن ایسا آیا ہو جب انہیں معاشرتی برابری کا احساس ہوا ہو۔حضور ﷺ نے تمام انسانوں کو رنگ و نسل سے ماوراء ایک وجود مطلق کی شکل میں پیش کیا۔آپ ﷺ نے بتایا کہ اللہ نے تمام انسانوں کو مٹی سے پیدا کیا ہے اور یہ کہ وہ سب برابر ہیں۔

قرآن حکیم کے الفاظ میں:

اسی نے انسان کو ایسی مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی پیدا کیا۔

سورہ الرحمٰن ۵۵:۱۴

ان لوگوں کو تو یہ بھی حضور ﷺ سے معلوم ہوا کہ امیر اور غریب ایک ہی مٹی سے بنے ہیں۔رنگ و نسل اور شکل و صورت کا فرق تو ایک دوسرے کی پہچان کے لئے ہے۔

حضرت زیدؓ کے بعد پہلے غلام جنہیں حضور ﷺ کے کہنے پر آزاد کرایا گیا حضرت بلال تھے۔وہ مکہ کے ایک امیر آدمی امیہ بن خلف کے غلام تھے۔جب امیہ کو حضرت بلال کے اسلام لانے کا علم ہوا تو وہ آپؓ کو مکہ سے باہر لے گیا۔آپؓ کو برہنہ جسم ہاتھ پاؤں باندھ کر تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیا۔اس کا کہنا تھا کہ اگر آپؓ نے اسلام نہ چھوڑا تو وہ آپؓ کو اسی طرح جلتے مرتے چھوڑ جائے گا۔

حضرت بلالؓ نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کا آقا جو کہہ رہا ہے کر گزرے گا کسی چیز کی پرواہ نہ کی۔انہوں نے اسلام کو چھوڑنے کی بجائے موت کو گلے لگانا پسند فرمایا۔جب امیہ حضرت بلالؓ پر کوڑے برسا رہا تھا، عبداللہ بن عثمان یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ادھر سے گزر ہوا۔آپؓ نے امیہ سے حضرت بلالؓ کو بیچنے کی پیشکش کی۔آپؓ نے اتنی زیادہ رقم پیش کی امیہ انکار نہ کر سکا۔بعد میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت بلالؓ کو آزاد کر دیا۔

اسلام کے آئندہ سالوں میں اسی بلالؓ کو حضور ﷺ نے بطور موذن نامزد کیا۔عربی میں

marfat.com

موذن اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں تک پیغام پہنچائے۔تاہم آجکل یہ اصطلاح اس آدمی کے لئے استعمال ہوتی ہے جو اونچی آواز میں لوگوں کو نماز کی طرف بلائے۔مسلمانوں کو نماز کی طرف بلانے کا یہ طریقہ آج بھی ساری دنیا میں رائج ہے۔

بعد میں حضرت عمرؓ کی دو لونڈیوں لبینہ اور زنیرہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔حضرت عمرؓ (جو اس وقت تک مسلمان نہیں تھے) نے انہیں کوڑوں سے سزا دی۔آپؓ نے انہیں کہا کہ یا تو وہ اسلام چھوڑ دیں یا مرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔آپؓ نے واقعی مار مار کر ان کا برا حشر کر دیا لیکن خون میں لت پت ان حوصلہ مند خواتین نے اسلام چھوڑنے سے صاف انکار کر دیا۔ایک بار پھر ان خواتین کی مدد کے لئے قدرت نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھیجا اور آپؓ نے انہیں حضرت عمرؓ سے خرید کر آزاد کر دیا۔ان خواتین کے اسلام لانے سے مسلمانوں کی تعداد سات ہو گئی جن میں سے تین خواتین اور چار مرد تھے۔

چوتھی خاتون جنہوں نے اسلام قبول کیا مکہ کی رہنے والی نہیں تھیں۔ان کا نام غازیہ تھا۔انہوں نے مکہ آ کر اسلام قبول کیا اور کھلم کھلا تبلیغ شروع کر دی۔اپنے مردوں کی طرح بدوی عورتیں بھی عالی حوصلہ اور بلند ہمت ہوتی تھیں۔قریش کی دھمکیوں کے باوجود وہ اپنے عزم سے باز نہ آئیں۔

جب قریش نے دیکھا کہ وہ کسی طرح بھی ماننے کو تیار نہیں تو انہوں نے اس خاتون کو اغوا کیا اور ایک رسی کے ذریعے اونٹ کی پشت سے باندھ دیا۔انہوں نے قافلے والوں کو ہدائت کی کہ وہ انہیں بھوکا پیاسا مرنے دیں اور جب وہ مر جائیں تو جنگلی جانوروں کے کھانے کے لئے پھینک دیں۔لیکن وہ بدو خاتون صاف بچ نکلیں۔

بعد میں اپنی کہانی بتاتے ہوئے انہوں نے کہا: میں تین دن تک بھوکی پیاسی رہی۔چوتھے دن میں نے اپنے ہونٹوں پر طراوت سی محسوس کی اور جی بھر کر اپنی پیاس بجھائی۔اگلے دن قافلے والے مجھے زندہ دیکھ کر ششدر رہ گئے۔جب میں نے انہیں گذشتہ رات کا واقعہ سنایا تو وہ اپنے کئے پر پشیمان ہوئے اور مجھے آزاد کر دیا۔اس وقت لوگ میرے ساتھ نہائت عزت اور تکریم سے

marfat.com

پیش آئے۔ قافلے کے تمام لوگ جو مغویہ عورت کو لے جا رہے تھے مسلمان ہو گئے۔

ابوجہل کے پاس سمیہ نامی ایک لونڈی تھی۔ سمیہ سما سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے مشہور یا معروف۔ وہ حاملہ عورتوں کو مشورہ دینے اور دایہ گری کرنے کا کام کرتی تھی۔ اس وجہ سے دوسرے غلاموں اور لونڈیوں کی نسبت اس کی زیادہ عزت ہوتی تھی۔ جب وہ مسلمان ہوئیں تو ابوجہل نے انہیں غصے سے پیٹنا شروع کر دیا۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر صدیق ؓ ابوجہل کے گھر گئے اور سمیہ کو فرش پر پڑے پایا۔ آپ ؓ کی حالت نازک تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ابوجہل سے انہیں خریدنا چاہا لیکن ابوجہل نے آپ ؓ کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ پھر آپ ؓ نے ابوجہل کو ایک سو دینار کی پیشکش کی۔ ابوجہل نے پھر انکار میں سر ہلایا۔ آپ ؓ نے پیشکش ایک سو پچاس دینار کر دی لیکن ابوجہل اب بھی نہ مانا۔ آپ ؓ قصیہ یعنی سمیہ کے بدلے میں دی جانے والی رقم بڑھاتے گئے۔ (یہ اصطلاح عام طور پر ان اونٹوں کے لئے استعمال کی جاتی ہے جو قاتل یا اس کے قبیلے کی طرف سے مقتول یا اس کے قبیلے کو بطور قصاص دیئے جاتے ہیں)۔ ابوجہل کو حضور ﷺ سے اس قدر نفرت تھی کہ اس نے ہر پیشکش ٹھکرا دی۔ اس وقت تک حضرت ابوبکر صدیق ؓ چھ غلام آزاد کرا چکے تھے جن میں دو مرد اور چار خواتین شامل تھیں۔ لیکن آپ ؓ حضرت سمیہ ؓ کو آزاد نہ کرا سکے۔ قریش کی عورتوں نے بھی ابوجہل کو پٹائی سے روکنے کی کوشش کی لیکن ہر کوشش اس کے سامنے بے سود ثابت ہوئی۔ قربان جائیں حضرت سمیہ ؓ کے جنہوں نے اتنی اذیت برداشت کر لی لیکن اسلام کو نہ چھوڑا۔ جب وہ کسی طرح بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا تو ابوجہل حضرت سمیہ کو لے کر خانہ کعبہ چلا گیا۔ اس نے آخری بار حضرت سمیہ ؓ کو اسلام چھوڑنے کا کہا۔ جب حضرت سمیہ ؓ نے اب بھی انکار کیا تو اس نے اپنا نیزہ اتنی قوت سے آپ ؓ کے سینے میں جھونکا کہ نیزہ آپ ؓ کے جسم کو چیرتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ حضرت سمیہ ؓ کو اسلام کی پہلی شہید خاتون ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

جب حضور ﷺ کو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی حضرت سمیہ ؓ کو بچانے کی کوششوں کا علم

marfat.com

ہوا تو آپؐ نے اللہ سے ان کی عزت اور توقیر بڑھانے کی دعا کی۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنی تمام دولت اسلام کی راہ میں قربان کر دی۔ یہ آپؐ کی کوششوں کا ہی نتیجہ تھا کہ بہت سے غلام اور لونڈیاں جو اسلام قبول کر چکے تھے اپنے قریشی آقاؤں سے بچنے اور آزاد ہونے میں کامیاب ہو سکے۔

اس واقعے کے بعد ابوسفیان، ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل وغیرہ نے لوگوں کو اپنے غلام حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ بیچنے سے منع کر دیا۔ انہیں پتہ تھا کہ اسلام غریبوں اور لاچاروں میں تیزی سے پھیل رہا ہے۔

اس پابندی کے باوجود حضرت عبدالمطلب کے نواسے عثمانؓ بن عفان، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت آمنہؓ کے بھانجے سعدؓ بن ابی وقاص، طلحہؓ بن عبیداللہ اور سعیدؓ بن عمرو جیسے لوگ جو غلام نہیں تھے مسلمان ہو گئے۔ ان کا تعلق مکہ کے امیر خاندانوں سے تھا۔ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے قریش کو جز بز کر کے رکھ دیا۔ اس وقت قریش نے اعلان کیا کہ محمدؐ کو خانہ کعبہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

ایک روائت کے مطابق خانہ کعبہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے بنائی جانے والی پہلی عبادت گاہ ہے۔ اس کی بنیادیں حضرت آدمؑ نے رکھیں لیکن اس کی تکمیل حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں انجام پائی۔ جب حضرت نوحؑ کے زمانے میں سیلاب آیا تو حضرت نوحؑ نے اپنی کشتی میں اس مقام کے گرد سات بار طواف کیا۔ یہ وجہ تھی کہ حضورﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے جاتے تھے۔ خانہ کعبہ کو عرب کے بدو بھی مقدس جانتے تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس کی حرمت بحال نہ رکھی۔

ایک دن حضورﷺ خانہ کعبہ سے گھر تشریف لا رہے تھے کہ قریش کے کچھ لوگوں نے آپؐ کو بری طرح زخمی کر دیا۔ آپؐ کی طبیعت اس قدر خراب ہوگئی کہ آپؐ اگلے دن خانہ کعبہ نہ جا سکے۔ اگلے دن مسلمان خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے آئے تو انہیں پتہ چلا کہ حضورﷺ خانہ کعبہ تک آنے سے قاصر ہیں۔ انہوں نے الگ الگ نماز پڑھنا شروع کر دی۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے

marfat.com

سامنے سجدہ ریز ہوئے تو قریش کے کچھ آدمیوں نے ایک دم ان پر حملہ کر دیا۔ بہت سے مسلمان شدید زخمی ہو گئے۔ان میں سے ایک حضرت خدیجہ کے سگے اور حضور ﷺ کے سوتیلے بیٹے حارث تو موقعہ پر جاں بحق ہو گئے۔ آپؓ اسلام کے پہلے مرد شہید تھے۔اس واقعے کے بعد قریش نے خانہ کعبہ میں مسلمانوں کے داخلے کو روکنے کے لئے دن رات اس کی نگرانی شروع کر دی۔ جب حضور ﷺ نے دیکھا کہ اب خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنا ممکن نہیں رہا تو آپؐ نے اپنے ساتھیوں سمیت مکہ سے باہر ایک جگہ چنی اور وہاں دن میں دو بار نماز ادا کرنے لگے۔ یہ خاص جگہ جہاں نمازیں پڑھی جانے لگیں ایک ویرانے میں واقع تھی۔ یہیں حضور ﷺ مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم دینے لگے۔ کیونکہ خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی اس لئے تمام مسلمان اس ویرانے میں اجتماعی نماز ادا کرنے لگے۔

ہو سکتا ہے قارئین یہ سوچیں کہ جب مکہ ایک بین الاقوامی شہر تھا اور اس میں بہت سے مذاہب کے ماننے والے آباد تھے تو قریش کو حضور ﷺ کی اس قدر شدید مخالفت اور دشمنی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ آخر دوسرے لوگ بھی تو وہیں تھے۔اور خانہ کعبہ کے بہت سے حصے تو ایسے تھے جہاں ایک یا ایک سے زیادہ بت رکھے ہوئے تھے۔ یہ بڑا عجیب لگتا ہے کہ قریش صرف اس نئے مذہب کی مخالفت کر رہے تھے اور وہ بھی اتنی زیادہ۔

اس کا جواب انتہائی آسان ہے اور وہ یہ کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والے نہ تو خانہ کعبہ میں پڑے ہوئے بتوں کو جھٹلاتے اور نہ بت پرستی کو برا بھلا کہتے۔ ہر قسم کے لوگ خانہ کعبہ کی زیارت کو آتے اور نذرانے پیش کرتے۔ نتیجتاً تجارت کو فروغ حاصل ہوتا اور مکہ کے تاجر اپنی چیزیں بیچ لیتے۔ جب حضور نے اسلام کی تبلیغ شروع کی تو اس کے لئے ضروری تھا کہ تمام بتوں کی نفی کی جاتی۔ اسلام کا خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنے کا مطلب یہ تھا کہ مکہ کی بین الاقوامی منڈی جو چار ماہ تک بت پرست زائرین سے بھری رہتی تھی اجاڑ دی جائے۔

مکہ کاشتکاری سے محروم تھا۔اس کے رہائشی یا تو تجارت پیشہ تھے یا بھیڑ بکریاں اور اونٹ پالنے والے چرواہے۔ اگر خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا جاتا تو کوئی خانہ کعبہ کی زیارت کو نہ

marfat.com

آتا اور مکہ کی آمدنی اپنے آپ کم ہو جاتی۔ تبلیغ اسلام کی اجازت دینے کا مطلب اپنی معاشی موت کو آواز مارنا تھا۔

اسلام کی مخالفت کی ایک اور وجہ اسلام کا ان کے بتوں کو کھلم کھلا جھٹلانا اور ان کی نفی کرنا تھا۔ اسلام کو قبول کرنا ان کے لئے اپنے باپ دادا اور مذہبی عقائد کے خلاف جنگ کرنے کے مترادف تھا۔ قریش تو اپنے باپ دادا کے بھی بت بنا کر پوجتے تھے۔ اپنی روایات کی حفاظت ان کے لئے ناگزیز حد تک اہم تھی۔

ایک بنیادی چیز جو دیکھنے میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ لوگ کسی مذہب کی روح کو اتنا اہمیت نہیں دیتے جتنا اس سے وابستہ رسومات کو۔ زیادہ تر لوگ کسی عقیدے یا مذہب کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ وہ ظاہری رسومات یا مذہب کے خول تک ہی محدود رہتے ہیں۔ یہ رسومات نسل در نسل چلتی ہیں اور ہر نسل ان کو کچھ مزید روایات کے اضافے کے ساتھ اگلی نسل کو سونپ جاتی ہے۔ بت پرستی عربوں تک ایک لگاتار تسلسل کی صورت میں پہنچی تھی۔ کوئی اس چیز کو ٹوک نہیں سکتا تھا۔ حضور ﷺ انتہائی ہمت سے قریش کی ٹکر پر آ کھڑے ہوئے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آپ کی زندگی کے درپے تھے۔ جب قریش کو اس نئی جگہ کا علم ہوا جہاں مسلمان نماز کے لئے جمع ہونے لگے تھے تو انہوں نے وہاں بھی رکاوٹیں پیدا کرنا شروع کر دیں۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کہتے ہیں:

'ہم مسلمان نماز کے لئے مکہ مکرمہ میں جمع نہیں ہو سکتے تھے اس لئے ہم ایک اور مسلمان کے گھر اکٹھے ہوا کرتے تھے۔ تاہم قریش کی شدید چوکسی کی وجہ سے یہ عمل بھی جلد ہی روک دیا گیا۔ اگر ارد گرد کے لوگ ہمیں کسی کے گھر داخل ہوتا دیکھ لیتے تو حملہ کر کے قتل کرنے کی کوشش کرتے۔

اس وجہ سے ہم ایک ایک کر کے مکہ چھوڑنے لگے تا کہ ہم پر شک نہ گزرے۔ ہم کسی دور دراز مقام پر جا کر نماز ادا کیا کرتے۔ ہم ہر روز اگلے دن کے لئے کسی نئی جگہ کا انتخاب کر لیتے۔ اگر ہم ایک ہی جگہ پر دو بار اکٹھے ہوتے تو قریش

marfat.com

بآسانی ڈھونڈ نکالتے۔

ایک دن ہم نماز کے لئے ابوداؤد نامی ایک وادی میں اکٹھے ہوئے۔ ابھی آدھی نماز ہی پڑھی تھی کہ ابوسفیان اور اخناس بن شریق نے ہم پر حملہ کر دیا۔ ہم نے بمشکل اپنا دفاع کیا۔ میں نے قریب پڑی ہوئی ایک اونٹ کی ہڈی اٹھائی اور حملہ آور کے سر پر دے ماری۔ اسے شدید زخم آیا اور وہ خون سے بھرا چہرہ لے کر واپس لوٹ گیا۔ میں وہ پہلا مسلمان ہوں جس نے کسی کافر کا خون بہایا تھا۔"

جب مسلمان انتہائی دبے ہوئے تھے تو صرف ایک شخصیت ایسی تھی جو اپنے گھر سے بلا خوف وخطر باہر آتی تھی اور وہ تھی حضورﷺ کی شخصیت۔ دوسرے مسلمان طلوع آفتاب سے پہلے نکلا کرتے تھے تاکہ کوئی دوسرا آدمی انہیں دیکھ نہ سکے۔ اس تمام ظلم وستم کے باوجود مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ نئے ایمان لانے والوں میں زیادہ تر مزدور اور غریب غرباء تھے۔ کچھ لوگ اعلیٰ خاندانوں سے بھی تعلق رکھتے تھے لیکن حضورﷺ کو ان کی نسل سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ آپ کی نظر میں اچھے مسلمان کا معیار صرف اور صرف اسکا کردار تھا۔ آپ کی رائے دوسروں کے اندازوں پر مبنی نہیں ہوا کرتی تھی۔ جب عیش وعشرت میں مبتلا کوئی شخص اسلام قبول کرنے کی خواہش کا اظہار کرتا تو آپؐ یہ دیکھنے کی کوشش کرتے کہ وہ واقعی عیش وعشرت میں مبتلا ہے یا امیر اور حکمران طبقے نے اس پر عیش وعشرت کا الزام لگا رکھا ہے۔ اگر وہ شخص آپ کو معصوم نظر آتا تو آپؐ اسے خوش آمدید کہتے اور اگر وہ شخص واقعی ان تعیشات میں مبتلا ہوتا اور توبہ کی غرض سے اسلام قبول کرنے کی خواہش کرتا تو آپؐ اسے بھی خوش آمدید کہتے۔ ایسا ہی ایک شخص غِفار قبیلے کا ابوذر تھا۔

مکہ کے شمال میں ایک بیابان قطعہ اراضی تھا جہاں غِفار نامی قبیلہ آباد تھا۔ یہ قبیلہ لوٹ مار اور چوری چکاری میں اپنی مثال آپ تھا۔ یہ علاقہ سنگلاخ چٹانوں پر مشتمل تھا۔ چھوٹی چھوٹی بلندی کی ڈھلوان چٹانیں خطرناک دروں کی صورت میں پھٹی ہوئی تھیں۔ اگر کوئی ان چٹانوں کو اوپر سے دیکھے تو ان کے دامن میں بے ترتیب شکلوں کے بکھرے ہوئے سیاہ، سبز اور سفید پتھر اسے ششدر کر دیں۔ گرمیوں میں یہ چٹانیں ناقابل برداشت حد تک گرم ہوتی ہیں اور ایسا لگتا ہے جیسے

marfat.com

حرارت ان کے اندر سے پھوٹ رہی ہے۔ بغیر کسی سائبان کے ان کے نیچے کھڑے ہونا، چاہے چند لمحوں کے لئے ہی ہو، خودکشی کرنے کے مترادف ہے۔ اس بنجر اور گرم علاقے میں رہنے والے قبائلیوں کی گزراوقات لوٹ مار پر منحصر تھی۔ اچھی لوٹ مار ہی ان کی عظمت اور خودداری شمار ہوتی تھی۔ عام طور پر عرب کے قبائلی لوگ خون خرابے سے گریز کرتے اور قافلوں پر حملے کے دوران بچوں اور عورتوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ مزید برآں چار مقدس مہینوں میں زائرین کو بھی کچھ نہیں کہا جاتا تھا۔ تاہم مکہ کے شمال میں آباد غِفار قبیلے کے یہ لوگ ان اصولوں کی کھلم کھلا خلاف ورزی کیا کرتے۔ ایک بار ذیقعد، جو مقدس مہینوں میں سے ایک ہے، میں ان قبائلیوں نے ایک قافلے پر حملہ کیا اور مردوں کو قتل کرنے کے بعد ان کی عورتوں اور بچوں پر بھی ٹوٹ پڑے۔ ابوذر جو حملہ آوروں میں شامل تھے بے گناہ لوگوں کی چیخ وپکار کا منظر برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے اس کام کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینے کا ارادہ کرلیا۔ وہ اپنی ماں اور چھوٹے بھائی کو لے کر وہاں سے نکل آئے۔

حضرت ابوذر کا یہ عمل انتہائی جان لیوا تھا۔ قبیلے کے بغیر کسی کی بقاء ناممکن سی بات تھی۔ اور قبیلہ بھی جب غِفار جیسا ہو۔ یہ قبیلہ تو پہلے ہی قبائلی قوانین کی خلاف ورزی کرنے اور دیدہ دلیری کی روایات میں مشہور تھا۔ کچھ دن کے سفر کے بعد حضرت ابوذرؓ اپنے مادری رشتہ داروں کے ساتھ ایک صحرا میں آ آباد ہوئے۔

ایک مہینہ وہ اس صحرا میں بے یارومددگار پھرتے رہے۔ آخرکار وہ ایک ایسے علاقے میں پہنچے جہاں انہیں ببول کے پتوں پر گزارا کرنا پڑا۔ کھجوروں، دودھ یا سادہ سی خوراک پر گزر بسر کرنا عرب کے بدوؤں کی عادت تھی۔

۱۸۵۰ء میں جب ابھی موجودہ سڑکوں کا وجود نہیں تھا ایک برطانوی سیاح نے عرب کا دورہ کیا اور اپنے سفرنامے میں لکھا: 'بدوؤں کے مطابق جب آدمی بھوکا نہ ہو اور پیٹ بھر کر کھالے تو مر جاتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک بدو اسی وقت صحت مند ہوتا ہے جب وہ بھوکا ہو لیکن جب وہ ایک دو سال پیٹ بھر کر کھانا کھالے تو مر جاتا ہے۔' حضرت ابوذرؓ بھوک پیاس سے لڑتے ہوئے کئی

marfat.com

مہینوں تک صحرا میں پھرتے رہے۔ تاروں بھری چاندنی اور پرسکون صحرائی راتوں میں وہ اکثر اسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے گہری سوچوں میں گم ہو جاتے۔ آخر کار انہوں نے مکہ جانے کا ارادہ کر لیا۔ آپؓ نے غفار قبیلے کے کسی آدمی کو خبر کئے بغیر ایک مہینہ وہاں قیام کیا۔ ان تمیں دنوں میں انہوں نے سنا کہ حضورﷺ لوگوں کو برائی اور بت پرستی چھوڑ کر ایک اللہ کی طرف آنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ جب آپؓ نے ایک راہ گیر سے حضورﷺ کے گھر کا پتہ پوچھا تو اس آدمی نے ایک لمحے کے لئے آپؓ کو حیرانی سے دیکھا اور پھر چلّایا: 'لوگو! جلدی آؤ۔ پکڑ لو اسے اور قتل کر دو۔ یہ مسلمان ہے۔'

لوگوں نے یہ سنتے ہی آپؓ پر حملہ کر دیا۔ آپؓ وہاں سے بھاگ نکلے لیکن وہ آپؓ پر پتھر برساتے رہے۔ آخر کار ایک جگہ آپؓ گر پڑے اور وہ آپؓ کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے۔ جب آپؓ کو ہوش آیا تو آپؓ نے اپنے آپ کو خون میں لت پت دیکھا۔ جب رات ہوئی تو دو آدمی آپؓ کو وہاں سے اٹھا کر لے گئے۔ بعد میں آپؓ کو پتہ چلا کہ ان میں سے ایک حضرت ابو بکرؓ صدیق تھے جو ایک اور مسلمان کی مدد سے آپؓ کو ایک محفوظ مقام پر پہنچا آئے تھے۔ انہیں تو یہ بھی بعد میں معلوم ہوا کہ ابو ذرؓ مسلمان نہیں۔ تاہم وہ حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے۔

اگلے دن حضورﷺ نے آپؓ سے آپ کے قبیلے کے بارے میں پوچھا۔ آپؓ نے بتایا کہ آپؓ کا تعلق قبیلہ غفار سے ہے۔ مکہ آنے پر انہیں حضورﷺ اور ان کے پیغام کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہوئیں تو آپؓ نے حضورﷺ سے ملنے اور آپ کی تعلیمات کے ذریعے اللہ کے راستے پر چلنے کا فیصلہ کر لیا۔

حضورﷺ نے ان سے پوچھا کہ وہ کتنے دن سے مکہ میں قیام پذیر تھے۔ حضرت ابو ذر نے جواب دیا کہ کل تک تمیں دن مکمل ہو چکے تھے۔ پھر حضورﷺ نے آپؓ سے پوچھا کہ آپؓ کا ذریعہ آمدنی کیا ہے۔ حضرت ابو ذرؓ نے نفی میں سر ہلایا۔ پھر حضورﷺ نے پوچھا کہ وہ اپنی گزر بسر کیسے کیا کرتے تھے۔ آپؓ نے جواب دیا کہ آپؓ تمیں دن تک صرف آب زم زم پر گزارہ کرتے رہے۔ حضورﷺ نے پھر پوچھا کہ آیا اس دوران انہیں کھانے کے لئے کچھ ملا۔ حضرت ابو ذرؓ نے

marfat.com

جواب دیا کہ بالکل نہیں۔

اگر چہ حضور ﷺ کو معلوم تھا کہ حضرت ابو ذرؓ لٹیرے رہ چکے ہیں اس کے باوجود آپ ؐ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی اجازت دے دی۔ حضور ﷺ اس بات پر قائل ہو چکے تھے کہ وہ واقعی دیانت داری سے ایمان لا رہے ہیں۔ بعد میں یہی حضرت ابو ذرؓ غفاری سر برآوردہ مسلمانوں میں شمار ہوئے اور اپنے تمام قبیلے کے اسلام لانے کا سبب بنے۔

حضرت ابو ذرؓ غفاری کی مثال کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ حضور ﷺ لوگوں کو اس وقت اسلام قبول کرنے کی اجازت دیتے تھے جب وہ واقعی توبہ تائب ہو جاتے۔ دوسری طرف ہمیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ مکہ والوں کی حضور ﷺ سے دشمنی کس قدر سنگین تھی کہ جو کوئی مسلمان ہوتا یا مسلمان ہونے کا ارادہ کرتا اسے قتل کر دیا جاتا۔

marfat.com

قبول اسلام کے چند اہم واقعات

سارے مکہ والے حضور ﷺ کے خلاف تھے۔ وہ آپ ؐ کو قتل کرنا تو چاہتے تھے لیکن ایسا کر نہیں پاتے تھے۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ قبیلہ قریش دس خاندانوں میں منقسم تھا۔ حضور ﷺ کا تعلق بنو ہاشم سے تھا۔ اگر بقیہ نو خاندان حضور ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کریں تو انہیں ہاشمیوں کو قصاص دینا پڑتا تھا۔ اسی لئے قریش کہا کرتے تھے: 'اگر اسے (محمدؐ) اپنے خاندان کی پشت پناہی حاصل نہ ہوتی تو اسے کب کا موت کے گھاٹ اتار دیا ہوتا۔'

قریش والوں نے دو بار حضور ﷺ پر حملہ کیا لیکن انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ اس کی وجہ مکہ کی وہ عظیم شخصیات تھیں جو دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی تھیں۔ ان شخصیات کے قبول اسلام کے حالات مندرجہ ذیل ہیں۔

ایک دن ابو جہل کے اکسانے پر کچھ لوگ حضور ﷺ پر پتھر برسا رہے تھے۔ ایک عورت یہ سب دیکھ کر آپ ؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کے پاس گئی اور کہنے لگی 'حمزہ! تمھاری عزت نفس کیسے گوارہ کر رہی ہے کہ تمھارے بھتیجے کو اتنی اذیت دی جا رہی ہے اور تم چپ ہو۔ تم اس کی مدد کیوں نہیں کرتے؟' حضرت حمزہؓ مشہور پہلوان اور شکاری تھے۔ اس وقت تک آپؓ کو اسلام میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ آپؓ کو یہ سب کچھ اپنے باپ دادا کے عقائد کے خلاف ہی محسوس ہو رہا تھا۔ جب آپؓ نے اس واقعہ کے بارے میں سنا تو آپؓ کا تاثر بدل گیا۔ آپؓ نے اس عورت سے اس بے عزتی کے بارے میں پوچھا۔ جب اس عورت نے کچھ کلمات دہرائے تو حضرت حمزہؓ غصے میں آگئے۔ عربوں کے لئے اپنے کسی رشتہ دار کے خلاف گالی ایک ناقابل معافی جرم تھا۔ دوسرا کسی ایک آدمی کے خلاف گالی گلوچ تمام قبیلے کے خلاف گالی گلوچ سمجھا جاتا تھا۔

حضرت حمزہؓ نے اپنی تلوار اٹھائی اور ابو جہل کے گھر کا رخ کیا۔ آپؓ نے اپنے بھتیجے کے

marfat.com

خلاف اس کے نازیبا سلوک پر اسے شدید برا بھلا کہا۔ آپؐ نے یہ بھی کہا کہ اب اس کا جو جی چاہے کرے وہ اس سے نبٹ لیں گے کیونکہ وہ خود مسلمان ہو رہے ہیں۔ حضرت حمزہؓ کے قبول اسلام کے بعد مسلمان کوہ صفا پر واقع ایک گھر میں جمع ہونے لگے۔ اس گھر کا رخ خانہ کعبہ کی طرف تھا۔ نماز کے دوران کچھ مسلمان قریش کے متوقع حملے سے بچنے کے لئے اپنی تلواریں نکالے پہرہ دیتے رہتے۔

حضورﷺ مسلمانوں کو سختی سے نظم و ضبط کی تلقین کیا کرتے تھے خصوصاً نماز کے دوران۔ نماز میں کوتاہی کے سلسلے میں کوئی عذر قابل قبول نہیں سمجھا جاتا تھا یہاں تک کہ کوئی آدمی اس قابل ہو کہ نہ بیٹھ سکے نہ اٹھ سکے۔

جلد ہی ایمان والوں کی تعداد تیس ہو گئی۔ غم و غصے سے بھرے ہوئے مکہ کے لوگ اسلام کے خلاف سازشیں کرنے کے لئے دارالندوۃ میں جمع ہوتے جو انکی پارلیمنٹ یا اسمبلی ہاؤس کا درجہ رکھتا تھا۔

مکہ والوں کی کابینہ میں عمر نامی ایک شخص تھا۔ جب یہ جلسہ اگلے دن تک موقوف ہوا تو اس نے اعلان کیا کہ وہ محمدؐ کو ختم کر کے اس سارے مسئلے کا خاتمہ کر دے گا۔ عمر ایک غصیلہ اور مضبوط قوت ارادی کا آدمی تھا۔ اس کا شمار مکہ کے طویل القامت لوگوں میں ہوتا تھا۔ وہ اپنے قول کا پورا اور انتہائی غصے کا مالک تھا۔ جب عمر نے یہ قسم کھائی تو عیسوی اعتبار سے ۶۱۴ء تھا۔ اس دن حضورﷺ اور آپؐ کے پیروکار کوہ صفا والے گھر میں موجود تھے۔ عمر اپنے گھر گیا، تلوار اٹھائی اور سیدھا کوہ صفا کا رخ کیا۔ راستے میں اس کی ملاقات نعیمؓ بن عبداللہ سے ہوئی جو مسلمان تو ہو چکا تھا لیکن اس نے اپنے ایمان کا اظہار نہیں کیا تھا۔ حضرت نعیمؓ بن عبداللہ نے پوچھا کہ عمر کہاں جا رہے ہو۔ عمر نے گرجدار آواز میں کہا "نعیمؓ! میں نہیں جانتا ہمارے باپ دادا کی کسی نے اس طرح ہتک کی ہو جس طرح محمدؐ کر رہا ہے۔ بڑے سے بڑا دشمن بھی آج تک ہمیں اس طرح ذلیل نہیں کر سکا۔ اس آدمی نے اپنے نئے مذہب سے سارے مکہ کا سکون برباد کر دیا ہے۔ یہ ہمارے باپ دادا

marfat.com

کے مذہب کو جھٹلا کر ہمارے آباؤ اجداد کو تنقید کا نشانہ بنا رہا ہے۔ یہ چاہتا ہے ہم اپنے دیوتاؤں کو پوجنا چھوڑ دیں۔ ہم اسے آج تک اس لئے برداشت کرتے آئے ہیں کہ اس کا تعلق قریش سے ہے۔ لیکن اس نے ہمارے صبر کو خوب آزما لیا ہے۔ اب میں اسے ختم کرنے اور مکہ والوں کو اس کے شر سے ہمیشہ کے لئے نجات دلانے جا رہا ہوں۔' یہ کہنے کے بعد وہ کوہ صفا کی طرف چل پڑا۔ حضرت نعیمؓ بن عبداللہ کو معلوم تھا کہ جو کچھ عمر کہہ رہا ہے وہی کر بھی گزرے گا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ عمر دلیل مان لیتا ہے۔ وہ ایک ایمان دار آدمی تھا اور اس میں کسی طرح کی ضد بازی نہیں تھی۔ حضرت نعیمؓ اسے روکنے کے لئے بھاگے اور کہا 'عمر! رکو۔ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔' جب عمر رکا تو نعیمؓ نے کہا 'تم کہتے ہو محمدؐ کے مذہب نے مکہ والوں کو انتہائی اذیت پہنچائی ہے لیکن مکہ والوں کا خیال کرنے سے پہلے اپنے گھر کا تو خیال کر لو۔'

عمر نے انتہائی حیران ہو کر پوچھا کہ نعیمؓ کا اس بات سے کیا مطلب ہے۔ نعیم نے اسے بتایا کہ اس کی بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعیدؓ بن زید اسلام قبول کر چکے ہیں۔ پہلے اسے ان کی خبر لینی چاہئے۔ عمر یہ سنتے ہی اپنے گھر پلٹ گیا۔ جب عمر اپنے گھر داخل ہوا تو اس نے اپنی بہن، اپنے بہنوئی اور ایک اور آدمی خباب کو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے پایا۔ عمر کو انتہائی غصہ آیا۔ وہ اپنی بہن کو پیٹنے لگا۔ اس نے کوشش کی کہ اس کی بہن اسلام چھوڑ دے۔ لیکن اس کی بہن نے کہا کہ اگر وہ اسے جان سے مار ڈالے پھر بھی وہ اسلام نہیں چھوڑے گی۔ اسؓ نے یہ بھی کہا کہ اگر وہ خود قرآن کی آیات پڑھے تو سچائی کی تصدیق کر دے گا۔

زہرہ قبیلے کا ایک غریب مسلمان خبابؓ، سعیدؓ اور فاطمہؓ کو قرآن کی آیات سنایا کرتا تھا۔ اس وقت بھی وہ سورۃ طٰہٰ کی کچھ آیات لے کر وہاں موجود تھا۔ عمر نے انہیں پڑھتے ہوئے سنا بھی تھا۔ اس نے اپنی بہن سے کہا 'لاؤ مجھے دو تم کیا پڑھ رہی تھیں۔ دیکھوں تو سہی محمد کیا لایا ہے۔' ان کی طرح عمر بھی لکھنا پڑھنا جانتا تھا۔ جب اس نے آیات والے صفحے مانگے تو اس کی بہن نے کہا 'ہم ڈرتے ہیں تم انہیں پھاڑ نہ دو۔' 'ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔' عمر نے کہا اور اپنی تلوار اور نیام زمین پر رکھتے ہوئے اس نے قسم کھائی کہ وہ یہ صفحے پڑھ کر انہیں واپس کر دے گا۔ اس کی بہن نے

marfat.com

کہا' بھیا! تم ناپاک ہو۔ اور ان صفحات کو صرف پاک لوگ چھو سکتے ہیں۔' اس پر عمر منہ ہاتھ دھو کر آیا اور اپنی بہن سے وہ صفحات لے کر پڑھنے لگا جن پر سورۃ طٰہٰ کی ابتدائی آیات لکھی ہوئی تھیں۔ جب اس نے یہ آیات پڑھ لیں تو کہنے لگا 'کتنے خوبصورت اور عالیشان الفاظ ہیں یہ'۔ جب حضرت خبابؓ نے یہ سنا تو باہر آئے اور کہا' عمر! مجھے یقین ہے حضورﷺ کی دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے تمھیں شرف ایمان کے لئے چن لیا ہے۔' عمر نے پوچھا کہ حضورﷺ کہاں ہیں۔ حضرت خبابؓ نے بتایا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کوہ صفا پر دار ارقم میں موجود ہیں۔

جب عمر نے قرآنی آیات سنیں تو اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے اپنی بہن کے ماتھے کو بوسا دیا اور کہا کہ وہ اسے معاف کر دے۔ پھر اس نے انہیں اپنے مسلمان ہونے کے ارادے سے آگاہ کیا۔ جب وہ عمر کے ساتھ کوہ صفا پر پہنچے تو مسلمان اسے آتا دیکھ کر سمجھے کہ شاید وہ انہیں قتل کرنے کے ارادے سے آرہا ہے۔ عمر نے انہیں تسلی دی اور اپنے آنے کا مقصد بتایا۔

آپؓ ایمان لانے والے چالیسویں شخص ہیں۔ آپؓ کا قبول اسلام مسلمانوں کے لئے انتہائی سکون اور آرام کا باعث ثابت ہوا۔ آپؓ کا قبول اسلام ابتدائی اسلامی دور کا ایک اہم واقعہ شمار ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ ہر ایک کو اپنے قبول اسلام کے بارے میں بتاتے پھرتے خاص طور پر ان لوگوں کو جو حضورﷺ کے زیادہ خلاف تھے۔ بعد میں آپؓ اکثر کہا کرتے 'اگلے دن میں ابو جہل کے دروازے پر گیا اور کنڈی کھٹکھٹائی۔ وہ باہر آیا اور بولا' بہت بہت خوش آمدید، میرے بھانجے۔ کہو کیسے آنا ہوا۔' میں نے جواب دیا' میں یہ بتانے آیا ہوں کہ اب میں اللہ اور اس کے رسول محمدؐ پر ایمان رکھتا ہوں اور اس حق کی تصدیق کرتا ہوں جو وہ لائے ہیں'۔

حضرت عمرؓ بن خطاب مکہ کی چند با اثر شخصیات میں سے ایک تھے۔ آپؓ کی آواز آپؓ کے قد و قامت کی طرح انتہائی پر رعب تھی۔

دوسرے عربوں سے مختلف حضرت عمرؓ اپنے معاشرے کی برائیوں میں ملوث نہیں تھے اور

marfat.com

ایک اصلی عرب کی طرح آپؓ بھی بھوک پیاس برداشت کرنے کے عادی تھے۔اگرچہ بعد میں آپؓ بہت بڑے مسلمان راہنما کی شکل میں سامنے آئے لیکن پھر بھی آپؓ نے ایک کھانے میں پانچ لقموں سے زیادہ کبھی نہیں کھائے تھے۔جب آپؓ منصب خلافت پر سرفراز ہوئے تو بغیر کسی تھکن کے آثار ظاہر کئے دن رات کام میں لگے رہتے۔آپؓ نے کبھی کسی مجرم سے رورعایت نہیں برتی تھی اور نہ کبھی کسی کو معاف کیا تھا۔دوسری طرف آپؓ نے کبھی کسی معصوم کو سزا نہیں دی تھی۔وہ دس سال تک خلیفہ رہے لیکن اس مختصر سے عرصے میں آپؓ نے ایران، عراق اور شام جیسی عظیم اور طاقتور سلطنتوں کو مملکت اسلام میں شامل کر لیا۔اپنی زندگی کے آخری دن تک آپؓ زمین پر بچھی چٹائی پر بیٹھتے اور صرف پانچ لقمے خوراک کے کھاتے۔

جب حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تو وہ مسلمانوں کو لے کر نماز ادا کرنے کے لئے کھلے عام خانہ کعبہ چلے آئے۔مسلمان ایک جلوس کی شکل میں مکہ کی گلیوں اور بازاروں سے ہوتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے اور نماز ادا کی۔

ابوجہل، ابوسفیان، ابولہب اور قریش کے دوسرے سرکردہ لوگ خانہ کعبہ کے باہر کھڑے مسلمانوں کو نماز ادا کرتے دیکھتے رہے لیکن کسی کی جرات نہ ہوئی کہ آگے بڑھ کر ان پر حملہ کرے۔نماز ختم کرنے کے بعد جب مسلمان خانہ کعبہ سے باہر آئے تو حضرت عمرؓ نے قریش کے لوگوں کو مخاطب کر کے للکارا اور کہا 'اگر تمھاری مسلمانوں سے کوئی دشمنی ہے تو میرے سامنے آؤ۔ آج سے میں مسلمان ہوں۔'

وہ آپؓ سے اس قدر خوفزدہ ہوئے کہ آپؓ کی مخالفت کرنے کی کسی کو جرات نہ ہوئی۔حضورﷺ اور دوسرے مسلمان بغیر کسی خوف سے اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔حضرت عمرؓ اس دن حضورﷺ کے ساتھ ان کے گھر تک گئے اور کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ حضورﷺ کو کوئی نازیبا جملہ کہے یا ان پر پتھر پھینکے جیسا کہ پہلے ہوتا آیا تھا۔

جب قریش نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ بھی مسلمان ہو چکے ہیں تو وہ ایک بار پھر دارالندوۃ میں جمع ہوئے اور اس بات پر اتفاق رائے ظاہر کیا کہ وہ مل کر حضورﷺ کے چچا حضرت ابوطالب کے

marfat.com

پاس جائیں اوران سے کہیں کہ وہ اپنے بھتیجے کو قبیلے سے نکال دیں۔ اگر یہ ہو جائے تو وہ آسانی سے اسے قتل کر دیں گے اور کسی پر کوئی الزام یا قصاص نہیں آئے گا۔ اس راستے میں ایک ہی رکاوٹ تھی اور وہ تھی حضور ﷺ کی خاندان ہاشمی سے رشتہ داری۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ کسی آدمی کو سردار بنو ہاشم کے پاس بھیجیں جو اس سے محمدؐ کو قبیلہ بدر کرنے کی درخواست کرے اور اس کی جگہ کسی بھی قبیلے کے دو آدمی پیش کر دے۔

ایسی تجویز پر حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام سے پہلے قتل کی دیت کا کوئی تصور نہیں تھا۔ جب کوئی قتل ہوتا تو قاتل کو کسی احساس جرم یا شرمندگی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ لوگ اسے کوئی جرم خیال نہیں کرتے تھے اس لئے کسی کو مارنا گناہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ موت کے بعد سزا یا جزا کا تصور تو اسلام کے ساتھ آیا ہے۔ اسلام سے پہلے کوئی بدو شرم یا توبہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تھا۔ اگر اس نے اکٹھے دس آدمیوں کو بھی مارا ہوتا تو قبیلے کے دوسرے آدمی اسے مجرم نہیں سمجھتے تھے۔ انسانی زندگی کی قدر و قیمت مال و زر سے زیادہ نہیں تھی۔ قاتل مقتول کے رشتہ داروں کو قصاص دینے کے بعد کسی قسم کے جرم یا ذمہ داری کو محسوس نہیں کرتا تھا۔ بعض دفعہ تو قصاص کی جگہ قاتل کے قبیلے کا کوئی شخص مقتول کے قبیلے کی تعداد کو پورا کرنے کے لئے دے دیا جاتا تھا۔ قریش نے یہی تجویز دی تھی کہ محمدؐ کے بدلے کسی اور قبیلے کا آدمی بنو ہاشم کو دے دیا جائے۔ لیکن ان کی اس تجویز کو قبول نہیں کیا گیا تھا۔

marfat.com

قریش کا وفد

قریش کا ایک وفد حضرت ابو طالب کے پاس آیا کہ وہ حضورﷺ کو اپنے قبیلے سے نکال دیں۔ حضرت ابو طالب نے جواب دیا۔ 'میں مر جاؤں گا، اسلام قبول نہیں کروں گا۔ لیکن میں اپنے بھتیجے کو قبیلہ بدر نہیں کروں گا اور نہ اسے کسی کو ہاتھ لگانے دوں گا'۔ تاہم حضرت ابو طالب نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ اپنے بھتیجے کو اسلام کی تبلیغ چھوڑنے کا مشورہ دیں گے۔ نیز آپ نے انہیں اگلے دن پھر آنے کا کہا۔ بہرحال آپ نے حضورﷺ کو بلایا اور قریش کی تجویز سے آگاہ فرمایا۔ حضورﷺ نے پوچھا کہ حضرت ابو طالب انہیں کس چیز سے باز رکھنا چاہتے ہیں۔

حضرت ابو طالب نے بتایا کہ قریش چاہتے ہیں کہ تم اپنے اس نئے مذہب کی تبلیغ چھوڑ دو اور دوبارہ کبھی ایسی باتیں نہ کرو۔ حضورﷺ نے جواب دیا۔ 'عم جان! نبوت کے پہلے دن مجھے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی پر بھروسہ نہیں تھا اور آج بھی اگر بھروسہ ہے تو صرف اسی پر۔ اور اگر آپ مجھے قبیلے سے نکالنا چاہتے ہیں تو ایسا کرنے میں خود مختار ہیں'۔

حضرت ابو طالب نے اپنے بھتیجے کو قبیلہ بدر نہ کیا۔ انہوں نے قریش کو بتایا کہ وہ محمدؐ کو قبیلہ بدر نہیں کر سکتے۔ تاہم انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ اپنی زندگی میں اس کے مذہب کو قبول نہیں کریں گے۔

جب قریش نے اپنی کوششیں بے سود ثابت ہوتی دیکھیں تو انہوں نے حضور سے بلاواسطہ بات چیت کرنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے اس کام کے لئے عتبہ بن ربیعہ کو منتخب کیا جو اپنے مرتبے، رکھ رکھاؤ اور بردباری میں کافی مشہور تھا۔ وہ بولا:

'اے محمدؐ! ہم نے ہمیشہ تمؐ کو سچا اور ایماندار پایا ہے۔ تمہارےؐ اخلاق کی ہر کوئی تعریف کرتا ہے۔ تمؐ نے کبھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی۔ لیکن اب تمہارےؐ بیانات اور اعمال سے

marfat.com

سارا شہر ہل گیا ہے۔کوئی پر سکون نہیں۔تم کھلم کھلا پرانے مذہبی عقائد کا انکار کر رہے ہو اور ہمارے مقدس بتوں کو جھٹلا رہے ہو۔تم کہہ رہے ہو کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔تمہارا تعلق بھی ہم سے، ہمارے باپ دادا سے ہی ہے۔تم اپنے باپ دادا کی شان کو کس طرح گھٹا سکتے ہو؟

اے محمدؐ! اپنی شرائط کھل کر کہو، شائد ہم انہیں پورا کر سکیں۔اگر تمہیں کسی عورت کی ضرورت ہے تو یقین کرو قریش تمہیں اپنی خوبصورت ترین لڑکیاں دینے کو تیار ہیں۔اگر تمہیں دولت اور عزت چاہئے تو ہم تمہیں یہ سب بخوشی دینے پر رضا مند ہیں۔اگر تمہاری خواہش مکہ پر حکومت کرنے کی ہے تو ہم تمہاری یہ خواہش بھی پوری کرنے کے لئے تیار ہیں۔لیکن شرط صرف یہ ہے کہ تم ہمارے عقائد کو جھوٹا اور ہمارے بتوں کو پتھر کے بے کار ٹکڑے نہ کہو۔ہم یہ بے عزتی برداشت نہیں کر سکتے۔محمدؐ تمہارا ایک ایک لفظ ہمارے۔دلوں کو زہر میں بجھے تیروں کی طرح چیر جاتا ہے۔اب ہم سے مزید صبر نہیں ہو پاتا'۔

حضورﷺ اسے انتہائی صبر اور تحمل سے سنتے رہے۔پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا: 'میں جو کچھ کہتا ہوں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ اللہ کی طرف سے کہتا ہوں۔جو کچھ اللہ تعالیٰ آیات کی صورت میں نازل کرتا ہے وہ اتفاق سے عربی میں ہے، ایک ایسی زبان میں جسے تم اچھی طرح سمجھتے ہو۔یہ قابل عمل باتیں ہیں۔جب میں کہتا ہوں کہ تمہارے باپ دادا کا مذہب بے بنیاد ہے اور تم لا دین ہو تو یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہتا ہوں۔تمہاری دھمکیوں کے باوجود میں اپنی نبوت جاری رکھوں گا۔حق مانو اور باطل چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ کا سچا مذہب قبول کر لو۔یہی اللہ چاہتا ہے۔

> آپؐ فرما دیجئے کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں مجھ پر یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو اس (معبود برحق) کی طرف سیدھ باندھ لو اور اس سے معافی مانگو اور ایسے مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے۔ سورہ فصلت ۶:۴۱

جب عتبہ اپنے لوگوں میں واپس گیا تو اس نے قسم کھائی کہ میں نے آج تک ایسا کلام نہیں

marfat.com

سنا۔ یہ آیات نہ تو کسی نجومی کی چرب زبانی ہیں اور نہ کسی طرح کا منتر یا ٹونا۔ جو کچھ اس نے اس روز سنا تھا اس کے اثرات آگے مستقبل میں ظاہر ہونے والے تھے۔

جب عتبہ بن ربیعہ واپس لوٹا تو کہنے لگا کہ قریش حضور ﷺ کے ساتھ جو چاہیں سلوک روا رکھیں۔ تاہم اس نے یہ مشورہ ضرور دیا کہ وہ حضور ﷺ کے راستے میں مزاحم ہونے کی بجائے غیر جانبداری کا مظاہرہ کریں۔ قریش نے یہ کہتے ہوئے اس مشورے کو مسترد کر دیا کہ عتبہ محمدؐ کی گفتگو کے سحر میں آگیا ہے۔

marfat.com

پہلی ہجرت اور صحابہ کا ایثار

اسلام کے ابتدائی دور میں صرف دو شخصیات ایسی نظر آتی ہیں جنہوں نے اس کی راہ میں عظیم قربانیاں پیش کیں۔ایک حضرت خدیجہؓ اور دوسرے حضرت ابوبکرؓ۔اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کا شمار مکہ کے امیر ترین لوگوں میں ہوتا تھا۔لیکن ان کے پاس جو تھا انہوں نے اسلام کی راہ میں خرچ کر دیا اور دنیا سے جاتے وقت کوئی مال و متاع پیچھے نہ چھوڑا۔

جب حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے اپنے خاندان کو بھی اس کی دعوت دی۔آپؓ کی وجہ سے آپؓ کے قبیلے بنو عدی کے بہت سے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔جب قریش نے دیکھا کہ مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے تو وہ بہت پریشان ہوئے۔وہ مسلمانوں کو اسلام سے باز رکھنے کے لئے پہلے سے زیادہ ظالمانہ تدابیر اختیار کرنے لگے۔قرآن نے ان تدابیر کو فتنہ سے تعبیر کیا ہے۔

نومسلموں میں زیادہ تر غلام اور غریب غرباء شامل تھے۔یہ نومسلم اتنے ثابت قدم نہیں تھے جتنے کہ پہلے مسلمان۔وہ قریش کے مظالم کو برداشت کرنے کے قابل نہیں تھے۔قریش نے اپنے لوگوں کو منع کر دیا کہ وہ مسلمانوں سے کسی قسم کی خرید و فروخت نہ کریں۔انہوں نے نہ صرف مسلمانوں کا سماجی اور معاشی مقاطعہ کیا بلکہ اپنے لوگوں کو مسلمانوں سے رشتہ داریاں کرنے سے بھی منع کر دیا۔

مکہ ایک تجارتی ملک تھا۔ان پابندیوں نے مسلمانوں کی زندگیاں پائمال کر کے رکھ دیں۔حضورﷺ کو علم تھا کہ اگر کوئی فوری تدارک نہ کیا گیا تو ہو سکتا ہے قریش نومسلموں کو اسلام چھوڑنے پر مجبور کر دیں۔

حضورﷺ نے ایک ایسا فیصلہ کیا جو پہلے نبیوں نے اپنے ماننے والوں کے لئے نہیں کیا

marfat.com

تھا۔آپؐ نے قریش کی سختیوں کا سامنا کرنے کے لئے خود مکہ میں رہنے اور دوسرے مسلمانوں کو حبشہ بھیجنے کا ارادہ کرلیا۔

حبشہ پر ان دنوں ایک ایسے بادشاہ کی حکومت تھی جو اس وقت تک کسی مذہب میں مداخلت نہیں کرتا تھا جب تک کہ وہ مذہب خود دوسرے مذاہب میں رکاوٹ پیدا نہ کرنے لگے۔حضورﷺ نے مسلمانوں کو مکہ چھوڑ کر حبشہ ہجرت کرنے کی نصیحت کی اور اس وقت تک وہیں رہنے کا کہا جب تک کہ مکہ کے حالات بہتر نہ ہو جائیں۔حضورﷺ نے انہیں نصیحت کی کہ وہ قریش کو پتہ چلنے دیئے بغیر تھوڑے کر کے مکہ سے نکل جائیں۔

اسلام کے ان پہلے ہجرت کرنے والوں میں حضرت جعفرؓ بن ابو طالب ان کی بیوی اسماءؓ بنت عمیس (جو بحیرۂ احمر کو عبور کر کے مکہ پہنچی تھیں اور ملاح خاتون کہلاتی تھیں) عثمانؓ بن عفان اور حضورﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ (ابولہب کے بیٹے سے طلاق پانے کے بعد ان کی شادی حضرت عثمانؓ سے طے پائی تھی) زبیرؓ بن عوام، عبداللہؓ بن مسعود، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، ابو حذیفہؓ، صالحہؓ بنت سہیلؓ بن عمرو، عامرؓ بن ربیعہ اور اسکی بیوی لیلیٰؓ بنت ابوحثمہ، حاطبؓ بن عمرو، سہیلؓ بن بیضہ، موسیٰؓ بن عمیر، ابوسلمیٰؓ اور اسکی بیوی ام سلمیٰؓ بنت ابوامیہ اور عثمانؓ بن مظعون شامل تھے۔

یہ لوگ رات کے اندھیرے میں حبشہ روانہ ہوگئے۔یہ پہلا مسلمان گروہ تھا جو مکہ سے ہجرت کر کے باہر گیا۔اس کے بعد کئی دوسرے گروہ ہجرت کرنے والے تھے۔

جب مسلمانوں کی حبشہ کے بادشاہ سے گفتگو ہوئی تو حضرت جعفرؓ طیار ان کی نمائندگی کر رہے تھے۔جس دن مسلمان حبشہ کے دارالحکومت میں داخل ہوئے، حضرت جعفرؓ کی بیوی اسماء نے ایک لڑکے کو جنم دیا۔

پہلے گروہ کے بعد دوسرا گروہ حبشہ روانہ ہوا اور اس طرح حبشہ ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی تعداد ایک سو نو ہوگئی۔

اس ہجرت کا قریش کو بہت جلد علم ہو گیا۔انہوں نے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو نجاشی کے دربار میں بھیجا کہ وہ اس سے مسلمانوں کو واپس کرنے کی درخواست کریں تاکہ

marfat.com

ان مسلمانوں کو مکہ واپس لے جایا جا سکے۔ جب وہ اس کے دربار میں پہنچے تو عمرو بن العاص نے کہا: 'اے شاہ حبشہ! آپ کی حفاظت میں آئے ان لوگوں نے اپنے باپ دادا کے مذہب کو جھٹلایا ہے۔ یہ اسے بے بنیاد قرار دیتے ہیں۔ اے شاہ حبشہ! یہ لوگ جو آج آپ کی حفاظت میں ہیں کل آپکے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ بہتر ہے آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم انہیں ان کے قبیلوں کے سپرد کریں جوان کی تلاش میں ہیں۔

بادشاہ نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلایا اور کہا 'یہ مکہ سے آنے والے دو آدمی تمھیں مجرم قرار دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے تمھیں مکہ واپس بھیج دیا جائے جہاں تمھارے خاندان اور قبیلے والے تمھارا انتظار کر رہے ہیں۔ تم اپنے بارے میں کیا کہتے ہو؟'

حضرت جعفرؓ بن ابو طالب آگے بڑھے اور کہنے لگے:

'اے شاہ حبشہ! ان سے پوچھیں کیا ہم نے ان کی کوئی چیز چرائی ہے؟ کوئی ڈاکہ ڈالا ہے؟ کوئی قتل کیا ہے؟ مکہ یا مکہ سے باہر عرب میں کسی طرح کا کوئی اور جرم کیا ہے؟'

جب بادشاہ کے پوچھنے پر قریش کے آدمیوں نے اقرار کیا کہ مسلمانوں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا تو حضرت جعفرؓ پھر گویا ہوئے:

'اے شاہ حبشہ! ہم بت پوجتے تھے اور کھیل کود میں اپنی زندگیاں ضائع کر رہے تھے۔ غریبوں اور مسکینوں پر ظلم کرنا ہمارا مشغلہ تھا۔ ہم جہالت کی عمیق گہرائیوں میں پڑے تھے۔ محمدؐ بن عبداللہ نے ہمیں ہدایت کا راستہ دکھایا اور بت پرستی چھوڑنے کی تلقین کی۔ انہوں نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی راہ دکھائی۔ انہوں نے ہمیں رحمدلی کا درس دیا اور برائیوں سے باز رہنے اور غریبوں اور مسکینوں کو سہارا دینے کی ہدایت کی۔'

آپؓ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے مزید فرمایا:

'اے بادشاہ! ہم جہالت، بت پرستی، مردار خوری، قتل و غارت اور کمزوروں

marfat.com

پر ناحق ظلم کرنے میں مبتلا تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ہی ایک آدمی جس کے حسب نسب سے ہم اچھی طرح واقف تھے، ہماری ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔اسؐ کی پاکبازی، اعتبار اور دیانت داری سے ہم خوب واقف تھے۔اسؐ نے ہمیں اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی اور اسکی وحدانیت کا اقرار کرنے کو کہا۔اسؐ نے ان تمام بتوں کو چھوڑ دینے کا کہا جن کی ہمارے باپ دادا پوجا کرتے آئے تھے۔اسؐ نے ہمیں سچ بولنے، وعدہ پورا کرنے، ہمسائیوں کے حقوق ادا کرنے، رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنے اور قتل و غارت اور دیگر جرائم سے باز رہنے کا حکم دیا۔اس لئے اب ہم صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔جو کچھ اس نے منع کیا ہے اس سے باز رہتے ہیں اور جس کا حکم دیا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔ ہمارا یہی قصور ہے کہ یہ لوگ ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور ہمیں اس لئے اتنا ستایا ہے کہ ہم اپنا مذہب اور اللہ کی عبادت چھوڑ کر دوبارہ بت پرستی میں گھر جائیں۔

اے بادشاہ! ہمیں اسؐ پر یقین ہے۔یہ لوگ جو ہمیں پکڑنے آئے ہیں بت پرست ہیں۔ یہ پتھر اور لکڑی کے بنے بت پوجتے ہیں۔ کمزوروں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔ ان لوگوں نے ہمارے پیغمبر کو ستایا، اذیتیں دیں اور زخمی کیا ہے۔"

شاہ حبشہ نے طرفین کے بیانات سننے کے بعد حکم دیا کہ عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ جو تحائف لے کر آئے ہیں انہیں واپس کر دیئے جائیں۔اس نے انہیں مخاطب کیا اور کہا کہ جو لوگ اس کے ملک میں پناہ ڈھونڈنے آئے ہیں اسے بہت عزیز ہیں کیونکہ وہ بھی اس کی طرح ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتا کہ وہ ان مسلمانوں کو قریش کے نمائندوں کے حوالے کرے تاکہ وہ انہیں لے جا کر کوئی سزا دیں۔

marfat.com

جب قریش کے آدمی دربار سے نکل گئے تو نجاشی نے حضورﷺ کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت جعفرؓ نے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم سے متعلقہ قرآن کی کچھ آیات تلاوت فرمائیں۔

اور (اے محمدؐ) اس کتاب میں مریم کا بھی ذکر کیجئے۔ جبکہ وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ (ہوکر) ایک ایسے مکان میں جو شرق کی جانب میں تھا (غسل کے لئے) گئیں۔ پھر ان (گھر والے) لوگوں کے سامنے سے انہوں نے پردہ ڈال لیا پس (اس حالت میں) ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتہ جرائیل کو بھیجا اور وہ ان کے سامنے ایک پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔ کہنے لگیں کہ میں تجھ سے (اپنے خدائے) رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو (کچھ) خدا ترس ہے (تو یہاں سے ہٹ جاوے گا)۔ فرشتہ نے کہا کہ میں تمھارے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں تاکہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ وہ (تعجباً) کہنے لگیں کہ (بھلا) میرے لڑکا کس طرح ہو جاوے گا حالانکہ مجھ کو کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔ فرشتہ نے کہا یونہی (اولاد) ہو جاوے گی۔ تمھارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بات مجھ کو آسان ہے اور اس طور پر اس لئے پیدا کریں گے تاکہ ہم اس فرزند کو لوگوں کے لئے ایک نشانی (قدرت کی) بنادیں اور باعث رحمت بنادیں اور یہ ایک طے شدہ بات ہے (جو ضرور ہو گی)۔

سورۃ مریم ۲۱-۱۶:۱۹

مزید یہ کہ:

وہ بچہ (خود ہی) بول اٹھا کہ میں اللہ کا (خاص) بندہ ہوں۔ اس نے مجھ کو کتاب (یعنی انجیل) دی اور اس نے مجھ کو نبی بنایا (یعنی بنادے گا)۔

marfat.com

نجاشی عیسائی ہونے کے باوجود اپنے آنسو نہ روک سکا۔ دربار میں موجود دوسرے لوگوں کی آنکھیں بھی نمناک ہوگئیں۔ اس نے کہا: "تمھارا نبیؐ سچا اور عالیشان ہے۔ تم جب تک چاہو میرے پاس قیام کرو۔ تمھیں کوئی نہیں نکال سکتا۔"

مسلمانوں میں سے ایک آدمی جو ہجرت کر کے حبشہ آیا تھا اسلام چھوڑ کر عیسائیت میں داخل ہوگیا۔ اسکا نام عبیداللہ بن جحش تھا اور وہ ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہؓ کا شوہر تھا۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے عبیداللہ کو حنیف سمجھا جاتا تھا کیونکہ اس نے اپنی زندگی سچائی کی تلاش میں گزار دی تھی۔ سچائی پانے کی غلط فہمی میں اس نے اسلام کو چھوڑا اور عیسائیت قبول کر لی۔ حالانکہ حبشہ جانے سے پہلے وہ اسلام قبول کر چکا تھا۔

جب قریش نے دیکھا کہ مسلمان ان کے ہاتھوں سے بچ کر حبشہ میں پرسکون زندگی بسر کرنے لگے ہیں تو انہوں نے مکہ میں رہنے والے باقی ماندہ مسلمانوں کی زندگیاں اجیرن کر دیں۔ ابوجہل انفرادی طور پر مسلمانوں سے ملتا۔ اگر کسی مسلمان کا تعلق اعلیٰ خاندان سے ہوتا تو وہ اسے اپنے باپ دادا کا مذہب اور روایات چھوڑنے کا مجرم قرار دیتا۔ خانہ کعبہ میں پڑے ہوئے تین بڑے بڑے بت لات، مناۃ اور عزیٰ مکہ والوں کی نظروں میں بڑی عزت و تکریم رکھتے تھے۔ ابوجہل ان لوگوں سے کہتا کہ وہ اپنے ان بتوں کو کیسے چھوڑ رہے ہیں؟ اگر کوئی مسلمان تاجر یا بیوپاری ہوتا تو ابوجہل اسے ہر طرح کی کاروباری مراعات اور دوسری سہولتوں سے محروم کرنے کی دھمکی دیتا۔ تاجروں کو اچھی طرح پتہ تھا کہ اس طرح کی دھمکی ان کی تجارت پر کس حد تک اثر انداز ہوسکتی ہے۔ اس طرح ان دھمکیوں کی وجہ سے کچھ ایسے مسلمان جو اتنے ثابت قدم نہیں تھے اصل راستے سے بھٹک گئے۔

اگر کسی مسلمان کا تعلق عامۃ الناس سے ہوتا تو ابوجہل اسے بری طرح پیٹتا۔ ابوجہل کی پیدا کردہ اس صورت حال سے مکہ والے بہت خوفزدہ تھے اور جو کوئی اسلام قبول کرنا چاہتا تھا اسلام سے گریز کرنے لگا۔ مکہ والوں میں سے صرف ایک آدمی اتنا ثابت قدم رہا جس نے ہر طرح کی

marfat.com

دھمکی کے باوجود حضور ﷺ سے لاتعلقی اختیار نہ کی۔ اور یہ حضرت ابو بکرؓ صدیق کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔قریش نے مسلمانوں سے ہر طرح کا لین دین بند کر دیا اور خرید و فروخت ترک کر دی۔ انہوں نے مسلمان قرض خواہوں کے ادھار دینے سے بھی انکار کر دیا۔ان تمام سختیوں کے باوجود حضرت ابو بکرؓ صدیق کی حضور ﷺ سے وفاداری میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔آپؓ نے بلا حیل و حجت اپنی ہر طرح کی املاک اسلام کے نام کر دیں۔یہاں تک کہ حبشہ جانے والے تمام مہاجروں کے اخراجات بھی آپؓ ہی نے برداشت کئے۔اسلام کے ابتدائی دور میں حضرت ابو بکرؓ ہی ایک تنہا خازن تھے۔تمام خزانے آمدنی کا ذریعہ ہوتے ہیں لیکن اسلام میں ایسی کوئی گنجائش نہیں تھی۔حضرت ابو بکرؓ نے اسلام کی راہ میں ہر طرح کے اخراجات برداشت کئے اور کبھی کسی واپسی کی توقع نہ رکھی۔دوسروں کے برعکس حضرت ابو بکرؓ نے حبشہ کی طرف ہجرت نہ فرمائی کیونکہ آپؓ حضور ﷺ کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔آپؓ ہمیشہ حضور ﷺ کے ساتھ رہتے اور کبھی انہیں تنہا نہ چھوڑتے۔ایک بار جب آپؓ کی زندگی شدید خطرے میں تھی حضور ﷺ نے آپؓ کو ہجرت کرنے کی نصیحت فرمائی۔اس وقت آپؓ غم واندوہ میں ڈوبے عرب کے جنوب میں واقع ملک یمن روانہ ہو گئے۔

قریش کو کسی طرح کی خبر ہونے دیئے بغیر وہ ایک ایسے علاقے میں پہنچے جہاں ایک بہت بڑا قبیلہ آباد تھا۔اس قبیلے کا سردار ابن دغنہ حضرت ابو بکرؓ کے اس طرح چوری چھپے مکہ چھوڑنے پر انتہائی حیران ہوا۔وہ حضرت ابو بکرؓ کو اچھی طرح جانتا تھا اس لئے پوچھنے لگا 'ابو بکرؓ! تم اپنے شہر سے بھاگ آئے ہو؟' حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ وہ ایک نیا مذہب اسلام قبول کر چکے ہیں۔قریش ان کی جان کے درپے ہیں اس لئے وہ اپنی زندگی بچانے کے لئے اس طرف بھاگ آئے ہیں۔ابن دغنہ کہنے لگا کہ وہ قریش کو بتا دے گا کہ ابو بکرؓ اس کی حفاظت میں ہیں اور وہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

یہ ایک پرانا رواج تھا جس کے مطابق کوئی قبیلہ کسی آدمی کو پناہ دیتا تھا۔اگر کوئی دوسرا آدمی ایسے پناہ یافتہ آدمی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا تو اسے تمام قبیلے سے ٹکر لینا پڑتی۔ابن دغنہ کا

marfat.com

قبیلہ ایک جنگ جو قبیلہ تھا اور مکہ کے قریب ہی آباد تھا۔ اس قبیلے کی دشمنی سے بچنے کے لئے قریش نے حضرت ابوبکرؓ کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد بنالی اور صبح شام انتہائی دل میں اتر جانے والی آواز سے قرآن کی تلاوت کرنے لگے۔ تاریخی طور پر حضرت ابوبکرؓ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن کو اونچی اور خوش الحان آواز میں تلاوت فرمایا۔ آپؓ سے پہلے بھی مسلمان قرآن کی تلاوت کرتے تھے لیکن قریش کے خوف کی وجہ سے دھیمی اور دبی ہوئی آواز میں۔

عربی مفکرین جانتے ہیں کہ اگرچہ قرآن کی آیات بظاہر شاعری نہیں ہیں لیکن بہت سی چھوٹی سورتیں جیسے سورۃ اخلاص، سورۃ علق، سورۃ مسد اور سورۃ کافرون ایسی سورتیں ہیں جو خوش الحانی اور خوش بیانی میں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ یہ تمام سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں اور کسی حد تک ان میں بحر اور وزن بھی ہے۔

کیونکہ مکہ میں نازل ہونے والی آیات انتہائی خوش اسلوب تھیں اس لئے جب حضرت ابوبکرؓ انہیں خوش الحانی سے تلاوت فرماتے تو گزرنے والے رکے اور آیات سنے بغیر آگے نہ بڑھ پاتے۔

کوئی بھی عرب اچھی شاعری اور اچھی خطابت کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔ ایک یورپی مفکر کولین ہورٹ لکھتا ہے کہ قدرت نے بدوؤں کو چار چیزوں سے نوازا ہے یعنی اونٹ، خیمہ، تلوار اور شاعری۔ کسی عرب کے لیے باوزن اور موزوں شاعری انتہائی اہمیت کی حامل ہے اور اگر ایسی شاعری مناسب طریقے سے گائی گئی ہو تو کسی عرب کو مسحور کیے بغیر نہیں رہتی۔

حدی عربوں کا ایک پیدائشی نغمہ ہے۔ اونٹوں کی پشتوں پر سوار جن عربوں نے پہلے پہل اس نغمے کو گایا انہوں نے اسے اونٹ کی حرکات سے اخذ کیا تھا۔ اگر کوئی صحرا میں اونٹ پر سوار جارہا ہو تو اونٹ کی لہر یئے دار جسمانی حرکات اسے تھکا دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کو اونٹ کی سواری کا علم نہیں ہوتا وہ متلی اور قے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اونٹ کی یہ حرکات سمندر میں کشتی کی حرکات سے ملتی جلتی ہیں جو سمندری بیماری کا سبب بنتی ہے۔ عرب اونٹ کی حرکات سے ہم آہنگ

marfat.com

شعر گنگنانے کے عادی تھے۔ایسی ہی کسی صورت حال میں عربی نغمے حدی کی دھن تیار ہوگئی۔شروع شروع میں یہ گنگنانا تھکاوٹ کوکم کرنے میں مدد دیتا تھا۔بعد میں عربوں نے محسوس کیا کہ ان کے اونٹ بھی شعروں کی اس دھن کو پسند کرتے ہیں اور اسے سن کر زیادہ خوبصورتی اور تناسب سے چلنے لگتے ہیں۔آج کے میکانکی دور میں بھی اونٹ اس دھن کو سن کر اتنا ہی مسحور ہوتے ہیں جتنا چودہ سو سال پہلے ہوا کرتے تھے۔

تاریکی چھاتے اور خاموشی بڑھتے ہی حضرت ابوبکرؓ قرآن کی آیات تلاوت کرنا شروع کر دیتے۔آپؓ کی تلاوت نے بہت سے لوگوں کو آپؓ کی طرف مائل کر لیا۔وہ آیات کی خوبصورتی سے جھوم جھوم جاتے۔جب قریش نے یہ دیکھا تو انہوں نے ابن دغنہ کو ایک پیغام بھیجا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کو اونچی آواز میں تلاوت کرنے سے روکے۔ان کا خیال تھا کہ اس طرح کی بڑی بڑی محفلیں مکہ میں صورتحال کو خراب کرنے کا سبب بن سکتی ہیں۔قریش والوں کے تحائف قبول کر کے ابن دغنہ نے حضرت ابوبکرؓ کو پیغام بھیجا کہ اگر انہوں نے اسی طرح تلاوت کرنا جاری رکھا تو ان سے حقوقِ جوار واپس لے لئے جائیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ وہ کسی طرح بھی اپنے مذہب اور قرآن کی تلاوت کو چھوڑ نہیں سکتے۔اگر انہیں نکالا گیا تو وہ حضورﷺ کی طرح اپنے آپ کو اللہ کے رحم وکرم پر چھوڑ دیں گے۔

marfat.com

سماجی مقاطعہ اور شعب ابی طالب میں نظر بندی

ورقہ بن نوفل نے ایک بار حضورﷺ سے کہا تھا' کاش جب تمھارے قبیلے والے تمھاری مخالفت کریں اور تمھیں ہجرت پر مجبور کردیں تو تمھاری مدد کرنے کے لئے میں زندہ رہوں۔ اس نے یہ پیش گوئی ۶۱۰ء میں کی تھی۔ ۶۱۶ء میں یہ پیش گوئی سچ ثابت ہوئی اور جیسا کہ خدشہ تھا ورقہ بن نوفل حضورﷺ کی مدد کرنے کے لئے اس دنیا میں باقی نہیں تھا۔

تاریخ میں آج تک جتنے لوگوں نے بھی معاشرے کی بہتری اور اصلاح کے لئے کوئی قاعدہ قانون پیش کیا انہیں یا تو شہر بدر ہونا پڑا یا قید یا قتل یا زندہ جل جانا پڑا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نا صرف صدیوں پرانے رسوم اور استحصال کا انکار کیا بلکہ ان لوگوں کو بھی جھٹلایا جو ان کاموں میں ملوث تھے۔ لوگ ایسی شخصیات کو اپنی بقاء کے لئے ہمیشہ خطرہ سمجھتے آئے ہیں۔ اس لئے ان کی مخالفت بھی کرتے رہے ہیں۔

جب قریش نے دیکھا کہ حبشہ کا بادشاہ ان مسلمانوں کو واپس کرنے پر تیار نہیں جو اس کے ملک میں پناہ لے چکے ہیں اور حضورﷺ کی شہرت بھی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے تو انہوں نے حضورﷺ اور آپؐ کے ماننے والوں کو شہر بدر کرنے اور خود کو ہمیشہ کے لئے اسلام سے محفوظ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے سماجی اور معاشی مقاطعہ کا ایک مکمل منصوبہ تیار کیا جس کے تحت مسلمانوں پر بے شمار پابندیاں عائد کی جانے والی تھیں۔

حضرت عمرؓ کو یہ کسی طرح بھی گوارا نہیں تھا کہ قریش اپنے بتوں کی پوجا کھلم کھلا کرتے رہیں اور مسلمان اپنے اللہ کی عبادت چھپ چھپا کر کریں۔ قریش نے تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ حضورﷺ

marfat.com

کو یہ تصور کرنے کا موقع نہیں دیں گے کہ آپؐ انہیں شکست دے چکے ہیں۔ابوجہل کی تجویز کے مطابق انہوں نے فیصلہ کیا کہ سب سے بہتر یہی ہے کہ بنو ہاشم کو کسی جگہ محصور کر دیا جائے۔ابو لہب کے علاوہ دوسرے تمام لوگوں نے اپنے اپنے رشتہ داروں کو چاہے وہ حضورﷺ کو نبیؐ مانتے تھے یا نہیں بچانے کی کوشش کی۔ان لوگوں کو مسلمانوں کی اس اعانت سے روکنے کے لئے ایک دستاویز لکھی گئی جس پر قریش کے کم وبیش چالیس سرداروں نے مہر لگائی۔

قریش نے یہ اطلاع نامہ یا صحیفہ جیسا کہ عرب کہا کرتے تھے خانہ کعبہ کی دیوار پر لٹکا دیا اور لوگوں کو مسلمانوں سے مکمل مقاطعہ کی ہدایت کی۔صحیفہ ایک فیصلے، حکم یا اعلان کی تحریر شدہ شکل کا نام تھا۔یہ احکام کچھ اس طرح لکھے تھے: 'مکہ کے کسی شہری کو مسلمان سے بات کرنے کی اجازت نہیں۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔مکہ والوں کو مسلمانوں سے ہاتھ ملانا اور انہیں چھونا منع ہے۔اگر وہ ایسا کریں گے تو ناپاک قرار دیئے جائیں گے۔مکہ والوں کو مسلمانوں سے کسی لین دین کی کوئی اجازت نہیں۔مکہ والے نہ تو کسی مسلمان کو لڑکی کا رشتہ دیں گے اور نہ اس سے لیں گے۔اگر کسی نے مسلمان کے پیسے دینے ہوں تو اسے ان کی ادائیگی کی کوئی ضرورت نہیں۔یہ احکامات اس وقت تک موثر ہیں جب تک محمدؐ اپنا مذہب چھوڑ نہیں دیتا یا بنو ہاشم اس سے اپنی مدد اٹھا نہیں لیتے۔'

۶۱۶ء میں حضورﷺ کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مکہ سے نکال دیا گیا۔بنو ہاشم ابھی تک آپؐ کی سرپرستی کر رہے تھے اس لئے وہ بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مکہ سے نکل آئے۔ حالانکہ ان میں بشمول حضورﷺ کے چچا حضرت ابو طالب کے، کچھ لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔حضرت ابو طالب کی غیرت انہیں اپنے بھتیجے کو چھوڑنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔صرف بنو ہاشم میں سے ابولہب ایسا شخص تھا جو ان کا طرف دار نہیں تھا۔حضورﷺ حضرت ابو طالب کی گھاٹی میں منتقل ہو گئے۔

شعب کا مطلب کسی پہاڑ یا چٹان میں واقع کوئی شگاف ہے۔تاہم قدرتی طور پر پہاڑوں کے اندر وادی یا درے کو بھی شعب کہا جاتا ہے۔

قریش کے دس قبیلوں کی اپنی اپنی شعب تھیں۔جب کبھی کسی شخص یا قبیلے کو کسی دوسرے

marfat.com

قریش قبیلے سے پناہ کی ضرورت ہوتی تو وہ اپنی مخصوص گھاٹی میں چلے جاتا۔ عرب کسی پناہ گزین قبیلے یا آدمی کو اپنا آدمی نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے کسی اجنبی کو گھاٹی میں محصور نہیں کیا جاتا تھا اور نہ ہی وہ ان محصورین کے ساتھ رہنے کا مجاز سمجھا جاتا تھا۔

قبائلی زندگی میں خیمے کچھ اس طرح سے نصب کئے جاتے ہیں کہ سردار کے خیمے کا انداز بڑی دور سے لگایا جا سکتا ہے۔ سردار کا خیمہ ہمیشہ درمیان میں نصب کیا جاتا ہے۔ اس کے دائیں اور بائیں طرف اس کے بیٹوں کے خیمے لگائے جاتے ہیں اور ان کے ساتھ سردار کے بھائیوں، بیٹیوں اور دامادوں کے خیمے۔ کسی کا سردار سے جتنا دور کا تعلق ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ اس کا خیمہ سردار کے خیمے سے دور لگایا جاتا ہے۔

شعب ابی طالب اجنبیوں اور ضرورت مندوں کو پناہ دینے کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ خود ابو طالب اور قبیلے کے کسی آدمی نے اسے استعمال نہیں کیا تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی جگہ تھی جس میں زیادہ آدمی نہیں سما سکتے تھے اور ارد گرد کوئی سایہ دار جگہ بھی نہیں تھی۔ اس شعب کے چاروں طرف یا تو ریت کے ٹیلے تھے یا تنگ و تاریک درے۔

حضور ﷺ کے زمانہ میں مکہ کی سرزمین ریت کے ٹیلوں اور تنور کی طرح دہکتی ہوئی پہاڑیوں میں گھری ہوئی تھی۔ نہ کوئی درخت تھا نہ گھاس نہ پرندے۔ اگرچہ آج کل صورتحال مختلف ہے لیکن شہر سے کچھ فاصلے پر آج بھی چٹیل پہاڑ اور ریت کے ٹیلے جو حضور ﷺ کے زمانے میں موجود تھے واقع ہیں۔

جب محمدؐ اور اسکے پیروکاروں نے مکہ چھوڑا تو وہ کچھ زیادہ خوراک اپنے ساتھ نہ لا سکے۔ سماجی اور معاشی طور پر ان سے قطع تعلق کر لیا گیا تھا۔ یہ پناہ گاہ تجارتی قافلوں سے بھی دور تھی۔ انہیں اپنی بقاء کے لئے سخت ترین مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے قربانی کے جانوروں کی کھالیں ابال کر کھائیں۔ صرف چار مقدس مہینوں میں انہیں شہر آنے اور خوراک خریدنے کی اجازت ہوتی تھی۔ وہ سال بھر کا گزارہ چلانے کے لئے کھالیں اور سامان اکٹھا کر کے لے جاتے۔

marfat.com

اس مقاطعہ کے دوران حضرت خدیجہؓ کا ایک بھانجا مکہ والوں سے چھپ چھپا کر ایک دن اپنی خالہ کے لئے کچھ کھانا لے آیا۔ نگرانی پر مامور قریش کے آدمیوں نے اس کا پیچھا کیا۔ سارا کھانا چھین لیا اور اسے بری طرح پیٹا۔

کچھ مسلمان مورخین نے حضورﷺ کی عزت وتکریم کا لحاظ کرتے ہوئے یا تو شہر بدری کے اس دور کو پوری طرح حذف کر دیا ہے یا اتنی زیادہ تفصیل سے بیان نہیں کیا۔ ان کا خیال ہے کہ اگر اس دور کو تفصیل سے بیان کیا جائے تو یہ حضورﷺ کی شان میں گستاخی کے مترادف ہے۔

اگر یہ بات ہے تو آدمی کو یہ بھی محسوس کرنا چاہیے کہ یہی وہ تین سالہ دور ہے جس نے حضورﷺ کی آنے والی زندگی پر انمٹ نقوش چھوڑے۔ آپؐ نے اس شہر بدری کی تمام تکالیف اور سختیاں انتہائی حوصلے اور عزم سے برداشت کیں۔ جہاں مکہ والے اس نئے مذہب کا نام ونشان مٹانے کا سوچ رہے تھے وہاں شعب ابی طالب میں محصوران لوگوں میں ایک نیا ولولہ اور جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس شہر بدری کے نتیجہ میں حضورﷺ کو دو انتہائی پیاری ہستیوں حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوطالب سے محروم ہونا پڑا جن کا انتقال پر ملال اس دور کے خاتمہ کے بعد چھ مہینے کے اندر اندر پیش آیا۔

حضرت ابوطالب حضورﷺ کی نبوت کے قائل تھے اس لئے انہوں نے قریش کے مطالبوں کے سامنے سر نہ جھکایا یہاں تک کہ بھوک پیاس اور بے سروسامانی کی حالت میں تین سال بسر کر دیئے۔ اسی عرصے میں حضورﷺ کی پچیس سال پرانی رفیقہ حیات حضرت خدیجہؓ انتقال فرما گئیں۔ اس وقت خود آپؐ کی عمر پچاس سال تھی۔ حضرت خدیجہؓ نہ صرف آپؐ کی بیوی بلکہ سب سے بڑی مشیر بھی تھیں۔ وہ ہمیشہ آپؐ کو صلاح مشورہ دیتیں اور بہترین تجاویز سے مدد فرماتیں۔ حضورﷺ ان کی تجاویز پر انتہائی سنجیدگی سے عمل کیا کرتے۔ وہ پہلی خاتون تھیں جنہوں نے آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا اور طبقہ امراء سے مختلف جو زیادہ تر مذہب سے بے بہرہ ہوتے ہیں انہوں نے اپنی ساری دولت اسلام کی راہ میں خرچ کر دی۔ حضرت خدیجہؓ شہر بدری کے دوران بیمار پڑ گئیں جہاں انہیں کسی قسم کے علاج معالجہ اور خوراک کی سہولت میسر نہیں تھی۔ آپؓ ۶۱۹ء

marfat.com

میں وصال فرما گئیں۔ اسی نسبت سے اس سال کو عام طور پر عام الحزن یعنی غم کا سال کہا جاتا ہے۔ وصال کے وقت آپؓ کی عمر پینسٹھ برس تھی۔

حضورﷺ دو دن تک آپؓ کے غم میں آنسو بہاتے رہے۔ جب بھی آپ کو حضرت خدیجہؓ کی یاد آتی آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے۔ اگرچہ حضرت خدیجہؓ اور حضورﷺ کی عمروں میں کافی فرق تھا اس کے باوجود شادی کے پہلے دن سے لے کر آخری دن تک آپ دونوں میں کوئی اختلاف پیدا نہ ہوا۔ آپ دونوں ایک دوسرے کا انتہائی احترام کیا کرتے تھے۔

اس وقت خیمے میں کوئی کفن موجود نہیں تھا اس لئے انہیں ان کی اوڑھنی جسے سوقہ کہا جاتا ہے میں لپیٹ کر لحد میں اتارا گیا۔

آپؓ انتہائی مخلص اور جانثار مسلمان تھیں۔ آپؓ کی مالی امداد نے اسلام کی اشاعت میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ آپؓ ہر مشکل میں حضورﷺ کے ساتھ ہوتی تھیں۔

اس عظیم صدمے سے دو مہینے پہلے مسلمان ایک اور بہت بڑے صدمے سے دوچار ہو چکے تھے۔ حضورﷺ کے چچا حضرت ابو طالب چھیاسی سال کی عمر پا کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تھے۔

جب ابولہب کو اپنے بھائی کے بستر مرگ پر ہونے کی خبر پہنچی تو وہ ان کے پاس گیا اور سرہانے کھڑے ہو کر کہنے لگا 'میرے بھائی قسم کھاؤ کہ تو نے محمدؐ کا مذہب قبول نہیں کیا اور اس دنیا سے اپنے باپ دادا کے مذہب پر رخصت ہو رہے ہو۔'

اپنی آخری سانسوں میں حضرت ابو طالب نے قسم کھائی کہ وہ اپنے باپ دادا کے مذہب پر ہی دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔

حضرت خدیجہؓ کا خلوص اور ایثار اتنے حیران کن نہیں ہیں کیونکہ حضورﷺ ان کے شوہر بھی تھے اور نبی بھی۔ قابل ستائش اور حیران کن قربانیاں اور خلوص تو آپؐ کے چچا کا ہے۔ انہوں نے نہ تو اپنے بھتیجے کو جھٹلایا اور نہ کھل کر اظہار اسلام کیا لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی ساری

marfat.com

زندگی عصبیت یعنی قبائلی وفاداری کے حوالے سے اپنے فرائض انجام دینے میں بسر کر دی۔

عصبیت قبائلی کنایہ کی ایک قسم ہے۔ یہ جذبہ عربوں پر اس قدر غالب تھا کہ ابو طالب جیسا سردار اپنی ضیف العمری کے باوجود زندگی کا سکون و اطمینان چھوڑ کر ایک ایسے شخص کے لئے گھاٹی میں محصور ہو گیا جس پر اسے یقین بھی نہیں تھا۔ اسے اس بات کو یقینی بنانا پڑا کہ اس کے قبیلے والوں میں سے کوئی بھی بے یار و مددگار باقی نہ رہے۔ حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد بنو ہاشم کو نیا سردار چننے کی ضرورت پیش آئی اور رواج کے مطابق حضرت ابو طالب کے بھائی ابولہب کو یہ عہدہ سنبھالنا پڑا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ اپنے بھائی کے برعکس ابولہب اسلام اور حضور ﷺ کا بدترین دشمن تھا۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب پر یہ پابندی تین سال تک عائد رہی۔ اس کے باوجود مطلوبہ نتائج حاصل ہوتے ہوئے دکھائی نہ دیئے۔ ایک نئے ذہنی رویئے کے جگہ لینے کا وقت آ چکا تھا اور اس سلسلے میں سب سے پہلا آدمی ہشام بن عمرو تھا جس نے ہاشمیوں کے لئے کئی بار خوراک اور کپڑوں سے بھرے ہوئے اونٹ بھیجے تھے۔ ایک اور آدمی جس کا نام زہیر تھا اس کے ساتھ مل گیا۔

ایک دن علی الصبح وہ مسجد میں جمع لوگوں سے آ ملے اور زہیر جس نے ایک لمبا چغہ پہنا ہوا تھا نے خانہ کعبہ کے گرد سات بار طواف کیا۔ پھر وہ لوگوں کے اس اجتماع کی طرف منہ کر کے بولا 'لوگو! کیا یہ ٹھیک ہے کہ ہم کھانا کھائیں، کپڑے پہنیں اور ہاشم کے بیٹے بھوکے پیاسے مرتے رہیں؟ کیا وہ کچھ خریدنے یا بیچنے کے قابل ہیں؟ خدا کی قسم جب تک یہ دستاویز اتار نہیں دی جاتی میں اپنی جگہ پر نہیں بیٹھوں گا۔' ابو جہل جو ایک کونے میں بیٹھا تھا کہنے لگا 'تم جھوٹ بولتے ہو۔'

'تم سچ بولتے ہو۔' زمعہ نے کہا۔ 'ہم تو پہلے ہی اس کے لکھے جانے کے حق میں نہیں تھے۔'

'زمعہ ٹھیک کہتا ہے' ابوالبختاری نے کہا۔ 'ہم بالکل اس کے حق میں نہیں اور نہ اس کے پابند ہیں۔'

مطعم نے کہا 'تم دونوں ٹھیک کہتے ہو اور جو اس کا انکار کرتا ہے جھوٹا ہے۔'

مطعم یہ دستاویز لینے کے لئے خانہ کعبہ کے اندر چلا گیا۔ وہ انتہائی خوش ہو کر ایک گلا سڑا

marfat.com

شعب ابی طالب کا ایک منظر جہاں حضورؐ نے سماجی مقاطعہ کے تین سال بسر کیے۔

marfat.com

ٹکڑا لئے باہر آیا۔ سوائے بسم اللہ کے ابتدائی چند لفظوں کے ساری دستاویز دیمک کھا چکا تھا۔ یہ مقاطعہ اپنے آپ ختم ہو چکا تھا اور قریش یہ خبر دینے کے لئے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے پاس دوڑے گئے۔

ولید اور دوسرے سرداروں نے یہ تجویز پیش کی کہ انہیں اپنے باپ دادا اور حضور ﷺ دونوں کے مذاہب کو ماننا چاہئے۔ چھ آیات کی سورت نے جو اسی وقت آسمان سے نازل ہوئی حضور ﷺ کو اس تجویز کے خود سے رد کرنے کی مشکل سے بچا لیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آپ (ان کافروں سے) کہہ دیجیئے کہ اے کافرو! (میرا اور تمھارا طریقہ متحد نہیں ہو سکتا اور) نہ (تو فی الحال) میں تمھارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو۔ اور نہ (آئندہ استقبال میں) میں تمھارے معبودوں کی پرستش کروں گا۔ اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرو گے۔ تم کو تمھارا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا۔

سورۃ کافرون ۶-۱:۱۰۹

حضرت جعفرؓ اور عبیداللہ بن جحش کے علاوہ حضور ﷺ کے تمام رشتہ دار واپس آ گئے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ بھی ان میں شامل تھے۔

جب مکہ والوں نے دیکھا کہ کعبہ کی دیوار سے لگی ہوئی حضور ﷺ سے مقاطعہ کی تحریر دیمک چٹ کر چکا ہے تو وہ ایک انجانے خطرے سے ڈرنے لگے۔ اتفاق کی بات ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابوطالب کے وصال اور ابولہب کے سردار بننے کے کچھ ہی دنوں بعد پیش آیا۔ قریش ان واقعات کی لڑی سے بہت خوفزدہ تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو واپس بلانے کی تجویز پیش کی جسے ابولہب نے قبول کر لیا۔ اس طرح مسلمان تین سال بعد اپنے آبائی شہر واپس آ گئے۔ اس عرصے کے دوران مسلمانوں کو بے شمار معاشی نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے زیادہ تر کاروبار تباہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ حضرت ابوبکرؓ جیسے امیر آدمی کے پاس بھی صرف پانچ ہزار درہم باقی تھے۔

marfat.com

جب ابولہب سے مسلمانوں کو واپس آنے کی غیر متوقع اجازت کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ سردار ہونے کے ساتھ ساتھ اسے اپنے قبیلے کی سرپرستی کے فرائض بھی انجام دینے ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ حضورﷺ قبائلی قوانین کی پابندی کریں گے کیونکہ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو انہیں قبیلے سے نکال دیا جائے گا۔ وہ ابو طالب نہیں تھا جو اپنے قبیلے کے ہاتھوں گھائی میں محصور ہو جاتا اور مسلمانوں کے لئے سختیاں اور تکلیفیں برداشت کرتا۔

اس طرح ابولہب نے حضورﷺ کو معاشرتی زندگی سے بے دخل کر کے پوری طرح بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ اب نہ حضرت خدیجہؓ تھیں نہ حضرت ابو طالب جو انہیں تسلی و تشفی دیتے۔ حضورﷺ کو صرف اور صرف اللہ پر بھروسہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نا صرف آپ کی مدد و اعانت کی بلکہ آپ کو آسمانوں پر مدعو کیا۔ یہ حضورﷺ کا رتبہ کمال تھا۔ ہم مسلمان اس واقعہ کو معراج کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

marfat.com

سفر طائف اور اسکے مصائب

اسی سال ۶۱۹ء میں حضور ﷺ اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ مکہ سے باہر تبلیغ اسلام کے لئے طائف روانہ ہوئے۔

طائف مکہ کے جنوب میں ایک سرسبز و شاداب شہر تھا۔ مکہ سے طائف جانے میں گھوڑے پر ایک دن اور اونٹ پر دو دن کا سفر پیش آتا تھا۔ چونکہ طائف سطح سمندر سے اٹھارہ سو میٹر بلند واقع ہے اس لئے وہاں پانی اور بارش کی بہتات ہے۔ ان دنوں طائف میں زیادہ تر امراء کے اپنے باغات ہوتے تھے۔

آج بھی طائف پہنچ کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کسی نئی دنیا میں آ گئے ہوں۔ طائف کے رہنے والے انتہائی امیر تھے اور ان کا اصل پیشہ ربا یعنی سود خوری تھا۔ وہ اپنے قرضوں پر سو فیصد سود وصول کرتے تھے اور ان میں کچھ امراء کی تو غلاموں پر مشتمل اپنی فوجیں تھیں جنہیں وہ کاشت کاری میں بھی استعمال کرتے تھے۔

وہ گندم کی روٹی کھاتے تھے۔ عربوں کی سب سے اچھی خوراک دودھ ہے۔ ایک بدو کسی اونٹنی کا ایک گھونٹ دودھ پی کر یہ بتا دیتا ہے کہ اس کی عمر کتنی ہے۔ وہ یہ بھی بتا دیتا ہے کہ کن جھاڑیوں اور پودوں پر اس کی پرورش ہوئی ہے۔ جو گھاس ایک جگہ اگتی ہے ہو سکتا ہے دوسری جگہ وہ موجود نہ ہو۔ بدو جڑی بوٹیوں اور پودوں کی اقسام کے بارے میں بہت ماہر ہیں۔

طائف کے لوگ اچھے خاصے امیر تھے۔ ان کے پاس علم حاصل کرنے، ہنر سیکھنے اور ایسے ہی دوسرے کاموں کے لئے کافی وقت تھا۔ عرب کے شمالی حصے کا ایک مشہور طبیب طائف میں ہی مقیم تھا۔ اس کا نام حارث بن کلادہ تھا۔ ایک مشہور مورخ ابن خلکان لکھتا ہے کہ اس طبیب نے سارا علم اہل فارس سے حاصل کیا تھا۔ ان دنوں طب کے علم میں اہل فارس بہت مشہور تھے اور زیادہ تر طبیبوں کا تعلق ایران سے ہی تھا۔

marfat.com

مشہور منجم عمرو بن امیہ بھی طائف سے تعلق رکھتا تھا۔عربی میں طائف کا مطلب دیوار یا حد ہے۔اور طائف وہ واحد شہر تھا جس کے اردگرد ایک فصیل واقع تھی۔اس فصیل کو چند فارسی معماروں نے تعمیر کیا تھا۔کہا جاتا ہے کہ طائف کے ایک شہری نے شاہ فارس کی کوئی بہت بڑی خدمت کی جس کے نتیجے میں اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ وہ وعاج نامی شہر کے گرد فصیل تعمیر کرنے کے لئے کچھ معمار بھیجے۔وعاج طائف کا پرانا نام ہے۔

شہر کے اندر ایک سنگلاخ چٹان پر عرب کے تین بتوں میں سے ایک اللات نصب تھا۔یہ چٹان اور اس کے اردگرد کا علاقہ انتہائی متبرک سمجھا جاتا تھا۔جو کوئی اس میں داخل ہوتا چاہے وہ قاتل ہوتا یا زانی اسے بت کی پناہ میں سمجھا جاتا تھا۔

طائف پہنچ کر حضورﷺ اپنے ایک رشتہ دار ابو لیلیل کے گھر آئے۔ابو لیلیل نے جسے حضورﷺ کے قبیلہ بدر ہونے کی اطلاع تھی حضورﷺ کو ملنے سے انکار کر دیا۔بلکہ اس نے اپنے نوکروں کو کہا کہ وہ حضورﷺ پر پتھر برسائیں۔جب نوکروں نے حضورﷺ پر پتھر پھینکے تو وہ وہاں سے بچ کر ایک باغیچہ میں آبیٹھے۔

یہ باغیچہ مکہ کے رہنے والے دو آدمیوں کا تھا۔وہ حضورﷺ کو پناہ نہیں دینا چاہتے تھے۔آپؐ کے بہتے ہوئے خون کو دیکھ کر انہیں ترس آیا اور انہوں نے اپنے غلام کو کچھ انگور لانے کے لئے کہا۔غلام نے جو ایک عیسائی تھا انگوروں کا ایک گچھا توڑا اور حضورﷺ کو پیش کر دیا۔حضورﷺ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی اور انگور کھانے شروع کر دیئے۔وہ غلام حیران رہ گیا۔اس نے حضورﷺ سے پوچھا 'اے بیچارے! تم عیسائی تو نہیں ہو؟' حضورﷺ نے انکار میں سر ہلا دیا۔اس غلام نے کہا کہ یہ الفاظ تو عیسائی بھی کھانے سے پہلے ادا کرتے ہیں۔پھر اس نے پوچھا کہ آپؐ نے یہ الفاظ کیوں ادا کئے ہیں۔

حضورﷺ نے جواب دیا کہ وہ اللہ کے رسولؐ ہیں اور یہ کہ اللہ صرف ایک ہے۔یہ پیغام پہنچانے پر لوگوں نے آپؐ پر پتھر برسائے ہیں۔وہ عیسائی غلام جس کا نام عدس تھا کہنے لگا کہ وہ بھی ایک ہی خدا کی عبادت کرتا ہے۔اس کا اور حضورﷺ کا ایک خوشگوار سا تعلق بن گیا۔اس نے

marfat.com

حضور ﷺ کو بتایا کہ یہ باغیچہ ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کا ہے۔ دونوں کا تعلق قبیلہ قریش سے ہے۔اس نے یہ بھی بتایا کہ اگر چہ انہوں نے حضور ﷺ کو انگور پیش کیئے ہیں لیکن وہ انہیں پناہ نہیں دیں گے۔حضور ﷺ کی مدد کا اس کے پاس صرف ایک راستہ ہے کہ وہ آپ کو محفوظ مقام سے گزارتے ہوئے طائف سے باہر لے جائے۔

عدس نے اپنی بات پوری کر دکھائی اور حضور ﷺ مکہ واپس آنے لگے۔جب طائف کی گلیاں بہت پیچھے رہ گئیں تو حضور ﷺ کا جسم درد کرنے لگا۔آپ بھوکے اور پیاسے تھے۔آپؐ نے دعا کی'اے اللہ! میں اپنی کمزوری، اپنی بے چارگی اور لوگوں کے سامنے اپنی ہزیمت کی بات صرف تمھیں سے کرتا ہوں۔اے رحم کرنے والوں کے رحم کرنے والے! تمہی کمزوروں کے مالک ہو'۔

اس کے بعد حضور ﷺ ایک ایسی جگہ آئے جس کا نام نخلستان تھا۔رات کا وقت تھا اور دنیا خاموشی میں ڈوبی پڑی تھی۔حضور ﷺ نے قرآنی آیات کی انتہائی دلگداز انداز میں تلاوت کرنا شروع کر دی۔آیات اس قدر پراثر تھیں کہ قریب ہی رہنے والے جنوں کے ایک گروہ نے اسلام قبول کر لیا۔قرآن شریف اس واقعے کو مندرجہ ذیل آیت میں بیان کرتا ہے:

> اور جبکہ ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آئے جو قرآن سننے لگے تھے غرض جب وہ لوگ قرآن کے پاس آپہنچے کہنے لگے کہ خاموش رہو پھر جب قرآن پڑھا جاچکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس خبر پہنچانے کے واسطے واپس گئے۔

سورۃ احقاف ۴۶:۲۹

جنوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو رات یا دن کو نظر نہیں آتے۔عرب میں ایسا اکثر ہوتا تھا کہ ایک جگہ پر ٹھہرے ہوئے دو گروہ چاہے وہ چند قدموں کے فاصلے پر ہوں ایک دوسرے کی نظروں سے اوجھل رہتے تھے۔اس کی وجہ رات کی تاریکی، ہوا کا گردوغبار یا ڈھلوان ریت کے ٹیلے جو سامنے کے منظر کو نظروں سے اوجھل کر دیتے تھے کوئی بھی ہو سکتی تھی۔ایسے لوگوں کو ایک دوسرے کی موجودگی کا احساس یا تو کتوں کے بھونکنے سے ہوتا تھا یا اونٹوں کی گھنٹیوں کے بجنے سے اور یا ایک

marfat.com

دوسرے کی جلائی ہوئی آگ سے۔

عربی میں جن کا مطلب کوئی غیر مرئی چیز ہے۔یہی وجہ ہے کہ ماں کے پیٹ میں موجود بچے کو جن یا جنین کہتے ہیں۔اسی سے لفظ جینیٹکس نکلا لگتا ہے۔لفظ جن ایک اور حوالے سے بھی استعمال ہوتا ہے یعنی نامعلوم کے خوف یا ڈر کے حوالے سے۔عرب اس لفظ کو محبت یا شفقت یعنی انس کے متضاد کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں۔اس لئے انس کا مطلب ایک دوسرے کو پہچاننا یا محبت ہے۔جبکہ جن کا مطلب ایک دوسرے کو نہ پہچاننا یا بیگانگی ہے۔شہروں میں رہنے والے کیونکہ ایک دوسرے سے آگاہ ہوتے ہیں اس لئے انہیں انس کہا جاتا ہے۔جبکہ صحراؤں میں رہنے والوں کو جن کہا جاتا ہے۔یہاں یہ ذکر کرنا انتہائی اہم ہے کہ مندرجہ بالا وضاحت ،قرآنی آیات جن کے مطابق جن ایک ایسی مخلوق ہیں جنہیں آگ سے پیدا کیا گیا ہے، کے خلاف نہیں جاتی۔یہ جن اللہ کی ایک علیحدہ مخلوق ہیں جنہیں قرآن نے اس نام سے بلایا ہے تاکہ بدو بآسانی سمجھ سکیں۔آج کا ترقی یافتہ علم بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ زمین کی بہت سی چیزیں آگ سے وجود میں آئیں اور یہ کہ یہ زمین بھی آگ کا ایک گولہ تھی جسے موجودہ شکل میں آنے کے لئے چار سو پچاس ہزار ملین سال لگے۔

کچھ دیر بعد حضورﷺ مکہ پہنچ گئے۔دس سال پہلے تک آپؐ اس شہر میں ایک پرسکون زندگی بسر کر رہے تھے۔آپؐ کے کپڑے صاف ستھرے اور کھانے کے لئے وافر خوراک اور پینے کے لئے اچھا پانی موجود ہوتا تھا۔دس سالہ دور نبوت میں وہ ایک زخمی بھوکے پیاسے اور مظلوم انسان بن کر رہ گئے تھے۔یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضورﷺ کو جب اس بات کا علم تھا کہ قریش ان کا پیغام نہیں سنیں گے تو وہ مکہ واپس تشریف کیوں لائے۔اس کا جواب یہ ہے کہ قبیلے کے بغیر زندگی گزارنا ناممکن تھا۔ایسا صرف اسی صورت میں ممکن تھا جب کوئی دوسرا قبیلہ تحفظ فراہم کرے۔حضورﷺ اللہ کے حکم سے طائف گئے تھے۔جب آپؐ وہاں پہنچے تو آپ کو معلوم ہوا کہ طائف مسلمانوں کو پناہ نہیں دے سکتا تھا اس لئے وہ مسلمانوں کے لئے کوئی اور راستہ ڈھونڈنے مکہ واپس تشریف لے آئے۔

marfat.com

کیونکہ آپؐ کو کسی قبائلی آسرے کی انتہائی زیادہ ضرورت تھی اس لئے آپؐ نے ایک آدمی بنو زہرہ کے سردار اخناس بن شریق کے پاس بھیجا اور اسے تحفظ دینے کے بارے میں کہا۔ اخناس نے جواب دیا کہ اگر چہ وہ آپؐ کی مدد کرنا چاہتا ہے اس کے باوجود وہ قریش کے ساتھ اپنے معاہدے کے ہاتھوں مجبور ہے جس کے مطابق وہ حضور ﷺ کو کسی طرح کی کوئی مدد فراہم نہیں کرسکتا۔

حضور ﷺ نے دوسرا پیغام سہیل بن عمرو کے نام بھیجا جو ایک قبیلہ قریش کا سردار تھا لیکن اس نے بھی انکار کردیا۔ حضور ﷺ ابھی تک مکہ سے باہر ایک ویرانے میں رہائش پذیر تھے۔ یہ رجب کا مہینہ تھا اور بہت سے قبیلے خانہ کعبہ کی زیارت کرنے آئے ہوئے تھے۔ جب حضور ﷺ نے ان سرداروں سے ملاقات کی تو انہیں کہا کہ وہ آپؐ کی بات کو غور سے سنیں۔ آپؐ نے انہیں یقین دلایا کہ اگر وہ اللہ کے پیغام پر عمل کریں تو دنیا کی عظیم الشان سلطنتیں ان کے قدموں میں ہوں گیں لیکن ان میں سے کسی نے آپؐ کے پیغام پر کوئی توجہ نہ دی۔ کچھ تو آپ کو خبطی سمجھے لگے۔

اگر چہ پندرہ قبیلوں کی طرف سے حضور ﷺ کو مثبت جواب نہیں ملا تھا اس کے باوجود آپؐ نے سولہویں قبیلے کے سردار سے ملنے کا فیصلہ کیا جو اپنے پانچ ارکان کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کرنے آیا ہوا تھا۔ اس قبیلے کے سردار نے حضور ﷺ کی بات کا کوئی مذاق نہ اڑایا بلکہ آپ کی بات کو انتہائی توجہ سے سنا۔ اور جب آپؐ نے قرآنی آیات کی تلاوت فرمائی تو اس کی حالت بدل گئی۔ کچھ دن بعد قریش کے دس قبیلوں میں سے ایک قبیلے نوفل کے سردار مطعم بن عدی نے حضور ﷺ کو اپنے قبیلے کا تحفظ پیش کیا اس لئے حضور ﷺ دوبارہ مکہ آگئے۔

حضور ﷺ نے سودہ نامی ایک مطلقہ سے شادی کی جو حبشہ سے واپس آئی تھیں۔ وہ حبشہ ہجرت کر گئی تھیں جہاں انکے شوہر وصال کر گئے اور انہیں واپس مکہ آنا پڑا۔ یہاں وہ حضور ﷺ سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئیں۔ وہ نہ تو نوجوان تھیں نہ خوبصورت۔ حضور ﷺ نے ان سے حضرت خدیجہؓ کے بچوں کی نگرانی کے لئے شادی فرمائی تھی۔ ایک سال بعد شوال کے مہینے میں حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے نکاح فرمایا۔ یہ شادی بھی مکہ میں انجام پائی۔ اس وقت حضرت

marfat.com

عائشہؓ کی عمر چھ سال تھی تاہم آپؓ کو حضور ﷺ کی دلہن بنا کر اس وقت بھیجا گیا جب آپؓ کی عمر نو سال تھی۔

marfat.com

معراج

معراج حضور ﷺ کے سفر آسمان کا نام ہے۔اس سفر کی تفصیلات کے لئے قرآن سب سے زیادہ مصدقہ حوالہ ہے۔تاہم معراج کے بارے میں مسلمان مفکرین کی آراء ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔انہیں اس کی حقانیت میں یقین ہے لیکن جس طرح یہ معجزہ عمل میں آیا اس کے بارے میں دو آراء زیادہ مشہور ہیں۔

ابن ہشام، حمید اللہ، سہیلی، طبری، کتانی اور اسد بیگ وغیرہ کا خیال ہے کہ معراج ۲۷ رجب ۷ھ کو پیش آیا۔لیکن معراج کی کوئی تاریخ، مہینہ یا سن مقرر کر دینا اس کی حقانیت پر متفق ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

ایک روائت کے مطابق حضور کی معراج دو مراحل پر مشتمل ہے۔پہلے مرحلے میں حضور ﷺ مکہ سے بیت المقدس پہنچے اور دوسرے مرحلے میں بیت المقدس سے آسمانوں تک۔

معراج کے کچھ حصے اسلامی مورخین نے خود حضور ﷺ کی زبانی بیان کئے ہیں۔

'میں ابھی پوری طرح قبیلہ بدر نہیں ہوا تھا اور اس رات مکہ میں سو رہا تھا کہ میں نے اپنی چھت میں ایک بہت بڑا شگاف پڑتے اور جبرائیل کو نیچے اترتے دیکھا۔اس نے میرا شق صدر کر کے آب زمزم سے دھویا۔پھر وہ عقل و دانش سے بھری ہوئی ابریق لایا، اسے میرے سینہ میں انڈیلا اور دوبارہ سی دیا۔اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے براق پر چڑھنے کو کہا۔ براق اس سفر میں استعمال ہونے والی سواری تھا۔ براق گھوڑے سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا ایک خچر نما جانور تھا جو روشنی کی رفتار جتنا تیز بھاگتا تھا۔'

جب حضور ﷺ براق پر سوار ہوئے تو پوری طرح جاگ رہے تھے۔آپ حضرت عیسیٰ کی جائے پیدائش بیت اللحم کے قریب سے گزرے۔اس کے بعد حضور ﷺ بیت المقدس گئے اور

marfat.com

مسجد اقصیٰ میں انبیاء کی امامت کرائی۔ زمین کے سفر پر مبنی پہلا مرحلہ مسجد اقصیٰ پر ختم ہو گیا۔

سفر کا دوسرا مرحلہ جو زمین سے آسمان تک کے سفر پر مبنی تھا مسجد اقصیٰ سے شروع ہوا۔ آپؐ زمین کے قریب ترین واقع پہلے آسمان پر پہنچے تو حضرت آدمؑ کو انسانوں کے دو گروہوں کے درمیان کھڑے دیکھا۔ آپؐ کے دائیں طرف والے لوگ جنتی اور بائیں طرف والے جہنمی تھے۔ حضرت آدمؑ اپنے دائیں طرف والے لوگوں کو دیکھ کر مسکرائے جبکہ بائیں طرف والے لوگوں کو دیکھ کر رنجیدہ ہوئے۔ حضرت آدمؑ تمام انسانوں کے باپ ہیں اور ایک سچے اور مہربان باپ کی طرح اپنے بچوں کے دکھ درد میں پوری طرح شریک ہیں۔

دوسرے آسمان پر حضور ﷺ کی ملاقات حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ سے ہوئی، تیسرے پر حضرت یوسفؑ سے، چوتھے پر حضرت ادریسؑ سے، پانچویں پر حضرت ہارونؑ سے اور چھٹے پر حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی۔ جب آپؐ سب سے اوپر ساتویں آسمان پر پہنچے تو آپؐ نے حضرت ابراہیمؑ کو ایک گھر سے باہر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے دیکھا۔ اس گھر کا نام بیت المعمور ہے۔ خانہ کعبہ کے عین اوپر اسی شکل و ہیئت میں واقع اس گھر کی فرشتوں کے لئے اتنی ہی اہمیت ہے جتنی انسانوں کے لئے خانہ کعبہ کی۔

ساتویں آسمان کے بعد خانہ کعبہ کے حرم کی طرح کا ایک حرم شروع ہوا جس کے اختتام پر ایک درخت تھا جس کا نام سدرۃ المنتہیٰ تھا۔ یہ درخت کائنات کے دوسرے سرے پر خلائے مطلق میں واقع ہے۔ کوئی نہیں جانتا اس کے آگے کیا ہے۔

اس مقام پر آپ اللہ تعالیٰ کے اتنا قریب تھے کہ آپؐ کو فرشتوں کے قلم گھسٹنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ پتہ چلا کہ وہاں انسانوں کے اعمال رقم ہو رہے ہیں۔ حضور ﷺ فرشتوں کے قلم گھسٹنے کی آواز تو سن سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اور کوئی تو کیا خود حضور ﷺ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔

آپ صرف جبرائیل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی آواز سن سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو تسلی دی۔ اللہ تعالیٰ نے قبیلہ بدر ہونے پر آپؐ کو صبر و تحمل ہاتھ سے نہ چھوڑنے کا فرمایا۔ کچھ

marfat.com

پیغمبروں کو تو اپنے مقصد کے لئے بے شمار مصائب جھیلنے پڑے اور کچھ کو تو اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔

بعد میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو آپؐ کی آئندہ ذمہ داریوں کے بارے میں بتایا۔ ایسے کام کے لئے انتہائی پختہ ارادے کی ضرورت تھی اس لئے آپؐ کو آسمانوں پر بلایا گیا تاکہ آپؐ کا ارادہ پہلے سے زیادہ مضبوط اور پختہ ہو۔ معراج میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے لئے پچاس نمازیں فرض قرار دیا۔ پچاس نمازوں پر حضرت موسیٰ کے دلائل سن کر آپؐ اللہ تعالیٰ سے تعداد کم کرنے پر اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ سارے دن میں کل پانچ نمازیں فرض رہ گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو یہ خوشخبری دی کہ جو کوئی بھی خلوص اور آخرت کے اجر کی نیت سے یہ پانچ نمازیں پڑھے گا، پچاس نمازوں کا ثواب پائے گا۔

واپس آنے پر حضور ﷺ نے مسلمانوں کو ان تمام لوگوں سے ملاقات کے بارے میں بتایا جنہیں آپؐ آسمانوں میں مل چکے تھے۔ یہ لوگ صدیوں پہلے دنیا سے جا چکے تھے۔ معراج کے دوران حضور ﷺ کو ان تمام پیغمبروں اور لوگوں سے بڑے قریب سے ملنے کا موقع ملا۔

معراج کی یہ تفصیلات حیران کن نہیں ہیں لیکن جو چیز سوال طلب ہے وہ یہ ہے کہ آیا حضور ﷺ نے یہ سفر روحانی لحاظ سے کیا یا جسمانی لحاظ سے۔ مسلمان مفکرین کی اس سلسلے میں دو آراء ہیں۔ کچھ کا خیال ہے کہ یہ معراج روحانی تھی اور کچھ کا خیال ہے کہ جسمانی، لیکن کسی نے بھی یہ نہیں لکھا کہ آپؐ سدرۃ المنتہیٰ تک ایک خواب ناک کیفیت یا رویاء میں پہنچے تھے۔

جو اس معراج کے ایک جسمانی تجربہ ہونے پر یقین رکھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ حضور ﷺ نبی ہونے کی وجہ سے اپنے جسم پر اتنا قابو رکھتے تھے کہ اسی طرح آسمانوں پر جا سکتے تھے۔ دوسروں کا خیال ہے کہ حضور ﷺ کو آسمان پر جانے کے لئے کسی جسم کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ان کا خیال ہے کہ ہم عام قسم کے انسان ہونے کے باوجود خواب سے باہر رہ کر بھی ہزاروں میلوں کے فاصلے اسی جسم کے ساتھ طے کر لیتے ہیں۔ نیز اسی جسم کے ساتھ ہم مردوں سے گفتگو کر لیتے ہیں اور ہمیں کوئی مضائقہ محسوس نہیں ہوتا۔

marfat.com

خواب کے دوران ہمارے جسم ذرہ برابر حرکت نہیں کرتے لیکن ہم انتہائی زیادہ متحرک ہوتے ہیں۔ ہماری روحیں ہمارے جسموں سے نکل کر ہزاروں سال پرانے خلا میں سفر کرتی ہوئی اجنبی لوگوں سے اجنبی ملکوں میں ملتی ہیں۔ ہم صدیوں پہلے فوت ہوئے لوگوں سے گفتگو کرتے ہیں، غیر ملکی سرزمینوں میں اجنبی زبانیں بولتے ہوئے لوگوں سے ملتے ہیں، اس کے باوجود ہم نہ صرف ان کو سمجھتے ہیں بلکہ اپنی بات بغیر کسی مشکل کے ان کو سمجھاتے بھی ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ہماری روح ہمیں چھوڑتی نہیں بلکہ ہمارے دماغ کے گوشوں میں ایک ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے جو ہماری آنکھوں سے بہت سے پردے ہٹا دیتی ہے اور ہم ہر جگہ اور ہر کسی سے اپنے آپ کو جانا پہچانا محسوس کرتے ہیں۔

جاگتے میں ہم سے ایک چھوٹا سا نالہ عبور نہیں ہوتا لیکن خواب میں ہم گہری وادیاں اور کھائیاں ایسے پار کر رہے ہوتے ہیں جیسے یہ گلیاں۔ خوابوں میں ہر شئے انتہائی آسان لگنے لگتی ہے۔

نیند زمان و مکاں کی رکاوٹیں ختم کر دیتی ہے۔ کسی اجنبی ملک میں داخل ہوتے ہوئے ہمیں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم پہلے بھی وہاں جا چکے ہیں۔ خواب کے دوران ہمارے کچھ دوست اور دشمن ایسے ہوتے ہیں جنہیں جاگنے کی حالت میں ہم پہچان نہیں پاتے لیکن جونہی نیند طاری ہوتی ہے ان کے چہرے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو بڑے مہربان ہوتے ہیں لیکن کچھ اس قدر خطرناک ہوتے ہیں کہ ان کی شکل دیکھتے ہی ہم چیخنا شروع کر دیتے ہیں۔

خواب میں ہم آتش فشاں کے اندر اتر جاتے ہیں لیکن ہمیں کچھ نہیں ہوتا۔ اسی طرح انتہائی سردی سے بھی ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ بات صرف اتنی ہے کہ زمان و مکاں کی پیمائشیں خواب میں معطل ہو جاتی ہیں۔ بہت سے لوگ خواب دیکھتے ہیں کہ وہ کئی سالوں سے کسی اجنبی ملک میں رہ رہے ہیں۔ لیکن جاگنے پر انہیں پتہ لگتا ہے کہ انہیں سوئے ابھی کچھ گھنٹے ہوئے ہیں۔

ہو سکتا ہے حضور ﷺ کی روح جاگتے میں ایسی دنیاؤں تک پہنچ سکتی ہو جنہیں مابعد الطبیعات کہتے ہیں۔ تاہم خواب میں جس کیفیت کا تجربہ ہم کرتے ہیں حضور ﷺ میں وہی کیفیت

marfat.com

اللہ کے حکم سے پیدا ہوئی ہو اور انہیں ان دنیاؤں تک لی گئی ہو جنہیں آپؐ نے بیان کیا ہے۔

یہ حقیقت بھی منطقی اور عقلی لحاظ سے قابل قبول ہے کہ حضور ﷺ جسمانی طور پر آسمانوں تک گئے ہیں۔ جسمانی اصولوں کے مطابق یہاں دو نکات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو رفتار اور دوسرا جسم کے روشنی سے زیادہ تیز حرکت کرنے کا امکان۔ اسلامی روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ معراج کے دوران حضور ﷺ کے سفر کی رفتار روشنی کی لہروں سے زیادہ اور کشش ثقل کی قوتوں سے بڑھ کر تھی۔ حضور ﷺ نے یہ تمام فاصلے ایک لمحے میں طے کئے تھے۔ آج ہمیں معلوم ہے کہ ہماری کائنات اس قدر بڑی ہے کہ آئن سٹائن کے مطابق اس کا قطر تین ہزار ملین نوری سال ہے۔ ایک نوری شعاع جو تیس لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے فاصلہ طے کرتی ہے اس فاصلے کو کائنات کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تیس کروڑ سال میں طے کرے گی۔ تاہم رفتار کی ایک اور قسم بھی ہے جو انتہائی اچانک نوعیت کی ہوتی ہے اور مندرجہ بالا فاصلے کو ایک لمحے میں طے کر سکتی ہے۔ اور یہ قوت کشش ثقل یا لہروں کے زیر اثر ہوتی ہے۔

نہ ختم ہونے والی اس کائنات میں ایک کہکشاں جو لاکھوں ستاروں پر مشتمل ہوتی ہے اگر پھٹ جائے تو لہروں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور پھر کشش ثقل کی قوتیں اتنا بروقت عمل کرتی ہیں کہ یہ توازن ایک لمحے میں حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر یہ توازن حاصل نہ ہو تو ایسی ٹوٹ پھوٹ کے وقت بڑھتی ہوئی کشش ثقل کی وجہ سے ہمارا اپنا نظام شمسی تباہ ہو جائے۔

آئن سٹائن کے دریافت کردہ اس قانونِ کشش ثقل کا اثر ساری دنیا پر ہو گا اور اس کا متوازی یا مخالف ردعمل بھی فی الفور یا بروقت ہو گا۔ اسلامی مفکرین کے مطابق براق کی رفتار روشنی کی رفتار سے بھی زیادہ تھی۔ ہو سکتا ہے اتنی تیز رفتاری سے حضور ﷺ نے ایسی ہی قوتوں کے زیر اثر سفر کیا ہو۔ اگر ہم کہیں کہ حضور ﷺ نے جاگنے کی حالت میں روحانی طور پر یہ فاصلے طے کئے ہیں تو ہمیں فزکس پر گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ سفر جسمانی لحاظ سے کیا ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا کوئی جسم تین سو ہزار کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار برداشت کر سکتا ہے یا نہیں۔

marfat.com

کچھ مسلمان مفکرین اصرار کرتے ہیں کہ حضورﷺ کا سفر معراج جسمانی نوعیت کا تھا۔ ہمیں اس بات پر کوئی شک نہیں کہ حضورﷺ نے یہ سفر جسمانی حالت میں کیا ہو۔ ابھی جو سائنسی نظریئے اور مباحثے ہم نے مندرجہ بالا سطور میں دیکھے ہیں اس کائنات کو بنانے والا اپنے پیغمبرؐ کے لئے ان کو کبھی بھی عملی شکل دے سکتا ہے۔ بہت سی قوتیں جو ہماری کائنات کو برقرار رکھنے کا کام دے رہی ہیں انسان کی سمجھ اور علم سے ابھی تک بالاتر ہیں۔

marfat.com

بیعت عقبیٰ

قریش کے ظلم وستم برداشت کرتے ہوئے ایک سال اور گزر گیا۔ ۶۲۱ء میں مدینے والوں کا ایک قافلہ حج کے دنوں میں مکہ پہنچا۔ قافلے میں شامل دس آدمی تو ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور دو کسی دوسرے سے۔

ان بارہ آدمیوں نے مکہ پہنچ کر عقبیٰ نامی ایک وادی میں حضورﷺ سے ملاقات کی اور اسلام کی اشاعت سے متعلق معاملات پر غور وخوض کیا۔ عقبیٰ مکہ اور منیٰ کے درمیان واقع ہے۔ پرانے زمانے میں یہ وادی شیطان اور بدروحوں کے گزرنے کا راستہ سمجھی جاتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کے راستے میں اپنے بیٹے کو قربان کرنے کا فیصلہ کیا تو اس جگہ پر شیطان نے انہیں اپنے فیصلے سے ڈگمگانے کی کوشش کی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے شیطان کو بھگانے کے لئے اسے کنکریاں ماریں اور آج حضرت ابراہیمؑ کی ہی سنت ادا کرتے ہوئے لوگ اس جگہ پر حج کے دوران رمی یعنی کنکریاں پھینکنے کی رسم ادا کر کے شیطان پر لعنت بھیجتے ہیں۔

ان مدینہ والوں نے حضورﷺ کو بتایا کہ قرآنی تعلیمات کے اثر سے مدینے میں مسلمانوں کی تعداد پچھلے سال کی نسبت زیادہ ہوگئی ہے۔ تاریخ اسلام میں یہ بارہ مدنی مسلمان، اور دوسرے مدینے والے، انصار یعنی مدد کرنے والوں کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے حضورﷺ کو بتایا کہ مدینے کے یہودی آپؐ کی آمد کی پیش گوئی کر رہے ہیں اور یہ انکی خوش قسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی کو پیغمبر معبوث فرمایا ہے۔ پہلے وہ یہودیوں اور عیسائیوں سے کم تر سمجھے جاتے تھے کیونکہ وہ لوگ اپنے آپ کو اہل کتاب سمجھتے تھے اور مدینے والے اہل کتاب نہیں تھے۔ اب انہیں خوشی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی کو پیغمبر معبوث فرمایا جو ایسا قرآن لایا ہے جس کی آیات نہ صرف ان کے دلوں کو گرماتی ہیں بلکہ ان کی سوچوں کی اصلاح بھی کرتی ہیں۔

marfat.com

انہوں نے حضورﷺ کو یہ بھی بتایا کہ مدینہ میں بادشاہ کے انتخاب پر کچھ قبیلوں میں جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ایک آدمی عبداللہ بن ابی نے اپنے آپ کو بادشاہ کے طور پر پیش کیا ہے۔اسکی نامزدگی اتنی یقینی ہے کہ مدینے کے ایک سنار کو تاج بنانے کا بھی کہہ دیا گیا ہے۔مدینے کے بہت سے قبیلے اس کے خلاف ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے اختلافات حل کرنے کے لئے انہیں کسی بادشاہ کی نہیں بلکہ کسی پیغمبر کی ضرورت ہے۔مدینہ کے لوگوں نے باہمی طور پر صلاح مشورے سے اسے اپنا راہنما چن لیا ہے۔لیکن انہیں پتہ ہے کہ پیغمبر بادشاہ سے زیادہ افضل ہوتا ہے کیونکہ پیغمبر کو اللہ کی نصرت و اعانت حاصل ہوتی ہے۔

حضورﷺ نے دریافت فرمایا: 'کیا تم میری بیعت کرنا چاہتے ہو؟' بیعت وفاداری کی ایک قسم ہے جو کوئی قبیلہ کسی ایسے شخص کے لئے اٹھاتا ہے جس کا کوئی قبیلہ نہیں ہوتا۔اس طرح بیعت دو قبیلوں کے درمیان اتحاد کا معاہدہ بھی ہوتی ہے۔ان دو مدنی قبیلوں کے نمائندوں نے اس وادی میں حضورﷺ سے وفاداری کی قسم اٹھائی۔اس قسم کے تحت انہیں حضورﷺ سے اسی طرح محبت اور وفاداری کا سلوک روا رکھنا تھا جس طرح وہ اپنے گھر والوں سے رکھتے تھے۔

حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ اپنی اس بیعت پر قائم رہے تو ان کے لئے جنت ہے اور اگر وہ اس سے پھرے تو ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ان کے رخصت ہونے پر حضورﷺ نے مدینہ کے نومسلموں کو قرآن کی تعلیم دینے کے لئے مکہ سے ایک آدمی مصعبؓ بن عمیر کو ان کے ساتھ بھیجا۔ابن عمیرؓ ایک نوجوان آدمی تھے لیکن ان کا گفتگو کا انداز انتہائی پرکشش اور قرآن کی تلاوت کا طریقہ انتہائی خوش الحان تھا۔حضرت مصعبؓ بن عمیر نے بہت سے مدینے والوں کو مسلمان کیا۔مدینے والوں میں اسلام اس قدر تیزی سے پھیلا کہ ۶۲۱ء کے آخر تک یہودیوں کے علاوہ تقریباً تمام مدینے والے مسلمان ہو چکے تھے۔حتیٰ کہ یہودی بھی جو اسلام قبول کرنے پر رضامند نہیں تھے اس بات پر تیار ہو گئے کہ حضورﷺ کو مدینے آنے کی دعوت دی جائے تاکہ ان کے اختلافات حل ہو سکیں۔

مدینے کے معاملات کو ذہن میں رکھتے ہوئے حضورﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی

marfat.com

تیاریاں شروع کر دیں۔اب تک آپؐ نے اپنے آپ کو اپنے قبیلے والوں سے علیحدہ نہیں کیا تھا۔آپ کو علم تھا کہ یہ قدم آپؐ کے قبیلے والوں سے آپ کو ہمیشہ کے لئے توڑ دے گا۔ ۶۲۲ء میں مدینے والے پھر مکہ آئے اور اسی جگہ پر حضورﷺ سے چوری چھپے ملاقات کی۔اس بار بارہ انصار جو پچھلے سال حضورﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے کچھ نئے مسلمانوں کو اپنے ساتھ لائے۔اس گروہ میں دو عورتیں اور تہتر آدمی شامل تھے۔

جب تمام لوگ مذکورہ بالا وادی میں جمع ہو گئے تو حضورﷺ نے کچھ آیات کی تلاوت فرمائی اور نو مسلموں کو اپنے ہاتھ پر بیعت کرنے کا کہا۔انہوں نے ایسا ہی کیا اور حضورﷺ کی اپنے جان و مال سے مدد کرنے کی قسم اٹھائی۔حضورﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ آیا وہ اسلام کی راہ میں لڑنے پر ان کا ساتھ دیں گے یا نہیں۔آپؐ نے یہ بھی پوچھا کہ آیا وہ بیعت الحرب میں آپ کا ساتھ دینے پر تیار ہیں یا نہیں۔

بیعت الحرب اور بیعت النساء دو مختلف چیزیں ہیں۔آج کل کے اعتبار سے دیکھا جائے تو بیعت الحرب کا مطلب معاہدہ جنگ اور بیعت النساء کا مطلب معاہدہ دفاع ہے۔

جب دو گروہ کسی معاہدہ میں شریک ہو جائیں جیسا کہ بیعت النساء تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان میں سے ایک دشمن پر حملہ کرے تو دوسرا پہلے کی مدد کرنے پر مجبور نہیں ہے۔تاہم اگر کوئی تیسرا گروہ ان دونوں میں سے ایک پر حملہ کرے تو دوسرا گروہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ اسکی مدد کو آئے گا۔

حضورﷺ انہیں یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ اگر ضرورت پڑی تو مسلمان جنگ کے لئے تیار رہیں۔بیعت الحرب کی بہت زیادہ اہمیت تھی کیونکہ معاہدہ میں شامل دونوں گروہ حالات کے مطابق دفاع یا حملے کا ارادہ کر سکتے تھے۔

مدینہ کے مسلمانوں نے ایسے معاہدہ کی قسم اٹھانے پر رضامندی کا اظہار کیا۔تاہم انہوں نے اپنے اس خدشے کا اظہار بھی کیا کہ مکہ سے جنگ جیت کر حضورﷺ انہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر کہیں مکہ تو نہیں آ جائیں گے۔

marfat.com

اس کے جواب میں حضور ﷺ نے وعدہ کیا اور کہا 'اے مدینے کے مسلمانو! تمھارا خون میرا خون اور میرا خون تمھارا خون ہے۔ تم مجھ سے تعلق رکھتے ہو اور میں تم سے۔ جو کوئی تم سے جنگ کرنے کی نیت کرے گا مجھے اپنا مخالف پائے گا۔ اور اگر تم اللہ کی راہ میں کسی سے لڑو گے تو مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے'۔

اس موقع پر تہتر آدمیوں نے بیعت کی۔ حضور ﷺ نے بہتر آدمیوں میں سے بارہ کو قیادت کے لئے منتخب کیا جن میں سے نو کا تعلق ایک ہی قبیلے کے مختلف خاندانوں سے تھا جبکہ بقیہ تین کا تعلق دوسرے قبیلوں سے تھا۔ اسلامی روایات کے مطابق حضور ﷺ نے ان بارہ آدمیوں کو کہا کہ وہ آپؐ کے نمائندہ کے طور پر مدینے کے لوگوں کو بتائیں کہ تمام مسلمان برابر ہیں اور کوئی شخص کسی دوسرے سے افضل نہیں ہے (ماسوائے بلحاظ تقویٰ کے)۔ یہی اللہ کا حکم ہے۔

> اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو اللہ کے نزدیک سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔

سورۃ حجرات ۴۹:۱۳

انسانیت کی مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ وہ ایک دوسرے پر فوقیت کا اظہار کریں۔ بلکہ اس کا مقصد بہتر سماجی زندگی بسر کرنا ہے۔ مذکورہ بالا آیت کے یہ الفاظ 'تا کہ تم ایک دوسرے کو جانو' انتہائی زیادہ استعاراتی معانی پر مشتمل ہیں۔ اس آیت کا مطلب صرف پہچان یا تشخص نہیں ہے۔ اس کا مقصد ایک دوسرے کے ساتھ بہتر تعلقات اور روابط پیدا کرنا ہے۔ اس طرح مذکورہ بالا آیت میں ایک دوسرے کے لئے ہمدردی اور امداد کے جذبے کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے نمائندوں کو واضح طور پر بتا دیا کہ وہ ایک بہت بڑی اور عظیم الشان تحریک کے پیشوا ہیں اس لئے انہیں پہلا قدم انتہائی بہتر طریقے سے اٹھانا ہوگا۔ اب تک حضور ﷺ کی حیثیت صرف ایک نبیؐ کی تھی لیکن اس بیعت کے بعد نبوت کے ساتھ

marfat.com

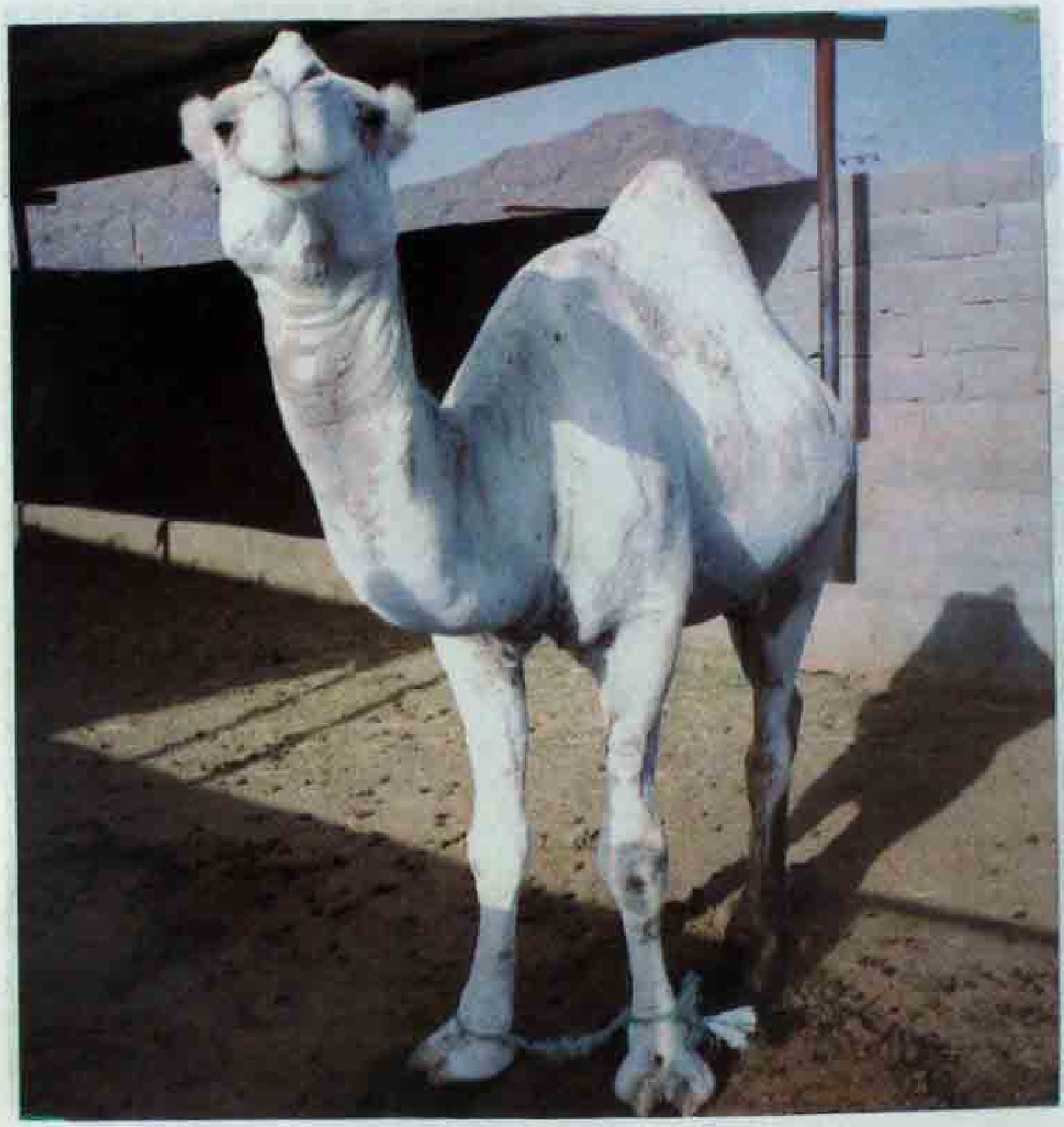

دوڑ میں استعمال ہونے والا سفید اونٹ۔ یہ ناقہ بہت قیمتی اور نایاب تھا۔ یہ عام سرخ اونٹ سے چار گنا زیادہ تیزی سے سفر کرتا ہے۔ مدینہ ہجرت کے وقت حضورؐ ایسی ہی ایک ناقہ "قصویٰ" پر سوار تھے۔

marfat.com

ساتھ آپ کو اسلامی معاشرے یا امت کی قیادت بھی سنبھالنا پڑی۔ قرآن شریف میں آپ کو حضرت موسیٰ کی مثال پر غور کرنے کے لئے کہا گیا ہے جو ایک اعلیٰ کردار کے قائد بھی تھے۔

جس وادی میں حضور ﷺ نے دو سال مسلمانوں سے بیعت لی حالیہ دور میں وہاں ایک مسجد تعمیر کی گئی ہے۔

marfat.com

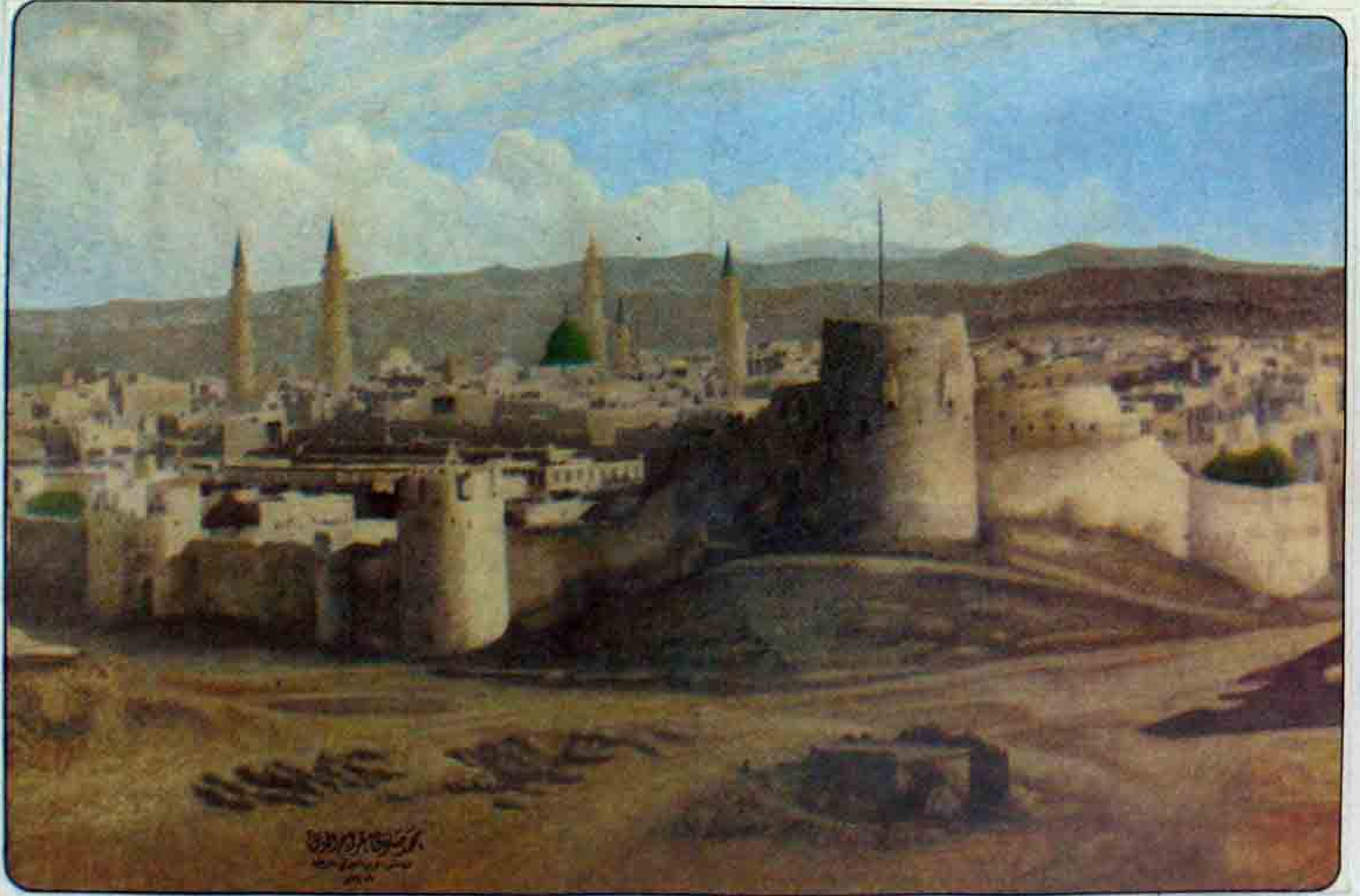

چاردیواری میں گھرا مدینہ کا قدیم شہر۔ پس منظر میں مسجد نبوی نمایاں ہے۔

marfat.com

ہجرت

بیعت الحرب ۶۲۲ء میں دوران حج پیش آئی۔ اس کے وقوع کے نتیجے میں نا صرف عربی بلکہ مسلمانوں کی مخصوص لغت میں دو الفاظ کا اضافہ ہوا ایک انصار اور دوسرا مہاجر۔ انصار مدینہ کے وہ مسلمان تھے جنہوں نے ۶۲۱ء اور ۶۲۲ء میں بیعت کی۔ بعد میں یہ لفظ مدینے کے تمام مسلمان شہریوں کے لئے استعمال ہونے لگا۔ مہاجر وہ مسلمان تھے جنہوں نے قریش کے ظلم وستم سے بچنے کے لئے حضورﷺ کے کہنے پر مدینہ ہجرت کی۔ اسلامی تاریخ میں ان دونوں گروہوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت حاصل نہیں تھی۔ دونوں گروہوں نے اسلام کی راہ میں بے شمار تکالیف جھیلیں اور سختیاں اٹھائی تھیں۔

بیعت الحرب چھپ چھپا کر کی گئی۔ مدینہ کے غیر مسلم اس معاہدے سے بے خبر تھے۔ اس لئے جب قریش نے ان سے پوچھا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ ان کی لاعلمی حق بجانب تھی کیونکہ جن بہتر مسلمانوں نے حضورﷺ سے ملاقات کی تھی وہ دم صبح مدینہ روانہ ہوئے اور قریش کے تعاقب سے بچنے کے لئے تمام راستہ سمتیں بدلتے رہے۔

قریش کو اس معاہدے کی خبر تین دن بعد ہوئی۔ بعد میں انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو پکڑنے اور واپس لانے کا فیصلہ کیا۔

عام طور پر مکے سے مدینہ کا فاصلہ گیارہ دنوں میں طے ہوتا تھا جبکہ تیز رفتار سفید اونٹ اس فاصلے کو تین دنوں میں طے کر لیتے تھے۔ قریش نے مہاجروں کو مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے پکڑنے اور واپس لانے کے لئے انہی سفید اونٹوں کا انتخاب کیا۔ کیونکہ مسلمان سارا راستہ اپنی سمتیں بدلتے آئے تھے اس لئے قریش انہیں پکڑ نہ سکے۔ ایک تاجر جو کسی طرح مسلمان قافلے سے بچھڑ گیا تھا ان کے ہاتھ لگ گیا۔ وہ اسے مکہ لے آئے اور تفتیش شروع کر دی۔ اس نے قافلے

marfat.com

میں اپنی موجودگی اور مدینہ واپسی کا اقرار تو کیا لیکن دوسرے مسلمانوں کی حضور ﷺ سے گفت و شنید اور معاہدے کے بارے میں اپنی لاعلمی ظاہر کی۔

وہ آدمی اپنے بیان میں سچا تھا کیونکہ مسلمانوں نے اس معاہدے کے راز کی کسی کو خبر نہیں ہونے دی تھی۔ مزید برآں وہ تاجر اچھا خاصا امیر تھا اور قریش کے کسی متمول قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ اگر قریش مزید دباؤ ڈالتے تو ہوسکتا تھا ایک نئی قبائلی جنگ چھڑ جاتی نیز مکہ میں اس تاجر کے بہت سے دوست بھی تھے اسی لئے اسے چھوڑ دیا گیا۔

یہاں یہ سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ قریش نے سیدھا حضور ﷺ کو پکڑ کر اپنی مطلوبہ معلومات حاصل کیوں نہ کرلیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ کے ایک اور قبیلہ کے تحفظ میں ہونے کی وجہ سے قریش ایسا کرنے سے قاصر تھے۔ وہ اس تحفظ کی وجہ سے بے بس تھے اور اس لئے کسی قسم کی تفتیش کرنے کی غرض سے آپ کو زیر حراست نہیں لے سکتے تھے۔ جب مدینے کے مسلمان اپنے گھروں کو پہنچ گئے تو حضور ﷺ نے مکہ کے مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کرنے اور انصار کے گھروں میں قیام کرنے کا حکم دیا۔

مکہ کے مسلمانوں نے قریش کو چوکس ہونے دیئے بغیر چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں شہر چھوڑنا شروع کردیا۔ مکہ جیسے شہر میں جہاں لوگ ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچانتے تھے کچھ لوگوں کی غیر موجودگی قریش کی توجہ اپنی طرف مبذول کروائے بغیر نہ رہ سکی۔ انہیں نظر آرہا تھا کہ مسلمان آہستہ آہستہ مدینہ ہجرت کررہے ہیں۔ اس لئے انہوں نے انہیں مکہ میں قیام کرنے پر مجبور کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس دوران عباس بن ربیعہ اور دو بھائیوں امیہ اور ہاشم بن العیس نے مکہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ جس رات انہوں نے روانہ ہونا تھا ہاشم بن العیس موجود نہیں تھا۔ چونکہ اسے قریش والے گرفتار کرچکے تھے اس لئے باقی دو مسلمانوں کو اس کے بغیر ہی مدینہ روانہ ہونا پڑا۔ اگلے دن تمام مکہ والوں کو ہاشم کی گرفتاری کا علم ہوگیا۔

ان دنوں مکے میں کوئی جیل نہیں تھی۔ عرب کی پہلی جیل حضور ﷺ کے وصال کے کئی سال

marfat.com

بعد کوفہ میں تعمیر کی گئی۔ان دنوں جب بھی کسی کو گرفتار کیا جاتا یا تو اسے سزا دی جاتی یا زنجیریں پہنائی جاتیں اور یا تپتی ہوئی ریت پر چھوڑ دیا جاتا۔مسلمانوں کے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد وہ وقت بھی آیا جب حضور ﷺ کو مکہ چھوڑنا تھا۔ یہاں ہمیں یہ سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ ایک رسولؐ کے لئے ہجرت کا مطلب کیا ہوتا ہے۔اپنے وطن کو چھوڑنے کے ساتھ ساتھ اس کا مطلب اپنے خاندان، قبیلے اور آباؤ اجداد سے ہر طرح کی علیحدگی بھی ہے۔اس کا ایک اور مطلب ہر طرح کی سماجی اور معاشی حقوق سے محروم ہو جانا بھی ہوتا ہے۔خاندان کے آباؤ اجداد اور قبیلہ ایک ہی چیز تھے۔قبائلی وابستگی اور مدد کے تحفظ کے بغیر عرب کے وسیع صحراؤں اور آگ اگلتے ہوئے آسمانوں کے نیچے زندگی بسر کرنا تقریباً ناممکن تھا۔

مکہ کی صورتحال میں حضور ﷺ کے لئے اپنا مقصد جاری رکھنا مشکل ہو گیا تھا نیز ہجرت کے لئے اللہ کا حکم بھی آ چکا تھا۔حضور ﷺ نے اپنے قریبی دوست حضرت ابو بکرؓ کو اس کے بارے میں بتایا۔حضور ﷺ کو علم تھا کہ دو سیاہ پتھروں والی پہاڑیوں کے درمیان واقع سرسبز و شاداب وادی جسے وہ خواب میں دیکھ چکے تھے یثرب ہے۔آپ کو یہ بھی علم ہو چکا تھا کہ اب ہجرت کرنے والے آپؐ ہی ہوں گے۔آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو بتایا کہ آپؐ کو امید ہے کہ آپؐ یثرب میں رہیں گے۔جہاں تک اس کے وقت کا تعلق ہے اس کا انحصار اس وفد پر ہے جو آنے والے حج کے موقع پر نخلستان سے متوقع ہے۔

حضور ﷺ ابو بکرؓ کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے اور اس کے گرد و نواح میں واقع غار ثور کے قریب پہنچ گئے۔

ایک بار آپؐ نے ارشاد فرمایا 'اے کوہ ثور! اللہ کی ساری زمین میں سے تم مجھے اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ عزیز ہو۔' ایک چرواہا عامر بن فہیرہ جسے حضرت ابو بکرؓ نے نا صرف خرید کر آزاد کیا تھا بلکہ اپنی بھیڑوں کی نگرانی بھی سپرد کی تھی اپنا ریوڑ لے کر قدموں کے نشان مٹاتا ہوا پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔جب آپؐ غار کے قریب پہنچے حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بیٹے کو اونٹ دے کر واپس بھیج دیا تا کہ وہ مکہ والوں کی خبر لے سکے۔عامر دوسرے چرواہوں کے ساتھ سارا دن بھیڑ بکریاں چرا

marfat.com

کر رات کو مکہ اور ثور کے درمیان عبداللہ کے قدموں کے نشان مٹاتا ہوا غار کے قریب پہنچ جاتا۔

حضرت ابوبکر حضور ﷺ سے تین سال بڑے تھے۔ آپؓ کا شمار مکہ کے امیر لوگوں میں ہوتا تھا۔ آپؓ نے اپنی تمام دولت اللہ کی راہ میں قربان کر دی تھی۔ اس وقت آپؓ شدید مفلسی کا شکار تھے۔ اگرچہ آپؓ عمر میں بڑے اور قریش کے طبقہ امراء سے تعلق رکھتے تھے اس کے باوجود آپؓ نے غار اپنے ہاتھوں سے صاف کی۔ آپؓ نے اپنی عبا کے ٹکڑوں سے غار کے سوراخوں کو بند کیا تا کہ کوئی زہریلا سانپ یا بچھو حضور ﷺ کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ جب آپؓ غار کی صفائی سے مطمئن ہو گئے تو حضور ﷺ کو اندر آنے کی دعوت دی۔ اسی غار میں حضرت ابوبکرؓ نے حضور ﷺ کے قدموں پر آئے زخموں کی مرہم پٹی کی۔ جب حضور ﷺ کے سر اقدس کو آرام پہنچانے کے لئے کوئی آرام دہ چیز میسر نہ آئی تو حضرت ابوبکرؓ نے حضور ﷺ کو اپنی گود میں سر رکھنے کا مشورہ دیا۔

غار ثور میں کئی ایک سوراخ تھے۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس کپڑے کا مزید کوئی ٹکڑا نہیں تھا انہوں نے ایک سوراخ کے سامنے اپنا پاؤں رکھ دیا۔ اس سوراخ میں موجود سانپ کو جب باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ ملا تو وہ تلملایا اور حضرت ابوبکرؓ کی ایڑھی پر ڈس دیا۔ آپؓ تکلیف سے کلبلا کر جاگ اٹھے۔ پسینے کے قطرے آپؓ کی پیشانی سے لڑھکتے ہوئے حضور ﷺ کی پیشانی پر گرے تو آپ کی آنکھ بھی کھل گئی۔ آپؐ نے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا چہرہ پیلا پڑ رہا ہے۔ جب آپ کو سانپ کے ڈسنے کا علم ہوا تو آپؐ نے فوراً اپنا لعاب دہن حضرت ابوبکرؓ کے زخم پر لگایا۔ اس سے حضرت ابوبکرؓ کو انتہائی اطمینان میسر آیا اور آپؓ آرام کرنے کے قابل ہو گئے۔

جس رات حضور ﷺ غار ثور کی طرف نکلے قریش کے کچھ لوگ ایک منصوبہ بنا کر حضور ﷺ کو قتل کرنے کی غرض سے آپؐ کے گھر داخل ہوئے۔ انہوں نے اس کام کے لئے مکہ کے بارہ قبیلوں میں سے ہر قبیلے کا ایک آدمی بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ اس گروہ کے تمام ارکان اکٹھے حضور ﷺ پر حملہ کریں تا کہ الزام کسی ایک پر نہ آئے۔ بنو ہاشم تمام قبیلوں سے انتقام نہیں لے سکیں گے اور اس طرح وہ ان سے جھگڑا مول لینے سے بھی بچ جائیں گے۔ جب وہ لوگ حضور ﷺ کے گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے حضرت علیؓ کو آپؐ کے بستر پر آرام کرتے

marfat.com

پایا۔انہوں نے حضرت علیؓ سے حیران ہو کر پوچھا کہ حضور ﷺ مکہ سے چلے گئے ہیں یا نہیں۔

جب حضور ﷺ کو علم ہوا کہ قریش کے نوجوان آپؐ کے گھر سے باہر کھڑے آپ کو قتل کرنے کا انتظار کر رہے ہیں تو آپؐ نے سورۃ یسین کی تلاوت شروع کر دی۔ جب آپؐ ان الفاظ پر پہنچے:

> اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی جس سے ہم نے (ہر طرف سے) ان کو (پردوں سے) گھیر دیا سو وہ نہیں دیکھ سکتے۔

سورۃ یسین ۳۶:۹

تو حضور ﷺ انکو نظر آئے بغیر اپنے گھر سے نکل گئے۔

حضرت علیؓ انتہائی سچے آدمی تھے۔آپؓ نے تمام سوالوں کا جواب مثبت انداز میں دیا۔ یہ جان کر قریش کے لوگ سارے مکہ میں پھیل گئے اور ارد گرد کے صحراؤں میں حضور ﷺ کی تلاش شروع کر دی۔ انہوں نے حضور ﷺ کا پتہ لگانے یا انکی پناہ گاہ ڈھونڈنے والے آدمی کے لئے ایک سو اونٹوں کے انعام کا اعلان کیا۔جس رات حضور ﷺ اپنے گھر سے نکلے صفر کے مہینے کا ڈھلتا ہوا چاند مشرقی پہاڑیوں پر طلوع ہو چکا تھا۔

قریش کے آدمی غار کے قریب سے گزر گئے لیکن اس میں داخل نہ ہوئے۔قریش کے کچھ آدمیوں کے بعد کچھ اور آدمی وہاں پہنچے۔حضرت ابو بکرؓ قریش کے آدمیوں کو پناہ گاہ کے اتنا قریب پا کر گھبرا گئے۔ حضور ﷺ نے انہیں تسلی دی اور اللہ کی مدد کا یقین دلایا۔اس واقعے کا ذکر قرآن شریف میں اس طرح آیا ہے:

> اگر تم لوگ رسولؐ اللہ کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ آپؐ کی مدد اس وقت کر چکا ہے جبکہ آپ کو کافروں نے جلاوطن کر دیا تھا جب کہ دو آدمیوں میں ایک آپؐ تھے جس وقت کہ دونوں غار میں تھے جب کہ آپؐ اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے کہ تم (کچھ) غم نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے

marfat.com

ہمراہ ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے آپؐ (کے قلب) پر اپنی تسلی نازل فرمائی اور آپ کو ایسے لشکروں سے قوت دی جن[1] کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات (اور تدبیر) نیچی کر دی (کہ وہ ناکام رہے) اور اللہ ہی کا بول بالا رہا۔ اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

سورۃ توبہ ۹:۴۰

حضورﷺ اور حضرت ابوبکرؓ مسلسل تین دن غار میں قیام پذیر رہے۔ انہیں یقین تھا کہ اللہ کی مدد اور رحمت ان کے ساتھ ہے۔ قریش نے اپنی انتھک تلاش موقوف کر دی کیونکہ وہ خود تھک ہار چکے تھے۔ اسی دوران حضرت ابوبکرؓ کے عاریتاً لئے گئے راہبر عبداللہ بن عرنیقط دو سفید ناقہ لے کر غار پر پہنچ گئے۔ پہلے سے طے شدہ انتظامات کے مطابق حضورﷺ اور حضرت ابوبکرؓ نے جونہی راستہ صاف دیکھا آپ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ قریش کی نظروں سے بچنے کے لئے راستے کی حدود کے ساتھ ساتھ سفر کرتے گئے۔

آپ دونوں کے تن پر کپڑا نہیں تھا۔ چونکہ حضورﷺ عجلت میں گھر سے نکلے تھے اس لئے اپنے ساتھ کوئی مناسب لباس نہ لا سکے۔ آپ دونوں کا لباس بری طرح پھٹ چکا تھا۔ اگر کوئی آپ کو عرب کی مہنگی ترین اونٹنیوں پر پھٹے پرانے کپڑوں میں سوار دیکھتا تو حیران ضرور رہتا۔ قریش نے حضورﷺ کا پتہ بتانے والے آدمی کے لئے ایک سو اونٹوں کے انعام کا اعلان کر رکھا تھا۔

ایک دن جب بنو مدلج کا سردار کچھ لوگوں سے بات چیت کرنے میں محو تھا ایک آدمی اس کے خیمے میں آیا اور کہنے لگا 'سراقہ! میں نے دو ناقہ سواروں کو راستے کے ساتھ ساتھ جاتے دیکھا ہے۔ مجھے یقین ہے ان میں سے ایک محمدؐ ہے۔'

اس آدمی کی زبانی سن کر کہ اس نے محمدؐ کو کس طرح پہچانا تھا سراقہ کو یقین ہو گیا کہ وہ جس آدمی کی بات کر رہا ہے واقعی محمدؐ ہے۔ اس آدمی کو انعام کی رقم بانٹنے سے نکالنے کے لئے اس نے اسے جھٹلایا اور کہا 'نہیں۔ تمھیں غلطی لگی ہے۔ وہ دونوں تو پچھلی رات میرے مہمان تھے اور ابھی صبح روانہ ہوئے ہیں۔'

marfat.com

'جب وہ آدمی مایوس ہو کر واپس چلا گیا تو سراقہ نے اپنے کچھ آدمیوں کے ساتھ حضور ﷺ کی تلاش شروع کر دی۔ انہوں نے جلد ہی حضور ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کو آلیا۔ انتہائی قریب پہنچ کر سراقہ نے اپنے گھوڑے کی لگامیں کھینچی۔ اس کا گھوڑا لڑکھڑایا اور گر پڑا۔ اس نے لگاتار تین بار حضور ﷺ تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن تینوں بار ناکام رہا۔

زمانہ جاہلیت کے عرب توہمات اور قسمت پر یقین رکھتے تھے اس لئے جب سراقہ کا گھوڑا تیسری بار گرا تو اس نے یہ شگون لینے کا فیصلہ کیا کہ اس کی قسمت اچھی نہیں ہے۔ اس نے جو کوئی بھی حربہ آزمایا اس کا نتیجہ حضور ﷺ کی تلاش کے خلاف ہی نکلا۔ دوسری طرف ایک سو اونٹوں کا انعام بھی اتنا کم نہیں تھا کہ وہ اسے نظر انداز کر دیتا۔ اس نے چوتھی بار حضور ﷺ کا تعاقب کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس بار بھی ناکام رہا۔

یہ معاملہ دیکھ کر اس نے حضور ﷺ کو پکارا اور کہا 'او محمدؐ! رکو! مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔' پھر وہ آپؐ کے قریب آیا اور بولا 'محمدؐ! میں قریش سے ملا ہوا ہوں اور میری خواہش ہے کہ میں تمھیں پکڑ کر قریش کے حوالے کر دوں اور ایک سو اونٹوں کا انعام حاصل کر لوں۔ لیکن اب مجھے تمھاری نبوت کے برحق ہونے کا احساس ہوا ہے کیونکہ میرا گھوڑا چار بار گرا ہے اور میں تم تک پہنچنے میں ناکام رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ایک نہ ایک دن تم قریش پر ضرور غالب آؤ گے۔'

حضور ﷺ نے پوچھا 'تم کیا چاہتے ہو؟' اس نے جواب دیا 'وعدہ کرو جب تمھیں قریش پر غلبہ حاصل ہو جائے تو تم قریش سے وابستگی پر نہ تو مجھ سے انتقام لو گے اور نہ میرے قبیلے والوں سے۔' حضور ﷺ نے جواب دیا کہ اس دن اس کو مکمل تحفظ حاصل ہوگا اور کوئی اسے یا اس کے قبیلے کو نقصان نہیں پہنچا پائے گا۔

سراقہ واپس چلا گیا اور اس نے قریش کو حضور ﷺ کے تعاقب میں اپنے قبیلے کی سرحدوں میں داخل ہونے سے روک دیا۔ جب کوئی اس طرف آتا تو وہ اسے گمراہ کرتا اور کہتا کہ حضور ﷺ اس راستے سے نہیں گزرے۔

کچھ کتابوں میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ہجرت کے سفر کے دوران حضرت ابو بکرؓ کا نوکر

marfat.com

عامر بن فہیرہ اور ایک اور آدمی بھی حضورﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ تھے۔ان کتابوں کے مصنفین نے لکھا ہے کہ عامر بن فہیرہ کو نہ صرف راستوں کا اچھی طرح علم تھا بلکہ وہ سفر کے دوران اپنی خدمات بھی پیش کر سکتا تھا۔

دو دن بعد حضورﷺ اور حضرت ابوبکرؓ ایک قافلے سے جا ملے۔حضورﷺ کا ایک پھوپھی زاد زبیرؓ بن عوام اس قافلے کے ہمراہ تھا۔حضورﷺ نے اپنے پھوپھی زاد سے کچھ کپڑے اور کھانا لیا اور سفر جاری رکھا۔مزید دو دن کے سفر کے بعد آپ اسلم نامی قبیلہ کے پاس سے گزرے جس کے سردار اوس بن حجر نے حضورﷺ کو مدینہ کی حدود تک باحفاظت پہنچنے کے لئے اپنے قبیلے کا ایک ناقہ بردار فراہم کیا۔ایک اور ناقہ بردار مسعود بھی حضورﷺ کے ہمراہ ہو لیا۔

عرب کے صحراؤں میں ناقہ بردار صرف راستوں کی نشاندہی ہی نہیں کرتا بلکہ پروانہ راہداری کا کام بھی دیتا ہے۔اس کی موجودگی اس کے ساتھ سفر کرنے والے مسافروں کی حفاظت کی ضمانت سمجھی جاتی ہے۔صحرا کے لوگ ناقہ بردار سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں۔جب وہ اونچی آواز میں پکار کر اپنا تعارف کراتا ہے تو اسے بآسانی پہچان لیا جاتا ہے اور گزرنے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔

مسعود نے حضورﷺ کو بتایا کہ وہ انہیں صرف اپنے قبیلے کی سرحدوں تک لے جا سکتا ہے اس سے آگے نہیں۔حضورﷺ نے یہ پیشکش قبول کر لی اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مسعود کی راہنمائی میں سفر جاری رکھا۔

قبا کے قریب پہنچ کر حضورﷺ رکے اور حضرت ابوبکرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا 'ابوبکر! جس ناقہ پر میں سوار ہوں مجھے بیچ دو۔' حضرت ابوبکرؓ انتہائی حیران ہو کر بولے 'یا رسولؐ اللہ! اسے خریدنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں تو یہ قصوئی ویسے ہی آپ کو دے چکا ہوں۔'

قصوئی عرب کے اونٹوں کی ایک خالص نسل ہے۔یہ اونٹ باربرداری کے لئے نہیں پالے جاتے تھے بلکہ انہیں سواری اور اونٹ دوڑ کے لئے ہی استعمال کیا جاتا تھا۔

marfat.com

ان اونٹنیوں کے کانوں کے کچھ حصے اس خیال سے کاٹ دیئے جاتے تھے کہ ایسا کرنے سے یہ تیز بھاگتی ہیں۔ کٹے ہوئے کانوں والی ایسی اونٹنی کو عرب میں قصویٰ کہا جاتا تھا۔ تاہم بعد میں یہ نام تاریخ اسلام میں اسم معرفہ کے طور پر استعمال ہونے لگا۔ حضورﷺ نے جواب دیا 'ابوبکرؓ! تو نے اپنی ساری دولت اللہ کی راہ اور اسلام کی اشاعت میں قربان کر دی ہے۔ لیکن میں یہ اونٹنی اپنے ذاتی استعمال کے لئے لینا چاہتا ہوں اس لئے تم اسے ہدیۃً میرے حوالے نہ کرو۔ مجھے قیمت بتاؤ میں ادا کروں گا۔'

جب حضرت ابوبکرؓ نے دیکھا کہ حضورﷺ اونٹنی کی قیمت دینے پر مصر ہیں تو آپؓ نے وہ اونٹنی چار سو درہم میں آپ کو بیچ دی۔ اس اونٹنی کا نام اسلام میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اس کی وجوہات آگے چل کر معلوم ہو جائیں گے۔

وادی قبا مدینہ کے جنوب میں واقع تھی اور شہر کی حدود میں شمار ہوتی تھی۔ مغربی مورخین کا خیال ہے کہ حضورﷺ دو ستمبر ۶۲۲ء کو وادی قبا میں داخل ہوئے۔ لیکن اسلامی مورخین کا خیال ہے کہ وادی قبا میں داخل ہونے کی تاریخ تیئس ستمبر ۶۲۲ء ہے۔ چونکہ ہجرت اسلامی کیلنڈر کے آغاز کی نشاندہی کرتی ہے اور جس دن حضورﷺ قبا میں داخل ہوئے وہ دن ربیع الاول کے مہینے میں آتا تھا مسلمانوں کا خیال ہے کہ یہ واقعہ ہی اسلامی سال کے آغاز کی ضمانت ہونا چاہئے۔ آج بھی مسلمان ہجرت کی یہ تاریخ اپنی روزمرہ زندگی میں استعمال کرتے ہیں۔

جب تیئس ستمبر کو حضورﷺ قبا میں داخل ہوئے تو یہ دن موسم گرما کی نسبت سے انتہائی گرم تھا۔ قبا کے رہنے والوں کو حضورﷺ کی آمد کی خبر ہو چکی تھی اس لئے وہ آپؐ کے انتظار میں صبح ہی کو گھروں سے نکل آئے تھے۔ جب سورج طلوع ہوا اور گرمی کی شدت بڑھی تو لوگ اس کو برداشت نہ کر سکے اور اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ جب حضورﷺ اور حضرت ابوبکرؓ قبا میں داخل ہوئے تو سورج سوا نیزے پر پہنچ چکا تھا اور زمین اتنی گرم ہو چکی تھی کہ لوگوں کے پاؤں پر چھالے پڑنے لگے تھے۔ حضورﷺ کی آمد کی گواہی دینے کے لئے سوائے ایک یہودی شلوم کے اور کوئی گلیوں میں موجود نہیں تھا۔ اتفاق سے جب وہ گزر رہا تھا تو حضورﷺ قبا میں داخل ہوئے۔ جونہی

marfat.com

اس نے سفید اونٹنیوں اور دو اشخاص کو ان پر سوار دیکھا وہ بھاگتا ہوا گلیوں میں گیا اور پکار پکار کر کہنے لگا 'اے عربو! خبردار! تمھارا نجات دہندہ آ گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے مسلمانوں کی طرح مدینہ کے یہودی بھی حضور ﷺ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ آئیں اور آ کر انکے باہمی اختلافات ختم کریں جو ان کی زندگیوں کو اذیت ناک بنا چکے ہیں۔

شدید گرمی کے باوجود قبا کے مرد، عورتیں اور بچے حضور ﷺ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے اکٹھے ہو گئے تھے۔ حضور ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ نے اپنی اونٹنیوں کو دو کھجور کے درختوں کے سائے بٹھایا اور سائے سائے چلنے کے لئے نیچے اتر آئے۔ قبا کے لوگ جن میں مسلمان بھی تھے اور یہودی بھی آپ دونوں کے گرد جمع ہو گئے۔ انہیں پتہ نہیں چل رہا تھا کہ پیغمبر کون ہے اور اس کا ساتھی کون۔ حضرت ابوبکر حضور ﷺ سے تین سال بڑے تھے۔ آپؓ پیچھے ہٹے اور دھوپ کی شدت سے بچانے کے لئے اپنی عبا اتار کر آپؐ پر ایک سائبان سا بنا دیا۔ اگرچہ درختوں کا سایہ کافی گھنا تھا پھر بھی اس سائبان نے حضور ﷺ کو بہتر چھاؤں پہنچائی۔

اسی وقت لوگوں کو حضور ﷺ کا اندازہ ہوا اور جیسا کہ روایت میں لکھا ہے انہوں نے آپ کو خوش آمدید کہنے کے لئے ہلہلہ بلند کرنا شروع کر دیا۔ ہلہلہ عربوں میں کسی کو خوش آمدید کہنے اور خوشی کا اظہار کرنے کا ایک انداز ہے۔ عرب میں رہنے والے اس انداز اور اس کے مطلب سے اچھی طرح آگاہ ہیں کیونکہ یہ روایتی انداز آج تک چلا آ رہا ہے۔

جس جگہ حضور ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اپنی اونٹنیوں سے نیچے اترے اس کا نام بنو عمرو بن عوف کی چراگاہ کہلاتا تھا۔ حضور ﷺ نے پوچھا 'یہ جگہ کس کی ہے؟' ایک نوجوان آگے بڑھا اور کہنے لگا 'میری ___ اور یہ کھجور کے درخت بھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا، 'چونکہ یہ جگہ تمھاری ہے اس لئے مجھے ان درختوں کے سائے میں کھڑے ہونے کے لئے تمھاری اجازت کی ضرورت ہے۔ اس آدمی نے انتہائی خوش دلی سے کہا 'کیوں نہیں۔ آپؐ جب تک چاہیں کھڑے ہوں۔' لیکن اس موقع پر ایک مسلمان کلثوم بن ہضم آگے آیا اور حضور ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کو اپنے گھر قیام کرنے کی درخواست کی۔ حضور ﷺ نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ اسے خواہ مخواہ

marfat.com

پریشانی ہوگی۔ لیکن وہ بدستور اصرار کرتا رہا۔ اس نے کہا کہ اس کے گھر میں ایک کمرہ خالی ہے جو اس کے استعمال میں نہیں ہے اس لئے حضور ﷺ اور آپؐ کے ساتھی بڑی خوشی سے وہاں ٹھہر سکتے ہیں۔ وہ اونٹنیوں کی دیکھ بھال خود کر لیا کرے گا۔ اس کے اصرار پر حضور ﷺ نے اسکی فرمائش قبول کر لی اور اس کمرہ میں ٹھہرنے کے لئے اسکے گھر چلے گئے۔

اسی دوران مدینے کے لوگوں کو آپؐ کی آمد کی خبر پہنچ گئی۔ حضرت عمرؓ بن خطاب مدینے سے قبا پہنچنے والے پہلے آدمی تھے۔ وہ حضور ﷺ کو دیکھنے کے لئے انتہائی بے چین تھے۔ پھر دوسرے مسلمان بھی آنے لگے۔ ان کی تعداد اتنی زیادہ ہوگئی کہ وہ چھوٹا سا کمرہ انہیں اپنے اندر سمونے میں بے بس نظر آیا۔ اس لئے ایک مسلمان سعدؓ بن خیثامہ نے اپنا ایک بہت بڑا گھر حضور ﷺ کو استعمال کے لئے پیش کر دیا۔ تاہم جب حضور ﷺ کو آرام کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی تو آپؐ رات کو کلثومؓ کے گھر چلے جاتے۔

اپنی آمد کے تیسرے دن آپؐ نے مسجد تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک مسلمان مسجد کے لئے زمین وقف کرنے پر تیار تھا لیکن حضور ﷺ نے کہا کہ وہ اسے خریدنے کو ترجیح دیتے ہیں اور آپؐ نے وہ زمین خرید لی۔ تاریخ اسلام میں اس زمین کی قیمت کا ذکر نہیں کیا گیا تاہم تمام مورخین کا خیال ہے کہ حضور ﷺ نے وہ زمین اپنے پیسوں سے خریدی تھی۔

مسجد قباوہ پہلی مسجد ہے جس کی تعمیر میں تمام مسلمانوں نے حصہ لیا۔ اسی لئے اس مسجد کو تاریخ اسلام میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت صہیبؓ رومی اور دوسرے نام آور صحابہؓ نے اس کی تعمیر میں مزدوروں کی طرح کام کیا۔ حضور ﷺ خود ایک عام آدمی کی طرح صبح سے شام تک کام کرتے رہتے۔ وادی قبا میں حضور ﷺ کا قیام بیس دنوں پر مشتمل ہے۔ لیکن رحیق المختوم ص ۱۷۶ کے مطابق یہ قیام چار دن پر مشتمل ہے۔ تاہم جب مسجد کی تعمیر مکمل ہوگئی تو حضور ﷺ نے مدینہ جانے کی خواہش کا اظہار کیا جو ان دنوں یثرب کہلاتا تھا۔

اس طرح مسجد قبا کی تعمیر کے بعد حضور ﷺ مدینہ روانہ ہو گئے۔ جب قصویٰ پر سوار حضور ﷺ مدینہ پہنچے تو تمام مسلمان شہر کی گلیوں اور بازاروں میں جمع ہو چکے تھے۔ کچھ لوگ

marfat.com

حضورﷺ کے قریب آئے اور آپ کی اونٹنی کی لگامیں پکڑ کر آپ کو اپنے گھر میں قیام کرنے کی درخواست کی۔ جب حضورﷺ نے ان کے اشتیاق کو دیکھا تو آپؐ نے محسوس کیا کہ اگر آپؐ نے کسی ایک مسلمان کے گھر ٹھہرنے کا ارادہ فرمایا تو ہوسکتا ہے دوسروں کے جذبات مجروح ہوں اور وہ آپؐ کے اس عمل کو دیکھ کر یہ سمجھیں کہ آپؐ نے ان کے درمیان کوئی امتیاز برتا ہے۔اس لئے اس موقع پر آپؐ نے اپنی اونٹنی کی لگامیں چھوڑ دینے کا حکم دیا۔آپؐ نے فرمایا کہ جہاں اللہ کی مرضی سے آپ کی اونٹنی بیٹھ جائے گی وہی جگہ آپؐ کے قیام کی حقدار تصور ہوگی۔

حضورﷺ کی اونٹنی کئی گلیوں سے ہوتی ہوئی آخر کار النجار کی گلی میں داخل ہوئی۔مدینہ کے تمام مسلمان حضورﷺ کے پیچھے پیچھے آرہے تھے اور یہ جاننے کے لئے بے تاب تھے کہ اونٹنی کس گھر کے سامنے ٹھہرتی ہے۔

قصویٰ النجار کی گلی میں کچھ دیر گھومتی رہی اور پھر ایک قطعہ اراضی میں داخل ہوگئی جو کسی کی ملکیت نہیں تھا۔اس نے قدم کچھ آگے بڑھائے اور رک گئی۔پھر جھکی اور اپنے گھٹنے زمین پر ٹیک دیئے۔حضورﷺ نے اونٹنی کے اس طرح ٹھہرنے کا جائزہ لینے کے لئے کہ آیا وہ واقعی ٹھہری ہے یا وقتی طور پر رکی ہے اسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی جگہ سے ذرا نہ اٹھی۔

جس جگہ اونٹنی نے قیام کیا وہاں کوئی گھر نہیں تھا اور وہ جگہ خشک کھجوروں کے لئے استعمال ہوتی تھی۔تاہم وہاں سے کچھ فاصلے پر ایک گھر تھا جس کے مالک کا نام ابوایوبؓ تھا۔

جب مسلمانوں نے دیکھا کہ اونٹنی وہاں ٹھہر گئی ہے تو وہ بہت خوش ہوئے کیونکہ انہیں علم تھا کہ حضورﷺ اس جگہ پر ایک مسجد اور اپنا گھر تعمیر کریں گے اور زمین کا یہ حصہ جیسا کہ آج ہم کہتے ہیں اسلام کا قلعہ بن جائے گا۔

حضورﷺ نے دریافت فرمایا 'یہ جگہ کس کی ہے؟'

ایک مسلمان آگے بڑھا اور کہنے لگا 'یا رسولؐ اللہ یہ جگہ دو یتیم بچوں کی ہے اور میں اسد بن ضرارہ انکا سرپرست ہوں۔میں یہ زمین آپؐ کے گھر اور مسجد کے لئے وقف کرتا ہوں۔' حضورﷺ نے جواب دیا 'اگر یہ زمین تمہاری ہوتی اور دو یتیم بچوں کی نہیں ہوتی پھر بھی میں اسے

marfat.com

بغیر قیمت ادا کئے قبول نہ کرتا۔ اے اسد! کیونکہ میرا بچپن یتیمی میں گزرا ہے اور میں ماں باپ کی نعمت سے محروم رہا ہوں اس لئے مجھے اچھی طرح پتہ ہے کہ ایک یتیم کے ساتھ کیا بیتتی ہے اور اسے کیسے کیسے دکھوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میں یہ زمین خریدنے پر تیار ہوں لیکن صرف اس شرط پر کہ تم مجھ سے عام زمین کی قیمت سے دوگنی قیمت وصول کرو گے۔'

اسد بن ضرارہ نے کہا کہ زمین کی قیمت پانچ دینار ہے۔

حضور ﷺ نے دوسرے مسلمانوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے تصدیق کی کہ اسد بن ضرارہ نے جس رقم کا تقاضا کیا ہے زمین کی قیمت واقعی اتنی ہے۔ حضور ﷺ نے اعلان کیا کہ وہ یہ زمین دس دینار میں خرید رہے ہیں تاکہ دو یتیم بھائیوں کے لئے زمین کا بہتر قطعہ خریدا جا سکے۔

خازن اسلام حضرت ابوبکرؓ جو حضور ﷺ کے عین پیچھے کھڑے تھے۔ انہوں نے فوراً تھیلی کھولی اور سونے کے دس سکے زمین کے مالک کے حوالے کر دیئے۔ یاد رہے کہ اس زمانے میں سونے کے دس دینار ایک بہت بڑی رقم سمجھے جاتے تھے۔ ان دنوں نہ تو مکہ کی اپنی کوئی ٹکسال تھی اور نہ مدینہ کی۔ دونوں شہروں میں یا تو رومی سکے چلتے تھے یا فارسی۔ دینار کو خسروی سکہ یا دینار خسرواں کہا جاتا تھا۔ ہرقولی رومی سکے کا نام تھا جو روم کے بادشاہ ہرقل کے نام کی نسبت سے رائج تھا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ روم سے مراد رومۃ الصغریٰ یعنی آج کا ترکی ہے۔ اس کا دارالحکومت بازنطیہ یا آج کا استنبول ہوتا تھا۔

اونٹنی سے اتر کر حضور ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے سازوسامان اتارا اور رہنے کے لئے مناسب جگہ ڈھونڈنے کی خاطر اپنے اردگرد دیکھا۔ اسی لمحے ابوایوبؓ جن کا نام ابوایوبؓ خالد بن زید تھا اور جن کا گھر قریب ہی واقع تھا آگے بڑھے اور حضور ﷺ کے ہاتھوں سے سازوسامان لیتے ہوئے التماس کیا 'یارسولؐ اللہ! میری درخواست ہے کہ آپؐ میرے گھر قیام کریں۔'

حضور ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ آیا آپ کو ٹھہرانے کے لئے ان کے گھر میں وافر جگہ ہے بھی یا نہیں۔ حضرت ابوایوبؓ نے جواب دیا 'یقیناً یارسولؐ اللہ۔' حضور ﷺ نے فرمایا 'میں تمہارے گھر صرف ایک شرط پر قیام کروں گا کہ اس سے تمہیں کوئی پریشانی نہ لاحق ہو۔' حضرت

marfat.com

ابوایوبؓ نے حیران ہو کر پوچھا' کیا آپؐ اتنا زیادہ کھاتے ہیں کہ میں پریشان ہو جاؤں'؟'

حضور ﷺ نے جواب دیا' چاہے میں جتنا تھوڑا مرضی کھاؤں وہ تمھارے لئے پریشانی کا باعث ہوگا۔'

جب ابوایوبؓ نے محسوس کیا کہ حضور ﷺ ان کے گھر سے نہ کھانے پر مصر ہیں تو انہوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ حضور ﷺ ان کے گھر صرف سونے کے لئے تشریف لے جاتے۔ آپؐ مسلمانوں کے ساتھ دن بھر مسجد کی تعمیر میں مصروف رہتے۔ آپ کو پتہ تھا کہ بہت جلد آپ کو اسلامی معاشرہ یا امت کی تربیت کرنی پڑے گی۔

مدینہ پہنچنے کے دوسرے ہی دن حضور ﷺ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ جہاں آپؐ کی اونٹنی ٹھہری تھی مسجد تعمیر کرنا شروع کر دی۔ تمام لوگ بشمول حضور ﷺ اپنے ہاتھوں سے مٹی اور اینٹیں اٹھا کر لاتے، گارا بناتے اور تعمیر میں مصروف رہتے۔

مذکورہ بالا مسجد کا طرز تعمیر دوسری اسلامی مسجدوں کے لئے ایک نمونہ بن گیا۔ مسجد کی بنیادیں تین کیوبک (جو تین ذراع یا ایک سو پچاس سینٹی میٹر کے برابر ہوتی ہیں) کی گہرائی میں رکھی گئیں۔ اس کی دیواریں کچی اینٹوں سے کھڑی کی گئیں۔ اس کی چھت کھجور کے تنوں سے ڈالی گئی اور کھجور کے پتوں سے ڈھانپ دی گئی جنہیں جرید کہا جاتا تھا۔

یہ مسجد سات مہینوں میں تعمیر کی گئی۔ کیونکہ مدینہ میں اکثر بارشیں ہوا کرتی تھیں مسلمانوں نے اسے انتہائی مضبوط اور پائیدار تعمیر کیا۔ اگر مسجد مضبوط تعمیر نہ ہوتی تو ہوسکتا ہے بارشیں اسے نقصان پہنچا دیتیں۔ مکہ سے آئے ہوئے کچھ لوگوں کے پاس رہنے کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ حضور ﷺ نے گارے اور اینٹوں سے ان لوگوں کے رہنے اور رات کو سونے کے لئے مسجد میں ایک چبوترہ بنایا جس کا نام صفہ تھا۔ آپؐ نے دھوپ کی تمازت سے بچانے کے لئے اس پر ایک سائبان بھی تعمیر کیا۔ سائبان کھجور کی شاخوں اور پتوں سے بنا ہوا تھا۔

کیونکہ اس جگہ کا نام صفہ تھا اس لئے یہاں پر ٹھہرنے والے لوگوں کو اہل صفہ کہا جانے

marfat.com

لگا۔ان لوگوں سے جس کسی کا بھی تعلق تھا آج اسلام میں اسے ایک خاص نام سے پہچانا جاتا ہے۔صفہ جو کبھی غریبوں اور بے یار و مددگار لوگوں کی پناہ گاہ تھی علم و ادب کا گہوارہ بن گیا۔اسلام کی پہلی جامعہ کی بنیاد اسی جگہ پڑی۔

مکہ سے ہجرت کرنے والے زیادہ تر مہاجرین انتہائی مفلس حالت میں تھے۔وہ اپنے روزگار اور خاندان پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ان کے دل اداس تھے۔مزید یہ کہ یہودیوں کی پھیلائی ہوئی افواہوں سے وہ اور بھی رنجیدہ ہو گئے تھے کہ ان کی عورتیں بانجھ ہو گئی ہیں۔

اسی دوران ایک مسلمان زبیر کی بیوی نے ایک خوبصورت صحت مند بچے کو جنم دیا۔اس واقعہ سے مسلمانوں کے خدشات اپنے آپ رفع ہو گئے۔حضورﷺ نے مہاجرین کی ناگفتہ بہ حالت دیکھتے ہوئے انصار کو حکم دیا کہ وہ مکہ والوں کے ساتھ عہد اخوت کریں اور انہیں نا صرف اپنے گھروں میں پناہ دیں بلکہ ان کے روزگار کا بندوبست بھی کریں تا کہ مکہ والے اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے قابل ہو جائیں۔حضورﷺ کا فرمان اس قدر پر اثر ثابت ہوا کہ مدینہ کے تمام مسلمانوں نے آپؐ کی نصیحت قبول کر لی۔اس طرح ایک سو چھیاسی مکی مہاجروں نے اپنے آپ کو عہد اخوت میں باندھ لیا اور مدینے والوں کے گھروں میں چلے گئے۔قرآن شریف میں مدینہ کے ان مسلمانوں کی تعریف جنہوں نے مکہ کے مہاجروں کو پناہ دی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

> اور جو لوگ (اول) مسلمان ہوئے اور انہوں نے (ہجرت نبویہ کے زمانے میں) ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے اور جن لوگوں نے (ان مہاجرین کو) اپنے یہاں ٹھیرایا اور ان کی مدد کی یہ لوگ ایمان کا پورا حق ادا کرنے والے ہیں۔ان کے لئے (آخرت میں) بڑی مغفرت اور (جنت میں) بڑی معزز روزی ہے۔

سورۃ انفال ۷۴:۸

مسجد کی تعمیر کے دوران مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ انصار کے گھروں میں ٹھہرے ہوئے مہاجر ایک دن بغیر مزدوری کے کام کریں گے اور دوسرے دن وہ اپنے اور اپنے میزبان کے گھر والوں کے لئے کمائی کی خاطر کسی اور جگہ کام کریں گے۔مدینہ کے مسلمانوں نے بھی اسی جذبے کا

marfat.com

اظہار کیا اور ہر انصاری جس نے کسی مہاجر کو پناہ دے رکھی تھی نے ایک دن اپنے اور اپنے مہمان کے لئے کام کیا اور دوسرے دن بغیر مزدوری کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کام کیا۔

marfat.com

مدینہ اور قبلہ کی تبدیلی

عربی میں یثرب کا مطلب ایک ایسی جگہ ہے جو انسان کا شکار کرتی ہے یا جہاں انسان بیمار پڑ جاتا ہے۔ یہ نام بدوؤں کا رکھا ہوا تھا۔ صحرا کے بدوؤں کا خیال تھا کہ چونکہ اس جگہ کی فضا ناموافق ہے اس لئے یہ شہر یثرب ہے۔ اس شہر کے اصلی باشندوں نے اس کا نام طیبہ رکھا تھا جس کا مطلب ہے کوئی ایسی جگہ جو قابل محبت اور خوبصورت ہو۔ جب کبھی کوئی عرب کی تپتی ہوئی ریتوں کو چھوڑ کر اس شہر میں داخل ہوتا تھا تو ایسا محسوس کرتا تھا جیسے جنت میں داخل ہو گیا ہو۔ بدو جو صحرا کی خشک اور بنجر آب و ہوا میں پلے بڑھے ہوتے اس شہر کی نرم مرطوب آب و ہوا برداشت نہ کر پاتے اور بیمار پڑ جاتے۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اس آب و ہوا کے عادی ہو گئے اور ان کے لئے کسی قسم کی کوئی پریشانی باقی نہ رہ گئی۔

مکہ سے یثرب ہجرت کرنے والے زیادہ تر بیمار پڑ گئے۔ حضورﷺ حضرت ابو بکرؓ اور آپؓ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ بھی مدینہ پہنچ کر بیمار ہو گئے۔

حضورﷺ نے یثرب پہنچ کر اس کا نام مدینہ رکھ دیا۔ آپؐ نے ایسا اس لئے کیا کہ کہیں یثرب نام کے اوپر مہاجرین اور انصار کے درمیان کوئی نزاع نہ پیدا ہو جائے۔ اس وقت مدینہ تقریباً تیس مربع کلومیٹر کے رقبے پر واقع تھا۔

مدینہ بلندی پر واقع ہے اور اس کے شمال اور جنوب میں دو پہاڑی چوٹیاں ہیں۔ اس کے تین اطراف یعنی مشرق، مغرب اور شمال میں جما ہوا ٹھوس لاوا پھیلا ہے۔

ان دنوں مدینہ کی آب و ہوا معتدل ہوا کرتی تھی جیسے آجکل معتدل ہے۔ عربوں کے دوسرے علاقوں کی نسبت مدینہ میں بارشوں کی تعداد زیادہ ہوتی تھی۔

مکہ والوں کی طرح مدینہ کے باشندے بھی بہت سے قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے اور ہر شخص کسی نہ کسی قبیلے سے منسلک تھا۔ چونکہ کوئی پولیس، کوئی جیل اور کوئی عدالت نہیں تھی اس لئے

marfat.com

جس کے ساتھ ظلم ہوتا وہ اپنے حقوق کے تحفظ یا ظلم کا بدلہ چکانے کے لئے اپنے قبیلے کا رخ کرتا۔

جس طرح کہ مکہ میں عام تھا، مدینہ میں بھی انسانی زندگی لینا کوئی گناہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔قاتل مقتول کے قبیلے والوں کو قصاص دے کر ہر طرح کے الزام سے پاک ہو جاتا تھا۔کم سے کم قصاص ایک سو اونٹ ہوتا تھا لیکن اگر قاتل کے قبیلے والے امیر ہوتے تو اس سے زیادہ کا تقاضا کیا جاسکتا تھا۔

مدینہ میں عربوں کے تین قبیلے تھے جو کھیتی باڑی کر کے یا بھیڑ بکریاں پال کے اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ان میں سے کچھ تاجر اور بیوپاری بھی تھے۔یہودیوں کے بھی تین قبیلے تھے۔ ہر ایک کا نام اس کے پیشے کی مناسبت سے تھا۔وہ نہ صرف سونے اور ہیرے موتیوں کا کاروبار کرتے بلکہ اپنے باغیچوں کی پیداوار سے بھی خوب کماتے تھے۔

وقتاً فوقتاً مدینہ کے عرب کسی نہ کسی سے نبرد آزما بھی رہتے۔ایسی ہی ایک لڑائی زمین کے جھگڑے پر اسلام سے پہلے ہو چکی تھی۔دونوں قبیلوں میں سے کسی کو لڑائی سے کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا اگر فائدہ ہوا تھا تو صرف ایک آدمی عبداللہ بن ابی کو۔اس نے لڑائی سے اس قدر فائدہ حاصل کیا تھا کہ مدینہ کے کچھ لوگ اسے اپنا بادشاہ سمجھنے لگے تھے۔مدینہ کے سناروں نے تو اس کی تاجپوشی کی توقع میں اس کے سر کا ماپ بھی لے لیا تھا۔تاہم حضور ﷺ کی آمد کی خبر سن کر اس کی تاجپوشی کا خیال ان کے دل سے جاتا رہا۔

اشتق نامی ایک آدمی مدینہ میں کسی جرم پر سزا یا قصاص کی رقم متعین کرنے کا کام کیا کرتا تھا۔

ہجرت سے پہلے حضرت ابوبکرؓ بھی اس عہدے پر کام کر چکے تھے۔جب بھی کوئی قتل ہوتا کسی کی آنکھ پھوٹتی یا دانت ٹوٹتا وہ قصاص یا دیت مقرر کرنے کے لئے شکائت حضرت ابوبکرؓ کے پاس جمع کرا دیتا۔دیت کی شرح مدینہ میں بھی ویسی ہی تھی جیسی مکہ میں۔انسانی زندگی کا قصاص ایک سو اونٹ، آنکھ کا قصاص پچاس اونٹ اور دانت توڑنے کا بدلہ دانت توڑنا تھا۔

مدینہ میں حضور ﷺ کی آمد کی خوشی کے ساتھ یہودیوں کے دل میں یہ توقع پیدا ہونے لگی

marfat.com

کہ شائد آپؐ ان کے مذہب کو قبول کرلیں گے۔

حضور ﷺ نے اللہ کے حکم کے مطابق ان کے ساتھ انتہائی مروت بھرا سلوک روا رکھا جس سے ان کی توقعات اور زیادہ جڑ پکڑ گئیں۔

جب یہودیوں نے قبا کی محراب اور بیت المقدس کی طرف قبلے کا رخ دیکھا تو انہوں نے سمجھا شائد حضور ﷺ بہت جلد حضرت موسیٰ کا مذہب قبول کرلیں گے۔ قرآن شریف میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے علاوہ دوسرے قدیم پیغمبروں کا ذکر دیکھ کر بھی انہیں خوشی ہوئی۔ یہودیوں کا خیال تھا کہ اگر کسی قوم میں کوئی پیغمبر آ سکتا ہے تو صرف ان میں۔ جب حضور ﷺ مسجد کی تعمیر میں مصروف تھے تو کچھ یہودی عالم آپؐ سے اس غرض سے ملے بھی کہ آپؐ حضرت موسیٰ کا مذہب کب قبول کریں گے۔

حضور ﷺ کے یہودی عالموں کو دیئے گئے جوابات سے صاف ظاہر تھا کہ آپؐ ایسا کبھی نہیں کریں گے۔ انہوں نے کہا، 'محمدؐ! اگر تم پیغمبر بننا چاہتے ہو تو پہلے یہودی بنو۔ آج تک تمام پیغمبر یہودیوں سے اس لئے ہوئے ہیں کہ صرف یہودی عالم ہی اللہ سے گفتگو کرنے کی اہلیت اور حق رکھتا ہے۔ ہوسکتا ہے اللہ دوسری قوموں سے بھی مخاطب ہو لیکن ایسا صرف یہودیوں کے توسط سے ہوسکتا ہے۔ دنیا کی دوسری تمام قومیں یہودیوں سے کمتر ہیں۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، 'میں نے نبوت کا دعویٰ اپنی مرضی سے نہیں کیا، بلکہ اس کام کے لئے مجھے اللہ نے منتخب کیا ہے۔ اللہ کی نظر میں تمام قومیں برابر ہیں اور یہ اس کی مرضی ہے کہ وہ کہاں اور کس سے مخاطب ہوتا ہے۔ یہ امتیاز صرف یہودیوں کو ہی حاصل نہیں ہے'۔

جمعہ کی فرضیت اور فضیلت:

مسجد قبا میں سب سے پہلی نماز مسلمانوں نے جمعہ کے دن ادا کی۔ حضور ﷺ نے اس دن کو مسلمانوں کے لئے اجتماعی عبادت کا دن قرار دیا۔ ایک بار پھر یہودیوں کی توقعات پوری نہ ہوئیں۔ ان کا خیال تھا کہ اجتماعی عبادت کے لئے مسلمانوں کا دن بھی ہفتہ ہی ہوگا۔

marfat.com

قبا میں ایک یہودی مسلمان ہو گیا۔ یہ وہی یہودی تھا جس نے حضور ﷺ کو سب سے پہلے مدینہ میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ مسلمان مورخین نے اس کا نام شلوم بتایا ہے۔

ایک جمعہ کو جب مسلمان نماز کے لئے اکٹھے ہوئے تو کچھ یہودی بھی ان کے ساتھ آ ملے۔ اپنے خطبہ میں حضور ﷺ نے یہودیوں کی برتری کو جھٹلاتے ہوئے بتایا کہ دنیا کی تمام قومیں اللہ کی نظر میں برابر ہیں۔ تاہم نیک اور پرہیزگار اس کی نظر میں زیادہ مقام رکھتے ہیں۔

جب یہودی مسجد سے باہر آئے تو انہیں یقین ہو چکا تھا کہ حضور ﷺ کبھی ان کا مذہب قبول نہیں کریں گے اس لئے اسی دن سے انہوں نے حضور ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں پر کمر باندھ لی۔ انہوں نے ایسی افواہیں پھیلا کر اپنی دشمنی کا اظہار کرنا شروع کر دیا کہ اللہ نے پیغام بھیجا ہے کہ تمام مسلمان عورتیں بانجھ ہو جائیں گی اور جو عورت اسلام قبول کرے گی ہمیشہ کے لئے بے اولاد ہو جائے گی۔

یہ افواہ اس وقت پھیلائی گئی جب مسلمان مہاجر موسمی تبدیلیوں کی وجہ سے بیمار پڑ رہے تھے۔ جو مسلمان عورتیں بیمار تھیں نفسیاتی طور پر مزید دباؤ کا شکار ہو گئیں اور ان کی بیماری بھی بڑھ گئی۔

حضور ﷺ نے مسلمانوں کو مسجد میں جمع ہونے کے لئے کہا اور مسلمان عورتوں سے متعلق افواہ کا ذکر فرمایا۔ آپؐ نے انہیں بتایا کہ یہ افواہ انتہائی بے بنیاد اور بے معنی ہے۔ آپؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی عورتوں کو دلاسہ دیں، اور یہ بھی کہا کہ ان کی تسلی اور تشفی کا اجر اللہ انہیں آخرت میں دے گا۔

بعد میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اپنا قبلہ بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ شمار کریں۔ جس مسجد میں قبلہ کی تبدیلی کا حکم ہوا مسلمان مورخین نے اس مسجد کا نام مسجد قبلتین رکھا ہے۔

اسلامی مورخین نے لکھا ہے کہ قرآن کے احکامات ایک ہی بار نازل نہیں ہو گئے تھے بلکہ آہستہ آہستہ تیئس سال میں نازل ہوئے تھے۔

marfat.com

مغربی ملکوں میں جہاں علم اور ٹیکنالوجی نے ترقی کی ہے وہاں ذرائع ابلاغ جیسے اخبار، میگزین، کتب، ریڈیو، ٹیلیوژن، اور ٹیلیفون وغیرہ بھی ہر جگہ پھیل چکے ہیں۔

آج بھی کوئی حکومت چاہے وہ کتنی ہی ترقی یافتہ ہو ایک دن میں سینکڑوں قانون نافذ کر کے ان پر عمل نہیں کروا سکتی۔ اور اگر وہ ایسا کرتی ہے تو لوگوں اور انتظامیہ کو زندگی سے مفلوج کر دے گی۔ معاشرے میں انتشار پھیل جائے گا جو مزید بے شمار مشکلات کا باعث بنے گا۔

اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے زمانہ جاہلیت میں سینکڑوں قوانین پر ایک ہی دن عمل درآمد کرانے میں آنے والی مشکلات کا اندازہ آپ لگا ہی سکتے ہیں۔

حضورﷺ کی نبوت کے بعد بھی بہت سے پہلے قوانین فعال رہے جب تک کہ نئے قوانین آنے کی صورت میں انہیں بدل نہیں دیا گیا۔

ان وجوہات کی بنا پر اور حضورﷺ کے ہاتھوں ملنے والی بہت سی مراعات کی بنیاد پر یہودی اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے کہ شائد حضورﷺ ان کا مذہب قبول کرنے والے ہیں۔

مسلمانوں کے قبلہ کی تبدیلی سے پہلے مندرجہ ذیل قرآنی آئت نازل ہوئی۔

> اور اللہ کی مملوک ہیں (سب سمتیں) مشرق بھی اور مغرب بھی۔ کیونکہ تم لوگ جس طرف منہ کرو ادھر (ہی) اللہ تعالی کا رخ ہے کیونکہ اللہ تعالی (تمام جہات کو) محیط ہیں کامل العلم ہیں۔

سورہ بقرہ۔ ۲:۱۱۵

اللہ تعالی نے سورۃ البقرہ میں مندرجہ ذیل آیات کے ذریعے مسلمانوں کو اپنا قبلہ خانہ کعبہ رکھنے کا حکم دیا۔

> اب تو (یہ) بے وقوف لوگ ضرور ہی کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے (سابق سمت) قبلہ سے (کہ بیت المقدس تھا) جس طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے کس (بات) نے بدل دیا آپ فرما دیجئے کہ سب مشرق اور مغرب اللہ ہی کی ملک ہیں جس کو خدا ہی چاہیں (یہ) سیدھا

marfat.com

طریق بتلا دیتے ہیں۔

سورۃ بقرۃ ۲:۱۴۴

ہم آپؐ کے منہ کا (یہ) بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں اس لئے ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے جس کے لئے آپ کی مرضی ہے (لو) پھر اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (کعبہ) کی طرف کیا کیجئے اور تم سب لوگ جہاں کہیں بھی موجود ہو اپنے چہروں کو اسی (مسجد حرام) کی طرف کیا کرو اور یہ اہل کتاب بھی یقیناً جانتے ہیں کہ یہ (حکم) بالکل ٹھیک ہے (اور) ان کے پروردگار ہی کی طرف سے (ہے) اور اللہ تعالیٰ ان کی کارروائیوں سے کچھ بے خبر نہیں ہے۔

سورۃ بقرۃ ۲:۱۴۸

اور ہر شخص (ذی مذہب) کے واسطے ایک ایک قبلہ رہا ہے جس کی طرف وہ (عبادت میں) منہ کرتا رہا ہے سو تم نیک کاموں میں تگاپو کرو۔ تم خواہ کہیں ہو گے (لیکن) اللہ تعالیٰ تم سب کو حاضر کر دیں گے۔ بالیقین اللہ تعالیٰ ہر امر پر پوری قدرت رکھتے ہیں اور جس جگہ سے بھی (کہیں سفر میں) آپؐ باہر جاویں تو (بھی) اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (یعنی کعبہ) کی طرف رکھا کیجئے اور یہ (حکم عام قبلہ کا) بالکل حق ہے (اور) آپؐ کے پروردگار کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ تمھارے کئے ہوئے کاموں سے اصلاً بے خبر نہیں اور (مکرر کہا جاتا ہے کہ) آپؐ جس جگہ سے بھی (سفر میں) باہر جاویں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف رکھیئے اور تم لوگ جہاں کہیں (موجود) ہو اپنا چہرہ اسی کی طرف رکھا کرو تاکہ (ان مخالف) لوگوں کو تمھارے مقابلہ میں گفتگو (کی مجال) نہ رہے مگر ان میں جو (بالکل ہی) بے انصاف ہیں تو ایسے لوگوں سے (اصلاً)

marfat.com

اندیشہ نہ کرو اور مجھ سے ڈرتے رہو۔ اور تاکہ تم پر جو (کچھ) میرا انعام ہے اس کی تکمیل کر دوں اور تاکہ (دنیا میں) تم راہ راست (حق) پر رہو۔

سورۃ بقرۃ ۱۵۰-۱۴۸:۲

قبلہ کی تبدیلی تاریخ اسلام میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ اس نے امت مسلمہ کو ایک ایسی شناخت دی جو دوسری قوموں خصوصاً یہودیوں اور عیسائیوں سے مختلف تھی۔

اسلام ایک ایسے پیغمبر پر نازل ہوا جس کا شجرہ نسب حضرت ابراہیمؑ سے جا ملتا تھا۔ خانہ کعبہ بھی وہی گھر ہے جس کی بنیادیں حضرت ابراہیمؑ نے رکھی تھیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنا قبلہ خانہ کعبہ بنانے کا حکم دیا تو اسلام کا یہودیت اور عیسائیت سے ہر طرح کا تعلق ختم کر دیا۔

خانہ کعبہ کو سارے عرب انتہائی عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہ اپنے آبائی شہر مکہ کو کبھی نہیں بھول سکتے تھے۔ جب قبلہ تبدیل کرنے کا حکم نازل ہوا تو ان کے دلوں کو بے حد سکون و اطمینان ملا۔

مسجد تعمیر کرنے کے ساتھ ساتھ حضورﷺ نے اس کے ارد گرد غریبوں اور ضرورتمندوں کے لئے گھر بھی بنانے شروع کر دیئے۔

حضورﷺ اور کچھ دوسرے مسلمان مکہ سے ہجرت کرتے ہوئے اپنے خاندان وہیں چھوڑ آئے تھے۔ جو پیچھے مکہ میں رہ گئے تھے انہیں مدینے آنا پڑا۔ کسی خاندان میں لوگوں کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک درخت میں شاخیں جو اپنے آپ کو تنے سے جوڑے رکھتی ہیں۔ کسی شاخ کو کاٹنے کا مطلب ایسے ہی ہے جیسے آپ کسی جسم سے اس کے بازو کو کاٹ دیں۔

اس لئے کچھ دنوں بعد حضورﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے خاندان زیدؓ بن حارثہ، اسامہؓ بن زیدؓ، ام ایمنؓ اور عبداللہؓ بن ابی بکر کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے۔

حضورﷺ کی چار بیٹیاں تھیں جن کے نام زینبؓ، رقیہؓ، اُم کلثومؓ اور فاطمہؓ تھے۔

حضرت رقیہؓ اپنے شوہر کے ساتھ مدینہ پہنچ گئی تھیں جبکہ باقی تین ابھی مکہ میں ہی تھی۔

marfat.com

جب مسجد کی تعمیر مکمل ہوگئی اور مکہ کے مسلمان اپنے خاندانوں کو مدینہ لے آئے تو حضورﷺ نے اپنے صحابہ کے مشورے سے مدینے کا پہلا آئین تشکیل دیا۔ تاریخ اسلام میں یہ آئین میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ آئین کچھ اس طرح سے تشکیل دیا گیا تھا کہ تمام مذاہب کے ماننے والے برابری کے اصولوں کے تحت بڑی آزادانہ زندگی بسر کر سکتے تھے۔

یہودیوں اور مسلمانوں کے علاوہ مدینہ میں لوگوں کا ایک تیسرا گروہ بھی رہتا تھا۔ اسلام میں انہیں منافقین کا نام دیا گیا ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جن کا ذکر قرآن شریف میں منافقین کے حوالے سے ہوا ہے، مدینہ میں رہنے والے تمام عرب مسلمان تھے۔

منافق وہ ہے جو علیحدہ کرے۔ عربی زبان میں منافق کا مطلب ایک لومڑی کی طرح کا جانور ہے جو اپنے آپ کو خطرے سے بچانے کے لئے کسی سوراخ کی تلاش کرتا ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو اس طرح بیان کیا ہے۔

> بلاشبہ جو لوگ مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے اللہ تعالیٰ ایسوں کو ہرگز نہ بخشیں گے اور نہ ان کو (منزل مقصود یعنی بہشت کا) راستہ دکھائیں گے۔

سورہ نساء ۴:۱۳۷

> بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے اور تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پاوے گا۔

سورہ نساء ۴:۱۴۵

یہاں یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی سزا کا بندوبست کافروں کے لئے بھی نہیں کیا جیسی منافقوں کے لئے مقرر کی ہے۔

قدیم اٹلی کے مشہور شاعر الیگیری دانتے نے قرآن شریف کے حوالے سے اپنی کتاب ڈِوائنہ کامیدیہ میں واقعہ معراج کے انداز میں اعراف، جنت اور دوزخ کا نقشہ پیش کیا ہے۔ اس نے بھی منافقوں اور دوغلے لوگوں کو جو نہ تو کھل کر حمایت کرتے ہیں نہ مخالفت جہنم

marfat.com

کے سب سے نچلے حصے میں بیان کیا ہے۔

تاہم مذکورہ بالا آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب کے معاملے میں منافقت سے کام لینا اللہ کی نظر میں ناقابل معافی جرم ہے۔ انہی لوگوں نے بعد میں یہودیوں کا ساتھ دیا اور پھر قریش سے مل کر حضور ﷺ کی لگاتار مخالفت میں حصہ ڈالا۔

marfat.com

میثاق مدینہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں حضرت ابراہیمؑ کی قوم کا کئی بار ذکر کیا ہے۔حضرت ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی۔ حضرت ابراہیمؑ کا مذہب جو اسلام کی اساس بنا اپنے اندر یہودیت اور عیسائیت کو سمونے کی گنجائش رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کو بھی آفاقی مذہب کا درجہ حاصل ہوا ہے۔

عیسائیت نسل پرستی کا شکار ہو چکی تھی اور یہودی اپنے آپ کو دنیا کی اعلیٰ ترین قوم کہتے تھے۔ان کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ اللہ سے ہمکلام ہونے کا حق صرف اور صرف انہی کو حاصل ہے۔چونکہ عیسائیت یہودیت کو مکمل کرنے کے لئے ہی نازل ہوئی تھی اس لئے اسے آفاقی شہرت حاصل نہ ہوئی۔اسلام نے عیسائیت اور یہودیت لانے والے پیغمبروں کو بھی قبول کیا۔اسلام نے دعویٰ کیا کہ زمین پر آنے والا ہر پیغمبر دراصل اپنے لوگوں کو اسلام کا ہی پیغام دے کر گیا تھا۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پیغام بدل گیا،تحریر میں تبدیلیاں رونما ہوگئیں۔اسلام نے مذہب کی کوئی خاص حدود متعین نہیں کیں۔اسلام کی نظر میں نہ کوئی خاص نسل ہے نہ خاص قوم۔اسلام سب کو اللہ کی نظروں میں برابر بتاتا ہے۔اس لئے اسلام میں آفاقی مذہب ہونے کے تمام اوصاف موجود تھے۔اس دنیا کا ہر آدمی اپنے رنگ وعقیدے سے بے نیاز انتہائی آسانی سے اسلام قبول کر سکتا ہے۔

ہجرت نئے اور پرانے ماحول میں حد فاصل کا درجہ اختیار کر گئی۔اس نے اسلام کو زمانہ جاہلیت سے جدا کیا اور اونچے طبقے کے لوگوں کو اس طرح پلٹا دیا کہ جب حضورﷺ قبا میں داخل ہوئے تو حضرت عمرؓ جیسے آدمی جو مکہ کے سرداروں میں شمار ہوتے تھے اپنے کندھوں پر پتھر اٹھاتے نظر آئے۔حضرت عمرؓ دراز قد اور بارعب آواز والے انسان تھے۔ان کے بارے میں لوگ کہتے

marfat.com

تھے کہ ان سے تو شیطان بھی ڈرتا ہے۔ اسلام کی پہلی مسجد کی تعمیر میں آپؐ جیسے عالی مرتبت لوگوں نے ایک عام مزدور کی طرح کام کیا۔ خود حضور ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کچی مٹی سے گارا بنا رہے ہوتے۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے اگر حضرت عمرؓ کو سارے عرب کی دولت بھی دے دی جاتی تو وہ مٹھی بھر مٹی ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھنے پر راضی نہ ہوتے۔ مکہ میں ہر کام غلاموں اور نوکروں کی ذمہ داری سمجھا جاتا تھا۔ امراء اپنے آپ کو سب سے اعلیٰ نسل کا خیال کرتے تھے۔

حضور ﷺ کو اس بات کا اچھی طرح علم تھا کہ آپ کی ہجرت معاشرے کی بتدریج ترقی کا سبب بنے گی اور معاشرہ دولت و نسل، سیاہ و سفید، پست و بالا اور امیر و غریب کے فرق کی حکمرانی کو منسوخ کر دے گا۔ ایسے انسانی مجمع کا نام امت ہو گا۔ یعنی ایک ایسا معاشرہ جہاں تمام مسلمان برابر ہوں گے۔ جنس کی بنیاد پر کوئی امتیاز نہیں ہو گا۔ ہر ایک کے حقوق مساوی ہوں گے۔ معاشرے یا امت میں اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہو گا اور اس کے بعد حضور ﷺ کو۔ امت مسلمہ اور عام لوگ اسلامی قوانین کے زیر اثر آتے ہیں۔ یہ قانون کسی آدمی، قبیلے یا قوم کی دسترس سے باہر نہیں ہے۔ جو کوئی امت مسلمہ میں داخل ہوتا ہے بشرطیکہ وہ اسلامی احکامات کی پابندی کرتا ہو امت کے دوسرے لوگوں کی طرح برابری کے حقوق سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ صرف حضور ﷺ ہی ایسے معاشرے کی بنیاد رکھ سکتے تھے جو دنیا میں انقلاب برپا کر دے۔

حضور ﷺ ایک یتیم تھے۔ آپؐ کے والدین بچپن میں ہی وصال فرما گئے تھے۔ حضور ﷺ پر نازل ہونے والی ایک سورت میں اللہ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ کوئی آدمی فقیر یا یتیم پر سختی نہ کرے۔

اور سائل کو مت جھڑکیے (یہ تو شکر فعلی ہے)۔

سورۃ الضحیٰ ۱۰:۹۳

آج گداگری کو انتہائی قبیح فعل خیال کیا جاتا ہے اور جو بھیک مانگتا ہے اسے انتہائی گھٹیا سمجھا جاتا ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ بھیک مانگنے والا چاہے وہ لنگڑا ہی ہو یا تو کام کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتا یا اس کے پاس کام کرنے کی مکمل سہولتیں موجود نہیں ہیں۔ اس کے عادات و اطوار

marfat.com

سے یہ بھی اندازہ لگایا جاتا ہے کہ شاید وہ نشہ کرتا ہو جس نے اسے کام کرنے کے قابل نہیں چھوڑا۔

چودہ سو سال پہلے گداگری جزیرہ عرب میں بھی قباحت سے بھرپور فعل شمار ہوتی تھی۔ ان دنوں بھکاریوں کی تعداد بہت کم ہوتی تھی۔ چاہے لوگوں کے پاس بنیادی ضروریات پوری نہ ہوتیں وہ مانگنے سے گریز کرتے۔ تاہم ایسے واقعات ہو جاتے تھے جو لوگوں کو دوسروں سے مدد مانگنے پر مجبور کرتے تھے۔

جب ڈاکو صحرا میں کسی مسافر کو لوٹتے تو مسافر کے پاس سوائے کسی دوسرے سے مدد مانگنے کے اور کوئی راستہ باقی نہ رہتا۔ جب کسی علاقے میں سیلاب آتا اور لوگوں کی زمینیں اور املاک تباہ ہو جاتیں تو لوگ سوائے کسی دوسرے سے مدد کی درخواست کرنے کے اور کچھ نہ کر پاتے۔ ریڈ کریسنٹ اور ریڈ کراس جیسی تنظیمیں ان دنوں موجود نہیں تھیں جو مصیبت زدہ لوگوں کو مالی امداد مہیا کرتیں یا ان کی فوری لُجات اور کھانے پینے اور پہننے کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بروقت مدد فراہم کرتیں۔

چودہ سو سال پہلے زمانہ جاہلیت کے رسم و رواج کے خلاف حضورﷺ کی آواز نے ایک سماجی اور ثقافتی تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ قرآن شریف کی ۶۶۶۶ آیتیں آپؐ کی اس آواز کو بار بار دہراتی ہیں۔

فرانس کے دو پڑھے لکھے عربی زبان و ادب کے استاد حضورﷺ کو صرف مذہبی قوانین کا مبلغ گردانتے ہیں۔ یہ بات کسی طرح بھی حق بجانب نہیں۔ حضورﷺ نہ صرف مذہبی قوانین کے مبلغ تھے بلکہ آپؐ سماجی، ثقافتی، انقلابی اور متحرک ضابطہ حیات کے بھی اولین داعی تھے۔ یاد رہے کہ حضورﷺ سے پہلے تمام انبیاء پر آسمانی قوانین ایک ہی بار نازل کر دیئے جاتے تھے۔ وہ نبیؑ ان قوانین کو کسی خاص وقت میں کسی ایک جگہ پر نافذ کرتے تھے لیکن حضورﷺ پر اللہ تعالیٰ کے احکامات تیئس سال میں نازل ہوئے۔ ۶۱۰ء سے ۶۳۲ء کے دوران نازل ہونے والے یہ احکامات ہر جگہ اور ہر زمانے کے لئے ہیں اور قیامت تک نافذ رہیں گے۔

مختلف مواقع پر قرآن شریف کے نزول کی خود قرآن شریف میں اس طرح وضاحت کی گئی

marfat.com

ہے:

اور کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان (پیغمبرؐ) پر یہ قرآن دفعۃً واحدۃً کیوں نہیں نازل کیا گیا اس طرح (تدریجاً) اس لئے (ہم نے نازل کیا) ہے تاکہ ہم اس کے ذریعے سے آپؐ کے دل کو قوی رکھیں اور (اس لئے) ہم نے اس کو بہت ٹھیرا ٹھیرا کر اتارا ہے۔

سورۃ فرقان ۲۵:۳۲

اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کا نزول ایسے ہی طے شدہ تھا تاکہ حضور ﷺ آیات مبارکہ کو ساتھ ساتھ حفظ کرتے جائیں۔ دوسرے قرآن کی آیات مختلف مواقع اور حالات کے مطابق نازل کی گئی تھیں۔ حضور ﷺ سے پہلے انبیاء اُمّی نہیں ہوتے تھے اس لئے آسمانی کتابیں یک لخت نازل کر دی جاتی تھیں۔ حضور ﷺ دنیاوی اعتبار سے پڑھے لکھے نہیں تھے اس لئے آیات مبارکہ وقفے وقفے سے نازل کی جاتی رہیں تاکہ آپؐ انہیں ذہن نشین کرتے جائیں۔ حضور ﷺ کی قیادت میں سماجی، ثقافتی اور انقلابی تحریک نے مسلمانوں کو ایسا جذبہ اور ولولہ پہنچایا کہ ہجرت کے صرف ایک صدی بعد مسلمان دنیا کی تین عظیم الشان سلطنتوں یعنی ایران، شام اور مصر کے مالک تھے۔ ان ملکوں کے لوگوں نے بغیر کسی دباؤ کے اسلام قبول کیا۔ حضور ﷺ نے اسوہ حسنہ کی زندہ مثال پیش کر کے ان علاقوں کے رہنے والوں کو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی ترغیب دی۔ دنیا کا اور کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جو اتنی تیزی سے پھیلا ہو۔ اگر حضور ﷺ مذہب سے متعلقہ احکامات ہی لائے ہوتے تو اسلام آج یہ پذیرائی نہ رکھتا جو اسے حاصل ہے۔ اسلام کی کامیابی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہ معاشرے کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہوئی سماجی اور ثقافتی تحریک کی علامت ہے۔ آج کی دنیا حضور ﷺ کی اس سماجی تحریک میں کارفرما ان اصولوں کی تلاش کر رہی ہے جنہوں نے انسانوں کی برابری اور اتحاد کا نہ صرف کھوج لگایا بلکہ اس کی ترویج بھی کی۔ قرآن شریف کا بیان ہے کہ تمام انسان ایک ہی قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ دنیا کی مختلف قوموں کے اندر پائے جانے والے اختلافات اور تضادتات ان کی برائیوں، ناانصافیوں اور ناعاقبت اندیشیوں کا ثمر ہیں۔

marfat.com

(ایک زمانہ میں) سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو کہ خوشی (کے وعدے) سناتے تھے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ (آسمانی) کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں۔ اس غرض سے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں ان کے امور اختلافیہ (مذہبی) میں فیصلہ فرمائیں اور اس کتاب میں (یہ) اختلاف اور کسی نے نہیں کیا مگر صرف ان لوگوں نے جن کو (اولاً) وہ کتاب ملی تھی بعد اس کے کہ ان کے پاس دلائل واضحہ پہنچ چکے تھے باہمی ضدا ضدی کی وجہ سے پھر اللہ تعالیٰ نے (ہمیشہ) ایمان والوں کو وہ امر حق جس میں (مختلفین) اختلاف کیا کرتے تھے بفضلہٖ بتلا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس کو راہ راست بتلا دیتے ہیں۔

سورۃ بقرۃ ۲:۲۱۳

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور ﷺ کی یہ تحریک اسلامی معاشرے میں اتحاد کے قیام کی غرض سے تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے اپنے مذہب کی بنیاد حضرت ابراہیمؑ کے مذہب پر رکھوائی۔ حضرت ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی۔ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ یہودیوں اور عیسائیوں دونوں نے حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا پیغمبر مانا ہے۔ حضور ﷺ کا مذہب حضرت ابراہیمؑ کے مذہب پر اس لئے مبنی تھا تاکہ یہودی اور عیسائی اس مذہب کو بآسانی قبول کر سکیں۔ حضور ﷺ کے ان دو مذاہب کے خلاف آواز نہ اٹھانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ اس کی بجائے آپؐ نے ان لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

حضور ﷺ کو یقین تھا کہ یہودیت اور عیسائیت کے ماننے والوں نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر اتارے گئے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پوری طرح نہیں سمجھا اور اپنے انبیاء کے اصولوں کی پیروی نہیں کی تھی۔ ان لوگوں نے حق کو پوری طرح نہ سمجھا۔ اگر یہ لوگ اسلام قبول کر لیتے تو انہیں بھی مذہبی اور دنیاوی فوائد حاصل ہو جاتے۔

marfat.com

اسلام اور قرآن عربی زبان کے بہترین لفظوں میں سے دو لفظ سمجھے جاتے ہیں۔ روایات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے اسلام کا لفظ صرف ایک موقع پر استعمال کیا تھا اور وہ بھی جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے 'اَسْلَمَا' میں داخل ہو گئے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے سامنے جھکا دیا تھا۔ اسلام کی تصدیق وہی کرتا ہے جو مسلمان ہے۔ جب ایک آدمی اسلام کی تصدیق کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے سامنے ہر طرح سے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔

قرآن شریف کا دوسرا نام فرقان بھی بتایا جاتا ہے جس کا مطلب ہے علیحدہ۔ قرآن کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ یکلخت نازل نہیں کیا گیا بلکہ علیحدہ علیحدہ حصوں میں اور وقفوں میں نازل کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ فرقان کا مطلب حق اور باطل کو ایک دوسرے سے جدا کرنے والا بھی ہے۔ لفظ قرآن لفظ قراءَت سے اخذ کیا گیا ہے۔ قراءت کا مطلب مقدس الفاظ کی تلاوت کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام الفاظ کو پڑھنا قرآن نہیں کہلاتا اور چونکہ قرآن اللہ تعالیٰ کی حضور ﷺ پر نازل کی گئی مقدس تحریر ہے کسی دوسری تحریر کو قرآن کہلانے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

حضور ﷺ قرآن کے الفاظ کو انتہائی تیزی اور عجلت سے پڑھا کرتے تھے مبادا آپؐ یہ الفاظ بھول جائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

> (اور اے پیغمبرؐ) آپؐ قبل اختتام (وحی قرآن) پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے
> تاکہ آپؐ اس کو جلدی لیں۔ ہمارے ذمے ہے (آپؐ کے قلب میں)
> اس کا جمع کر دینا اور پڑھوا دینا جب ہم اسے پڑھیں تو آپؐ اس کی
> پیروی کریں پھر ان کا بیان کرا دینا ہمارے ذمے ہے

سورۃ قیامۃ ۱۹-۱۶:۷۵

marfat.com

عہد حاضر میں مسجد نبویؐ کا ایک منظر۔ پس منظر میں نظر آنے والا سبز گنبد حضورؐ کا روضہ مبارک ہے۔

marfat.com

دراصل اللہ تعالیٰ حضورﷺ سے مخاطب ہوکر ارشاد فرماتا ہے کہ 'ہم قرآن شریف آپؐ کے حافظے میں محفوظ کردیں گے اور اس کو آپؐ کے لئے آسان بنادیں گے۔ جب آپ قرآن کی کوئی آیت تلاوت فرمائیں تو تحمل سے تلاوت فرمائیں اور جب تلاوت فرما چکیں تو اس پر عمل پیرا ہوں اور یہ یقین رکھیں کہ آپؐ سارا قرآن اپنے حافظے میں محفوظ کرلیں گے۔ اگر قرآن حفظ کرنے کے بعد اس کو سمجھنے میں کوئی مشکل پیش آتی ہے تو ہم اس کی وضاحت کردیں گے۔'

ان تین آیات کے نزول کے بعد حضورﷺ نے پھر کبھی قرآن شریف عجلت میں نہ پڑھا۔ اگر ایک بار ہم عربوں کی تاریخ اور ظہور اسلام سے پہلے عرب کے حالات کا جائزہ لے لیں تو قرآن کے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہونے کی وجہ ہماری سمجھ میں آجاتی ہے۔ اگر قرآن کی ٦٦٦٦ آیات یکدم نازل ہو جاتیں تو اس سرزمین کے ان پڑھ، جاہل اور سادہ لوگ اس قدر بوکھلا جاتے کہ انہیں کچھ سمجھ نہ آتا۔ آج اکیسویں صدی میں جب تعلیم اور ذرائع ابلاغ انتہائی ترقی یافتہ شکل میں ہمارے سامنے ہیں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ساڑھے چودہ سو سال پہلے کے لوگوں کی نسبت آج کے لوگوں کی ذہنی سطح کافی بلند ہے اس کے باوجود آج کی حکومت سینکڑوں قوانین یکدم اور فوراً نہ تو متعارف کرواسکتی ہے اور نہ نافذ کرسکتی ہے۔ آج کے لوگوں کی استعداد کو سامنے رکھتے ہوئے ہم آسانی سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ ساڑھے چودہ سو سال پہلے سینکڑوں قوانین کا یک لخت نفاذ ایک ناممکن سی بات نظر آتی ہے۔ اس زمانے کے لوگ اس کو حفظ نہ کر پاتے۔ اگر یہ قرآن یک لخت نازل ہوتا تو ہوسکتا ہے اس کے کچھ حصے ضائع ہو جاتے یا نامکمل طور پر یاد رہتے۔ اس طرح اس کا مجموعی تاثر اتنا ہمہ گیر نہ ہوتا۔

اگر نفسیاتی اور سماجی حوالوں سے دیکھا جائے تو بھی قرآن شریف کا وقفے وقفے سے نازل ہونا قابل غور محسوس ہوتا ہے۔ اس طرح لوگ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے الفاظ سے مانوس کرسکتے تھے۔ اور ان کو بہتر سمجھتے ہوئے ذمہ داری سے زیر عمل لا سکتے تھے۔

عرب کی قدیم روایات، رسم و رواج، قبائلی اصول اور ان کے سماجی تناظر میں جو انقلاب حضورﷺ نے برپا کیا اس کی نظیر دنیا بھر میں کہیں نہیں ملتی۔ مغربی دنیا انقلاب فرانس کو بے تحاشہ

marfat.com

قتل و غارت سے عبارت ہونے کے باوجود دنیا کا بہترین انقلاب سمجھتی ہے۔مگر یہ بھی فرانسیسی لوگوں کو برادری کے حقوق دینے میں ناکام رہا۔اور اس طرح اپنا نمایاں مقصد پورا نہ کر پایا۔انقلاب اسلام نے رنگ و نسل اور امیر و غریب کے اختلافات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔اس نے قبائلی فضیلت اور طبقہ امراء کی فوقیت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔

بنیادی آئین:

حضورﷺ نے مدینہ ہجرت فرما کے ایک بنیادی آئین پیش کیا جو پچاس نکات سے بھی زیادہ پر مشتمل تھا۔ان نکات میں سے پچیس کا تعلق مسلمانوں سے تھا جبکہ بقیہ نکات یہودیت، عیسائیت اور صابیت کے ماننے والوں سے متعلق تھے۔

یہ آئین اس طرح سے مرتب کیا گیا تھا کہ مدینہ میں تمام مذاہب کے رہنے والوں کو برابری کے اصولوں پر آزادانہ زندگی گزارنے کا حق حاصل ہو۔یہ آئین ۶۲۳ء بمطابق ۱ھ میں لکھا گیا تھا۔اس وقت ہجرت کا واقعہ پیش آئے ایک سال گزر چکا تھا۔اس آئین کے مطابق مدینہ کے شہریوں کو قبائلی تعلق سے قطع نظر اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کا حق حاصل تھا۔کسی کو کسی دوسرے کے حقوق میں دخل اندازی کی اجازت نہیں تھی۔نیز تمام مذاہب کے ماننے والوں کے لئے یہ لازم تھا کہ وہ مدینہ پر ہونے والے کسی بھی حملے کا مل کر دفاع کریں۔

اس آئین کے کچھ اقتباسات قارئین کے ملاحظہ کے لئے پیش ہیں۔دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی آزادی کے معاملے میں حضورﷺ نے قرآنی آیات سے تمسک کیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل میں بیان کیا ہے:

> یہ تحقیقی بات ہے کہ مسلمان اور یہودی اور نصاریٰ اور فرقہ صابئین (ان سب میں) جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ (کی ذات اور صفات) پر اور روز قیامت پر اور کارگزاری اچھی کرے ایسوں کے لئے ان کا حق الخدمت بھی ہے ان کے پروردگار کے پاس اور (وہاں جا کر) کسی طرح

marfat.com

کا اندیشہ بھی نہیں ان پر اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

سورۃ بقرہ ۶۲ : ۲

ان آیات میں متذکرہ صابیین وہ لوگ ہیں جو ستاروں، فرشتوں اور اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ یا وہ لوگ جن کا کوئی آسمانی مذہب نہیں ہے۔ مندرجہ بالا آیت مبارکہ یہ ظاہر کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کو تو کیا صابیوں کو بھی اپنی رحمت سے محروم نہیں رکھا ہے بشرطیکہ وہ پرہیزگار رہیں اور پیغمبر آخرالزماں کے آنے تک ان کا مذہب بغیر کسی بناوٹ اور تحریف کے باقی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ:

اور اگر یہ لوگ توریت کی اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی اس کی پوری پوری پابندی کرتے تو یہ لوگ اوپر سے اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے ان میں ایک جماعت راہ راست پر چلنے والی ہے اور زیادہ ان میں ایسے ہی ہیں کہ ان کے کردار بہت برے ہیں۔

سورۃ مائدہ ۶۶ : ۵

مندرجہ بالا آیات کی طرف حوالہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ ۱ھ میں حضور علیہ السلام نے جو آئین مرتب کیا تھا اور جسے مدینہ کے تمام شہریوں پر نافذ کیا تھا وہ قرآنی احکامات کے عین مطابق تھا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس آئین کے الفاظ اور جملے قرآنی آیات کا حصہ نہیں تھے۔

حضور علیہ السلام کے علاوہ کسی مذہب کے مبلغ نے دوسرے مذاہب کی موجودگی کو برداشت نہیں کیا۔ حضور علیہ السلام نے اپنی پوری کوشش کی کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والے خودمختار اور آزادانہ زندگی بسر کر سکیں۔ آپؐ نے انہیں حوصلہ دیا اور اس بات کی وضاحت کی کہ کوئی ان سے متعلقہ مذاہب کو چھڑوانے کا حقدار نہیں ہے۔ آپ کو اچھی طرح خبر تھی کہ اسلام جو آزادی اور مساوات کی بنیادوں پر قائم ہے اسے دوسرے مذاہب سے کسی طرح کا کوئی خطرہ نہیں ہے بلکہ ہو سکتا ہے اسلام

marfat.com

دوسرے مذہبوں پر اثر انداز ہو لیکن خود ان کے اثر سے محفوظ رہے۔

میثاق مدینہ کی مکمل عبارت

۱۔ یہ محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے ایمان والوں، یعنی قریش اور یثرب کے مسلمانوں اور جنہوں نے انکا اتباع کیا اور ان کے ساتھ سخت محنت کی، کے درمیان تعلقات کے بارے میں ایک دستاویز ہے۔ یہ سب لوگ مل کر ایک امت تشکیل دیتے ہیں۔

۲۔ قریش کے مہاجر اپنے موجودہ رواج کے مطابق قصاص دیتے رہیں گے۔

۳۔ کسی کے ساتھ جنگ کی صورت میں یہ قیدیوں کے ساتھ مہربانی اور انصاف کا وہ سلوک کریں گے جو مسلمان آپس میں کرتے ہیں (ایسا سلوک ہرگز روا نہیں رکھیں گے جیسا امیر اور غریب کے امتیاز کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں روا رکھا جاتا تھا)۔

۴۔ بنوعوف کے یہودی قصاص کا فیصلہ خود کریں گے جیسا کہ ان میں رواج ہے۔

۵۔ کسی سے جنگ کے سلسلے میں سارے گروہ ماسوائے مسلمانوں کے اپنے قیدیوں کے ساتھ مشفقانہ اور منصفانہ سلوک روا رکھیں گے جیسا کہ مسلمان آپس میں رکھتے ہیں نہ کہ زمانہ جاہلیت کی طرز کا سلوک۔

۶۔ بنوساعدہ، بنوحارث، بنوجوشم اور بنونجار کے معاملات مذکورہ بالا اصولوں کے مطابق چلائے جائیں گے۔

۷۔ بنوعمرو، بنوعوف، بنونبیط اور بنواوس کے معاملات بھی اسی طرح چلائے جائیں گے۔

۸۔ مسلمان اپنے قیدیوں کے ساتھ ہر صورت میں اچھا سلوک کریں گے۔ اور ان کے ذمہ کوئی قصاص واجب الادا ہوا تو ادا کریں گے۔ قصاص ادا کرنا ساری

marfat.com

امت کی ذمہ داری ہوگی نہ کہ قیدیوں کے خاندان کی۔

۹۔ ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے آزاد کردہ غلام کو دیگر مسلمانوں کی خواہشات کے خلاف اپنا دوست نہیں بنائے گا۔

۱۰۔ مسلمان جنہیں اللہ کا خوف ہے اپنے درمیان بغاوت، ناانصافی، گناہ، دشمنی اور بدعنوانی کے عناصر کو کچلنے کی کوشش کریں گے۔

۱۱۔ اگر کوئی اس طرح کے فعل کا مرتکب پایا گیا تو تمام مسلمان مل کر اس کی مخالفت کریں گے چاہے وہ ان میں سے کسی کا اپنا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۱۲۔ ایک مسلمان کسی غیر مسلم کی خاطر ایک دوسرے مسلمان کو قتل نہیں کرے گا چاہے وہ غیر مسلم اس کا کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔

۱۳۔ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے خلاف ایک غیر مسلم کی مدد نہیں کرے گا۔

۱۴۔ اللہ کے نام پر دیا گیا تحفظ مشترکہ سمجھا جائے گا۔ کمزور ترین مسلمان اللہ کے نام پر تحفظ دے سکیں گے اور اس کی پابندی تمام دوسرے مسلمانوں پر لازمی ہوگی۔

۱۵۔ غیر مسلموں کو نکال کر تمام مسلمان ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

۱۶۔ وہ یہودی جو مسلمانوں کی اتباع کریں گے انہیں برابری کی سطح پر مدد دی جائے گی اور ان کے ساتھ مساوی سلوک روا رکھا جائے گا۔ (ریاست کے تمام وفادار شہریوں سے سماجی، قانونی اور معاشی مساوات کا وعدہ کیا جاتا ہے۔)

۱۷۔ کسی یہودی کو یہودی ہونے کی بناء پر نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔

۱۸۔ یہودیوں کے دشمن اگر مسلمانوں کی اتباع کریں گے تو ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

۱۹۔ مدینہ کی ریاست کے مسلمانوں کا امن برباد نہیں کیا جائے گا۔ (یا تو سب کے لئے امن ہوگا یا سب کے لئے جنگ۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کچھ لوگ بیرونی حملہ آوروں سے جنگ کر رہے ہوں اور کچھ پرامن بیٹھے ہوں)

marfat.com

۲۰۔ جب مسلمان اللہ کے راستے میں نبرد آزما ہو رہے ہوں تو کسی قسم کا علیحدہ امن قائم کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔

۲۱۔ امن اور جنگ کے حالات اور ان کے متوازی آسانی اور سختی کے حالات ریاست کے تمام شہریوں کے لئے منصفانہ اور مساویانہ ہوں گے۔

۲۲۔ کسی لشکر کشی پر روانہ ہوتے ہوئے ایک سوار اپنے ساتھی کو بھی سواری کا موقع دے گا۔

۲۳۔ مسلمان اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے ایک دوسرے کے خون کا بدلہ لیں گے۔ (یہ شق ان لوگوں کی یاد دہانی کے لئے تھی جن کے سامنے جنگ کی اتنی اہمیت نہیں تھی کیونکہ یہ سب کا مشترکہ مسئلہ تھا۔ اس کا یہ بھی مطلب تھا کہ اگرچہ ہر جنگ ایک علیحدہ اکائی ہوتی ہے اس کے باوجود یہ کسی مجموعی جنگ کا حصہ بھی ہوتی ہے جس سے تمام مسلمان متاثر ہو سکتے ہیں۔)

۲۴۔ مسلمان کیونکہ اللہ سے ڈرتے ہیں اور انہیں اللہ کی طرف سے ہدایت بھی موصول ہوئی ہے اس لئے زیادہ ثابت قدمی دکھا سکتے ہیں۔ دوسروں کو بھی ان سے متاثر ہو کر ثابت قدمی کے اس معیار پر آنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

۲۵۔ کسی غیر مسلم کو اپنے قبضے میں موجود قریش کی املاک غصب کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ دشمن کی املاک ریاست کے قبضے میں دی جائیں گی۔

۲۶۔ کوئی غیر مسلم قریش کی حمایت کرتے ہوئے مداخلت نہیں کرے گا۔ (کیونکہ قریش جنگ کا اعلان کرنے کے بعد دشمن شمار ہوں گے۔)

۲۷۔ اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کو ناحق قتل کرے گا تو مقتول کے رشتہ داروں کو مطمئن کرنے کے لئے اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔ (کیونکہ دوسری صورت میں نظم و ضبط کا مسئلہ درپیش ہوگا جس سے ریاست کا دفاع کمزور ہونے کا خدشہ ہے۔) ایسے ظالم کے تمام مسلمان خلاف ہوں گے۔ کسی مسلمان کو یہ اجازت

marfat.com

نہیں ہوگی کہ وہ ایسے شخص کو پناہ دے۔

۲۸۔اس دستاویز میں کوئی اختلاف پیدا ہونے کی صورت میں معاملہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے سپرد کیا جائے گا۔

۲۹۔اگر یہودی جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ دینے کے پابند ہوئے تو جنگ میں مسلمانوں کی طرف سے شریک ہوں گے۔

۳۰۔ بنو عوف کے یہودیوں کو بھی مسلمانوں کے برابر حقوق دیئے جائیں گے۔یہودیوں کا اپنا مذہب ہے یہ چیز بھی ان کی آزادی کی دلیل ہے۔مواخذہ صرف ان یہودیوں سے ہوگا جو غیر منصفانہ اور معصیانہ افعال کے مرتکب پائے جائیں گے۔کیونکہ ایسا کرنے سے وہ نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنے خاندان والوں کو بھی نقصان پہنچانے کا باعث بنتے ہیں۔

۳۱۔یہی اصول بنو نجار، بنو حارث، بنو ساعدہ، بنو جوشم، بنو اوس، بنو ثعلبہ، بنو جفنہ (بنو ثعلبہ کی ایک شاخ) اور بنو شطیبہ کے معاملات میں برتا جائے گا۔

۳۲۔وفاداری شرانگیزی کے خلاف تحفظ مہیا کرتی ہے۔(وفادار لوگوں کے دوست شرانگیزی کے خلاف ان کی حفاظت کرتے ہیں۔جب تک کوئی آدمی ریاست کے ساتھ وفادار ہے اس سے کسی قسم کی شرانگیزی متوقع نہیں ہوسکتی۔وہ کمزوری کے خلاف اپنے آپ کو تحفظ دیتا ہے۔)

۳۳۔بنو ثعلبہ کے آزاد کردہ غلاموں کو بھی وہی مرتبہ حاصل ہوگا جو بنو ثعلبہ کے لوگوں کو حاصل ہے۔یہ مرتبہ فوجی خدمات کے صلے میں منصفانہ لین دین اور انصاف پسندانہ رویے پر حق اور برابر کی ذمہ داری سمجھ کر دیا جائے گا۔

۳۴۔ یہودیوں کا ساتھ دینے والوں کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے گا جو یہودیوں کے ساتھ مشروط ہے۔

۳۵۔اس میثاق میں شامل کوئی قبیلہ کسی کے خلاف حضور ﷺ کی اجازت کے بغیر

marfat.com

جنگ نہیں چھیڑے گا۔اگر کسی شخص یا فریق کے ساتھ کوئی ناانصافی ہوتی ہے تو اس کا انتقام لیا جائے گا۔

۳۶۔اگر کوئی کسی کو بغیر اطلاع کے قتل کرتا ہے اور اس کی کوئی ٹھوس وجہ بیان نہیں کرتا تو اس کا مطلب اس کا اپنے آپ اور اپنے گھر والوں کو قتل کرنے کے مترادف ہے سوائے اس صورت میں کہ اس نے یہ قتل اپنے ساتھ ہونے والی کسی زیادتی کے جواب میں کیا ہو۔

۳۷۔دوران جنگ مسلمان اپنے اخراجات برداشت کریں گے اور یہودی اپنے۔

۳۸۔اس میثاق میں شامل کسی فریق کے اوپر اگر کوئی حملہ کرتا ہے تو دوسرا اس کی مدد کو ضرور آئے گا۔

۳۹۔میثاق میں شامل تمام فریق کسی باہمی مشورے یا تجویز کو قبول کرنے کے پابند ہوں گے۔

۴۰۔وفاداری شرپسندی سے تحفظ دیتی ہے۔اگر کوئی فریق باہمی مشاورت کو نظر انداز کرے گا تو اس کا مطلب یہی سمجھا جائے گا کہ اس میں وفاداری اور خلوص کی کمی ہے۔

۴۱۔کوئی آدمی اپنے ساتھی کی غلطی کا ذمہ دار متصور نہیں ہوگا۔

۴۲۔اگر کسی فریق یا شخص کے ساتھ زیادتی ہوگی تو اس کی مدد ضرور کی جائے گی۔

۴۳۔یہودی اور مسلمان جنگ کے اخراجات مل کر ادا کریں گے۔(یہ شق ان مواقع کے مطابق رکھی معلوم ہوتی ہے جب یہودی جنگ میں شرکت نہیں کر رہے ہوں گے۔۳۷ویں شق ان مواقع کے مطابق نظر آتی ہے جب یہودی جنگ میں شرکت کر رہے ہوں گے۔)

۴۴۔اس معاہدے میں شامل لوگوں کے لئے یثرب ایک قابل احترام اور مقدس جگہ ہوگی۔

marfat.com

۴۵۔ کسی فرد یا اجنبی کو معاہدے میں شامل فریق اگر تحفظ دے گا تو اس اجنبی یا فرد کو جسے تحفظ دیا گیا ہے مہمان سمجھا جائے گا۔ بشرطیکہ وہ کوئی نقصان نہ پہنچائے اور کسی جرم کا مرتکب نہ ٹھہرے۔ وہ لوگ جن کو تحفظ فراہم کیا گیا ہوگا لیکن وہ ریاست کے خلاف سرگرمیوں میں ملوث پائے جائیں گے سزا کے مستحق ہوں گے۔

۴۶۔ کسی عورت کو تحفظ صرف اسی صورت میں دیا جاسکے گا جب اس کے خاندان یا سرپرست کی مرضی اس میں شامل ہوگی۔ (بین القبائلی جھگڑوں سے بچنے کی ایک اچھی احتیاط نظر آتی ہے۔)

۴۷۔ کسی بھی جھگڑے یا تنازعہ کی صورت میں جو کسی مسئلے کے حل میں درپیش ہوسکتا ہے معاملہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے سپرد کیا جائے گا۔ اللہ کا رسولؐ اس دستاویز میں کوئی بھی شرط قبول کرنے کا مجاز ہے خصوصاً اگر وہ شرط اچھائی اور پاکیزگی کو بڑھانے کی صورت بنتی ہو۔

۴۸۔ قریش اور ان کے طرفداروں کو تحفظ نہیں دیا جائے گا۔

۴۹۔ یثرب پر حملے کی صورت میں اس معاہدے میں شامل تمام فریق ایک دوسرے کی مدد کرنے کے پابند ہیں۔

۵۰۔ اگر مسلمانوں کے علاوہ معاہدے کے دوسرے فریقوں کو ریاست میں امن قائم کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے تو وہ ہر صورت میں ایسا کرنے کے پابند ہوں گے۔ اگر امن برقرار رکھنے کا یہی تقاضا مسلمانوں سے کیا جاتا ہے تو وہ بھی اس پر عمل درآمد کرنے کے پابند ہوں گے سوائے اس صورت میں جب مسلمان پہلے ہی اللہ کے راستے میں کسی جنگ میں گھرے ہوئے ہوں۔ (اس کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کا کوئی طرفدار مسلمانوں کو اس شق کے تحت دشمن سے دشمنی ختم کرنے کی دعوت نہ دے سکے۔)

marfat.com

۵۱۔ ہر کسی سے وہی سلوک روا رکھا جائے گا جو اس سے متعلقہ فریق سے روا رکھا گیا ہوگا۔ ہر شخص جس فریق سے تعلق رکھتا ہوگا اس کی اچھائی برائی یا نفع نقصان میں شریک ہونے کا حقدار ہوگا۔ ایسے اصول کے مطابق فریق سے وابستگی اور نظم وضبط برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔

۵۲۔ بنو اوس کے یہودی بشمول اپنے آزاد کردہ غلاموں کے میثاق میں شامل دوسرے فریقوں کا درجہ رکھیں گے جب تک کہ وہ میثاق سے وفاداری نباہتے ہیں۔ وفاداری شر پسند کے خلاف تحفظ ہے۔

۵۳۔ ہر کوئی جو وفاداری یا بے وفائی سے کوئی فعل سرانجام دیتا ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہوگا۔

۵۴۔ اللہ اس دستاویز کو پسند فرماتا ہے۔

۵۵۔ یہ دستاویز اس شخص کو بچانے کے لئے استعمال نہیں کی جائے گی جو میثاق میں شامل دوسرے فریقوں کے خلاف ناانصافی یا جرم کا مرتکب ٹھہرتا ہے۔

۵۶۔ چاہے کوئی شخص میثاق میں شامل شرائط کے مطابق لڑائی پر نکلتا ہے یا گھر پر ٹھہرتا ہے محفوظ خیال کیا جائے گا جب تک کہ اس سے کوئی جرم یا گناہ سرزد نہ ہو جائے۔ (یعنی کسی کو میثاق کی شرائط کے مطابق جنگ پر نہ جانے کی وجہ سے انفرادی حیثیت میں سزا نہیں دی جائے گی۔)

۵۷۔ اللہ اچھے لوگوں کا نگہبان ہے اور ان لوگوں کا جو اس سے ڈرتے ہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ (یعنی حضور ﷺ اس آدمی کے تحفظ کی ضمانت دیتے ہیں جو اللہ سے ڈرنے والا اور نیک ہو۔)

marfat.com

قبائلیوں کے ابتدائی الحاق

جب حضور ﷺ کامیابی سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے تو مکہ کے دو سرداروں ابوسفیان اور ابی بن خلف نے مدینہ کے لوگوں کو ایک تنبیہ ارسال کی 'تمھارے ساتھ ہمارے تعلقات کے ٹوٹنے کا اتنا نقصان ہوگا کہ شاید کسی اور عرب قبیلے کے ساتھ تعلقات ٹوٹنے سے نہ ہو۔ تمھارے اس قدم نے ہمارے تعلقات اور بھی کشیدہ کر دیئے ہیں۔ تم نے ایک ایسے شخص کو پناہ دی ہے جسے مکہ میں ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اس طرح تم لوگوں نے ہمیں اپنے معاملات میں مداخلت کرنے پر مجبور کیا ہے۔ ہمارا مشورہ ہے کہ تم ہمارے اور محمدؐ کے درمیان نہ آؤ۔ اگر وہ اچھا آدمی ہے تو ہمیں بتانے کی ضرورت نہیں۔ ہم یہ سب اچھی طرح جانتے ہیں۔ اگر وہ قصوروار ہے تو پھر بھی یہ ہمارا حق ہے کہ ہم اسے واپس لینے کا تقاضا کریں اور اس سلسلے میں ضروری اقدامات اٹھائیں۔'

یہ خط موصول ہونے پر انصار نے ایک مسلمان شاعر کعبؓ بن مالک کو طنزیہ شعر نظم کرنے کا مشورہ دیا۔ صحرا کے عربوں میں گفتگو کے آغاز سے پہلے شعروں کو چاہے نظم کی صورت میں ہوں یا نثر کی ایک خاص اہمیت دی جاتی تھی۔ چند طنزیہ شعر بعض اوقات زہر میں بجھے ہوئے تیروں سے زیادہ موثر ثابت ہوتے تھے۔

کعب بن مالک نے قریش کے نام ایک ہجویہ جواب ارسال کیا۔ اس جواب کے بعد بھی قریش اپنی سرگرمیوں سے باز نہ آئے اور انہوں نے مدینہ کے لوگوں کے نام ایک اور خط ارسال کیا جو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو مخاطب کر کے لکھا۔

اس خط میں قریش نے تقاضا کیا کہ ان کے مفرور جنہیں مدینہ کے لوگوں نے پناہ دے رکھی ہے ان کے حوالے کیے جائیں۔ دوسری صورت میں وہ مدینہ پر حملہ کر کے قتل و غارت

marfat.com

پھیلائیں گے اور ان کی عورتوں کو غلام بنالیں گے۔عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے اس خط کے خلاف کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔اگر وہ ایسا کرتے تو منافقین کی اصطلاح ان کے لئے کیوں استعمال کی جاتی؟

عربوں کا کہنا ہے کہ منافقین وہ لوگ تھے جو یہ فیصلہ نہ کر پائے کہ وہ کن کے ساتھ ہیں۔ ساری زندگی وہ اسی کشمکش میں رہے کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں، کس کا ساتھ دیں اور کس کا نہ دیں اور یہ کہ جب بھی ان کا فیصلہ پوچھا گیا انہوں نے ہمیشہ بالواسطہ جواب دیا۔یہ لوگ بظاہر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے لیکن اکثر مسلمانوں کے خلاف قریش اور یہودیوں کے ساتھ مل کر ساز باز کرنے میں ملوث پائے جاتے تھے۔

جب مکہ کے قریشیوں نے دیکھا کہ انصار اور منافقین کو بھیجے گئے دو خطوں کا کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا تو انہوں نے مدینہ کے یہودیوں کو کہا کہ وہ حضور ﷺ کو ان کے حوالے کر دیں۔یہودیوں نے بھی کوئی واضح جواب نہ دیا تاہم انہوں نے در پردہ یہ وعدہ کیا کہ وقت آنے پر قریش کا ساتھ دیں گے۔

اس پر قریش نے حضور ﷺ کے خلاف معاشی ہتھیار استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔قریش کے زیادہ تر لوگ تاجر تھے اور سب سے موثر ہتھیار جو وہ استعمال کر سکتے تھے مسلمانوں کا معاشی اور سماجی مقاطعہ تھا۔قریش عرب کے شمالی تجارتی راستوں پر قابض تھے۔انہوں نے اپنے بہت سے تاجر دوستوں کو اپنے ساتھ ملایا اور انہیں مدینہ سے تجارتی تعلق توڑنے اور مصنوعات کی خرید و فروخت ترک کرنے پر آمادہ کیا۔اس مقاطعہ کے نتیجے میں زندگی کی بنیادی اشیائے صرف مدینہ پہنچنا بند ہوگئیں۔اگر ایسا مقاطعہ مکہ میں یا اس کے اردگرد پیش آتا تو مکہ کے تمام لوگ بھوکے پیاسے مر جاتے کیونکہ مکہ میں نہ تو کاشت کاری تھی اور نہ اس کے اردگرد باغیچوں کی پیداوار۔اگرچہ مدینہ کے گرد ونواح میں سرسبز کھیت اور پھل دار باغیچے تھے جو کچھ وقت کے لئے مدینہ کے لوگوں کو قوت بقا فراہم کر سکتے تھے پھر بھی مدینہ کے لوگوں کو روزمرہ اشیائے صرف کی کمی کا بری طرح سامنا کرنا پڑا۔خوراک گھٹتی گئی اور عام استعمال کی چیزوں کے نرخ اس مقاطعہ کی وجہ

marfat.com

سے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔

حضورﷺ مسجد سے ملحقہ ایک چھوٹے سے گھر میں رہائش پذیر تھے۔آپؐ مدینہ کے معاشی اختناق پر بہت رنجیدہ تھے۔آپؐ اس بات سے بھی بخوبی آگاہ تھے کہ قریش ایک شخص کی سزا سارے شہر کو دے رہے ہیں۔

حضورﷺ مدینہ میں انتہائی سادہ زندگی بسر کر رہے تھے۔آپ کا گھر کھجور کے پتوں اور لکڑی کے پشتوں سے بنا ہوا تھا۔راہگیروں کی نظر سے بچنے کے لئے یا پردے کا بندوبست کرنے کے لئے کھجور کی شاخیں درختوں کی چھال سے ڈھانپی ہوئی تھیں۔حضورﷺ اپنے اس سادہ سے گھر میں بھیڑ کی کھال پر سوتے تھے۔آپؐ کی خوراک یا تو چند کھجوریں تھیں یا سوکھی روٹی کے کچھ ٹکڑے۔آپؐ کو کھانے میں یہ دونوں چیزیں کبھی ایک ساتھ میسر نہیں آئی تھیں۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جن دنوں مدینہ کو معاشی مقاطعہ درپیش تھا اشیائے خوردونوش انتہائی مہنگے داموں بیچی جارہی تھیں اور ہمارے پاس کھانا پکانے کے لئے آگ تک مہیا نہیں تھی۔ان دنوں ہم نے دو دن لگاتار کھانا نہیں کھایا تھا۔

اگرچہ حضورﷺ شادی شدہ تھے اس کے باوجود آپ گھر کا اکثر کام خود کیا کرتے تھے۔آپؐ گھر کی جھاڑ پونچھ کرتے اور کھانا پکنے کے دوران اپنے ہاتھوں سے دیا جلاتے۔کھانا انتہائی سادہ ہوتا۔اکثر ماش یا مسور کی دال پکی ہوتی۔آپ کی بیویاں گوشت کھانے کی شوقین تھیں اس لئے کبھی کبھار وہ بھی پک جاتا تھا۔

حضورﷺ اپنے کرتے کو اپنے ہاتھوں سے پیوند لگاتے اور اپنے جوتوں کی خود مرمت کرتے تھے۔چونکہ آپؐ بہت زیادہ صفائی پسند تھے اس لئے اپنے کپڑے خود دھوتے تھے۔آپؐ درخت کی ایک چھوٹی سی ٹہنی سے دن میں کئی بار اپنے دانت صاف کیا کرتے تھے۔آپ کا یہ عمل امت مسلمہ میں مسواک کہلاتا ہے۔آپؐ کا فرمان ہے کہ صفائی نصف ایمان ہے۔آپ کھانا کھانے کے بعد اپنے رومال سے ہاتھ صاف کیا کرتے تھے۔

marfat.com

جب معاشی مقاطعہ شدت اختیار کر گیا اور عام لوگ خوراک کی قلت سے گھبرا گئے تو حضورﷺ کے پاس سوائے ان کی سیاسی قیادت کے اور کوئی راستہ باقی نہ رہا۔ اس وقت تک آپؐ ان کے صرف مذہبی معاملات حل کرتے آئے تھے۔

اس دن سے ایک حکومتی انتظامیہ کی شکل وجود میں آئی جس کے تحت ایک حکمران کے پاس اپنے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے صرف دو راستے ہوتے ہیں۔ ایک سیاست اور دوسرا جنگ۔ حضورﷺ کو اس بات کا علم تھا کہ اپنے مخالفین کے ساتھ کسی سیاسی حل تک پہنچنا انتہائی ناممکن ہے اس لئے آپ کو تلوار اٹھانا پڑی۔ عرب ویسے بھی اپنے معاملات تلوار سے حل کرنے کے عادی تھے۔ ان کی جنگجو فطرت کا اندازہ ایک عرب شاعر کے ان الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے۔

> اے تلوار! لوہار نے تمھیں پَر کی طرح تیز، شاخ کی طرح نرم اور لچکدار، پتھر کی طرح مضبوط اور سخت بنایا ہے۔ اور پھر تم میں ایک بہادر جنگجو کی روح پھونک دی ہے۔
>
> اے دل کی تلوار! تمھاری دھار اس قدر نرم و نازک ہے کہ میرا جسم تمھیں چھوتے ہی جھنجھنا اٹھا ہے۔ تمھارا دستہ میرے ہاتھوں میں کسی پکے ہوئے پھل سے زیادہ نرم ہے۔

حضورﷺ یہ بات اچھی طرح ملاحظہ کر چکے تھے کہ قریش اسلام کی مخالفت میں کس حد تک آگے جاسکتے ہیں۔ آپؐ نے دیکھ لیا تھا کہ یہ لوگ کتنے بے رحم ثابت ہوئے ہیں اور آپؐ کے پیروکاروں نے کس قدر اذیتیں جھیلیں ہیں۔ اسلام کی بقا صرف ایک بات میں مضمر تھی اور وہ تھی مسلمانوں کا اپنے تحفظ کے لئے اٹھ کھڑے ہونا۔ حضورﷺ نے قریش کو تنبیہ کی کہ چونکہ وہ مدینہ کا معاشی محاصرہ کئے ہوئے ہیں اس لئے ان کے تجارتی قافلے بھی مسلمان علاقوں سے گزرنے کے حقدار نہیں ہوں گے۔ اگر انہوں نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو انہیں سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس تنبیہ کے بعد حضورﷺ نے تیس مسلمان مجاہدین کو چنا اور انہیں نامور مسلمان سپہ

marfat.com

سالار حضرت حمزہؓ کی قیادت میں دے دیا۔ آپؐ نے بیس اونٹ ان کے نام کیے اور انہیں مدینہ اور بحیرہ احمر کے درمیان واقع درے کی نگرانی پر مامور کر دیا۔ یہ تجارتی قافلوں کا اہم ترین راستہ تھا۔ ان تیس مجاہدین کا تعلق مہاجرین سے تھا۔ انہیں اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے کسی تنخواہ کی ضرورت نہیں تھی۔ ان کے پاس گھوڑے نہیں تھے۔ ایسے کام میں اونٹوں کی نسبت گھوڑے کہیں زیادہ موثر ثابت ہوتے۔ لیکن مسلمان اتنے امیر نہیں تھے کہ اپنے سپاہیوں کو گھوڑے مہیا کرتے۔

عرب میں زمین کی ایک لمبی پٹی کا نام حجاز ہے جو شمال سے جنوب تک بحیرہ احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ ایک ہزار کلومیٹر پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس علاقے میں پہاڑ اور ریت کے ٹیلے بکثرت پائے جاتے ہیں۔

حجاز میں دنیا کے بہترین گھوڑوں کی نسل کشی کی جاتی ہے۔ یہ گھوڑے دنیا میں عربی گھوڑوں کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ اپنی رفتار اور چستی میں کوئی نظیر نہیں رکھتے۔ یہ اتنے مہنگے ہوتے ہیں کہ عام لوگ انہیں پال نہیں سکتے۔ تاہم یہ گھوڑے بھوک اور پیاس کی وجہ سے عرب کے صحراؤں میں زندہ نہیں رہتے۔

جب عرب ان گھوڑوں کو جنگ میں استعمال کرنا چاہتے تو انہیں اپنے ساتھ بہت سے اونٹوں پر ان کے چارے اور پانی کا انتظام کرنا پڑتا۔ اونٹ اپنے جسم میں جمع شدہ خوراک کی تھیلی کے سہارے کئی دن تک پانی کے بغیر گزارہ کر سکتا ہے۔ پانی کی کمی کی صورت میں بوقت ضرورت اونٹوں کا کوہان چاک کر کے پانی حاصل کرنے کے لئے قافلے کے گھوڑوں والے مسافر اپنا پانی اونٹوں کو پلا دیا کرتے کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ انسان کی طرح گھوڑے بھی پیاس برداشت نہیں کرتے۔ جب میدان جنگ میں حملہ کیا جاتا تو یہ گھوڑا چستی، رفتار، تابع داری اور عقل و ذہانت کا ایک عجیب مرکب بن کر سامنے آتا۔ کوئی دوسرا جانور جنگ میں اس سے بہتر ثابت نہ ہوتا۔

حضرت حمزہؓ اور آپؓ کے تیس ساتھی جن کے ذمہ کافروں کے قافلے کی راہ میں مزاحمت کرنا مقرر تھا ان گھوڑوں کی عدم فراہمی کی وجہ سے انتہائی دل گرفتہ تھے کیونکہ انہیں علم تھا کہ ان گھوڑوں کی فراہمی کی صورت میں وہ زیادہ بہتر طریقے سے کارکردگی دکھا سکتے ہیں۔ انہیں مدینہ اور بحیرہ احمر

marfat.com

کے درمیان ایک سوتیس کلو میٹر پر پھیلا ہوا علاقہ صرف اونٹوں کے سہارے نظر میں رکھنا تھا۔ یہ ایک انتہائی مشکل کام تھا۔

آخر کار کچھ دنوں بعد قافلے سے اٹھنے والا گرد وغبار نظر آیا۔ جلد ہی مسلمانوں کو علم ہو گیا کہ قافلے کی سرداری حضورﷺ کے جانی دشمن ابو جہل کے سپرد ہے۔ یہ وہی آدمی تھا جو حضورﷺ کو قتل کرنا چاہتا تھا اور جس نے آپؐ کے سر اقدس کی قیمت مقرر کر رکھی تھی۔ اس نے اونٹ کی اوجڑی سے خانہ کعبہ میں حضورﷺ کا گلا گھونٹنے کی کوشش بھی کی تھی۔ جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ اس قافلے کی سرداری ابو جہل انجام دے رہا ہے تو انہوں نے اس پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

مجدی بن عمرو جس کے علاقوں سے قافلہ گزر رہا تھا اور جو اپنے قبیلے کا سردار تھا حضرت حمزہؓ کو روکنے کے لئے سامنے آیا۔ اس نے حضرت حمزہؓ کو حملہ سے باز رہنے کی درخواست کی۔ اس نے حضرت حمزہؓ کو بتایا کہ اس کا قبیلہ قریش کے ساتھ ایک معاہدہ کر چکا ہے جس کے مطابق اس کے علاقوں سے مکہ والوں کے قافلے بحفاظت گزارنے کی ضمانت دی گئی ہے۔ نہ وہ خود ان قافلوں کو لوٹنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ کسی دوسرے کو ایسا کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔

ابن عمرو نے کہا اس یقین دہانی کے عوض انہیں سال میں دو بار خوّہ وصول ہوتا ہے۔ لفظ خُوّہ اخوّہ تعلقات کا مترادف دکھائی دیتا ہے لیکن دراصل اس کا مطلب وہ محصول ہے جو کسی راستے سے قافلوں کے بحفاظت گزرنے کے لئے وہاں کے مقامی لوگوں کو ادا کیا جاتا ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ بحفاظت گزرنے کے لئے مدینے کے قافلے والوں سے بھی ان کا ایسا ہی معاہدہ چل رہا ہے۔ اس لئے وہ اور اس کے قبیلے والے اپنے وعدے کا دفاع کریں گے چاہے کیسے ہی حالات ہوں اور کیسی ہی جارحیت ہو۔

عرب ہونے کے ناطے حضرت حمزہؓ کو اچھی طرح علم تھا کہ ایسے وعدے توڑے نہیں جا سکتے۔ انہوں نے محسوس کر لیا کہ اگر انہوں نے مکہ کے قافلے پر حملہ کیا تو مقامی قبیلہ نہ صرف مزاحمت کرے گا بلکہ مستقبل میں مدینہ کے قافلوں کی راہ میں مشکلات بھی پیدا کرے گا۔ اس لئے حضرت حمزہؓ نے قریش کے قافلہ پر حملہ نہ کیا۔

marfat.com

کے درمیان ایک سوتیس کلومیٹر پر پھیلا ہوا علاقہ صرف اونٹوں کے سہارے نظر میں رکھنا تھا۔ یہ ایک انتہائی مشکل کام تھا۔

آخر کار کچھ دنوں بعد قافلے سے اٹھنے والا گرد و غبار نظر آیا۔ جلد ہی مسلمانوں کو علم ہو گیا کہ قافلے کی سرداری حضور ﷺ کے جانی دشمن ابو جہل کے سپرد ہے۔ یہ وہی آدمی تھا جو حضور ﷺ کو قتل کرنا چاہتا تھا اور جس نے آپؐ کے سر اقدس کی قیمت مقرر کر رکھی تھی۔ اس نے اونٹ کی اوجڑی سے خانہ کعبہ میں حضور ﷺ کا گلا گھونٹنے کی کوشش بھی کی تھی۔ جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ اس قافلے کی سرداری ابو جہل انجام دے رہا ہے تو انہوں نے اس پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

مجدی بن عمرو جس کے علاقوں سے قافلہ گزر رہا تھا اور جو اپنے قبیلے کا سردار تھا حضرت حمزہؓ کو روکنے کے لئے سامنے آیا۔ اس نے حضرت حمزہؓ کو حملہ سے باز رہنے کی درخواست کی۔ اس نے حضرت حمزہؓ کو بتایا کہ اس کا قبیلہ قریش کے ساتھ ایک معاہدہ کر چکا ہے جس کے مطابق اس کے علاقوں سے مکہ والوں کے قافلے بحفاظت گزارنے کی ضمانت دی گئی ہے۔ نہ وہ خود ان قافلوں کو لوٹنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ کسی دوسرے کو ایسا کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔

ابن عمرو نے کہا اس یقین دہانی کے عوض انہیں سال میں دو بار خوہ وصول ہوتا ہے۔ لفظ خوہ اخوہ تعلقات کا مترادف دکھائی دیتا ہے لیکن دراصل اس کا مطلب وہ محصول ہے جو کسی راستے سے قافلوں کے بحفاظت گزرنے کے لئے وہاں کے مقامی لوگوں کو ادا کیا جاتا ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ بحفاظت گزرنے کے لئے مدینے کے قافلے والوں سے بھی ان کا ایسا ہی معاہدہ چل رہا ہے۔ اس لئے وہ اور اس کے قبیلے والے اپنے وعدے کا دفاع کریں گے چاہے کیسے ہی حالات ہوں اور کیسی ہی جارحیت ہو۔

عرب ہونے کے ناطے حضرت حمزہؓ کو اچھی طرح علم تھا کہ ایسے وعدے توڑے نہیں جا سکتے۔ انہوں نے محسوس کر لیا کہ اگر انہوں نے مکہ کے قافلے پر حملہ کیا تو مقامی قبیلہ نہ صرف مزاحمت کرے گا بلکہ مستقبل میں مدینہ کے قافلوں کی راہ میں مشکلات بھی پیدا کرے گا۔ اس لئے حضرت حمزہؓ نے قریش کے قافلہ پر حملہ نہ کیا۔

marfat.com

ابو جہل نے درپیش صورتحال کے بارے میں قریش کے سرداروں کو پیغام بھیجا لیکن انہوں نے اس معاملے پر کوئی توجہ نہ دی۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ قافلے ہمیشہ کی طرح اسی تجارتی راستے پر سفر کرتے رہیں گے۔ ان کے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ اگر کوئی راستہ ہوتا تو وہ اسے ضرور اختیار کرتے۔

کافروں سے نبرد آزما ہونے کے لئے ایک اور مسلمان دستہ روانہ کیا گیا۔ اس میں ساٹھ مجاہد شامل تھے اور پہلے دستے کی طرح ان کے پاس بھی سواری کے لئے صرف اونٹ تھے۔ اس دستے کی قیادت حضور ﷺ کے چچا حضرت عبیدہؓ بن حارث بن مطلب کر رہے تھے۔ پچھلے تیس آدمیوں کی طرح یہ ساٹھ آدمی بھی مہاجرین سے تعلق رکھتے تھے جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں پیش کر دیا تھا۔ دو ہفتوں کی سخت نگرانی کے بعد آخر کار انہوں نے قریش کے سردار ابو سفیان کی قیادت میں مکہ والوں کے ایک قافلے کا پتہ لگا لیا۔ اس قافلے میں دو سو آدمی شامل تھے جو مسلمانوں کو دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ قافلے سے ٹوٹ کر دو آدمی مسلمانوں کے ساتھ آملے کیونکہ وہ مسلمان ہو چکے تھے۔

ان میں سے ایک کا نام مقداد بن عمرو اور دوسرے کا عتبہ بن غزوان تھا۔ مسلمانوں کی ہجرت حبشہ کے دوران وہ دونوں وہاں گئے تھے اور پھر مکہ واپس آگئے تھے۔ جب وہ مکہ پہنچے تھے تو ہجرت شروع ہو چکی تھی اور حضور ﷺ مکہ سے مدینہ ہجرت فرما چکے تھے۔ ان دونوں آدمیوں نے پچھلے سالوں میں اپنے ہم مذہب رشتہ داروں سے ملنے کی کئی بار کوشش کی تھی لیکن ناکام رہے تھے۔ تاہم جب انہیں معلوم ہوا کہ ابو سفیان کی قیادت میں ایک قافلہ روانہ ہونے والا ہے اور جس کا مدینہ کے قریب سے گزرنا بھی متوقع ہے تو وہ اس میں شامل ہو گئے تا کہ مدینہ پہنچ سکیں۔

معاشی مقاطعہ پر کافروں کی سرزنش کرنے کے لئے بیس اونٹ سواروں پر مشتمل حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی قیادت میں مسلمانوں کا تیسرا دستہ روانہ ہوا۔

رضا کاروں کی یہ تبدیلی انتہائی ضروری تھی کیونکہ ہر مسلمان اسلام کی راہ میں کام آنے کی خواہش لئے بیٹھا تھا اور ہر ایک کو برابر مواقع فراہم کرنے کے لئے ہی حضور ﷺ نے ان کی تبدیلی

marfat.com

کا یہ اصول اپنایا تھا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضورﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کے بھانجے تھے۔ انہوں نے خرار کے علاقے میں مکہ والوں کا ایک قافلہ دیکھا اور اسے روکنے کی کوشش کی۔ ایک بار پھر مقامی قبیلے کا سردار درمیان میں آیا اور دوسرے مسلمانوں نے بھی واضح کیا کہ یہ علاقہ قابل احترام ہے کیونکہ انہوں نے بھی قریش سے خُوہ کا معاہدہ کر رکھا تھا۔

یہ مقامی قبیلے قافلوں سے نہ صرف خُوہ وصول کرتے تھے بلکہ روزمرہ کی اشیائے صرف اور چارہ بیچ کر منافع بھی کماتے تھے۔ اگر ان کے علاقے میں کسی قافلے پر حملہ ہوتا تو ان کا ان دونوں فائدوں سے ہاتھ دھونا یقینی تھا۔ مسلمان کو ایک بار پھر بغیر کچھ کئے مدینہ واپس لوٹنا پڑا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے تجویز پیش کی کہ اس صورتحال میں دوسری کارروائیوں کے طریقوں پر بھی غور کرنا چاہئے۔

حضورﷺ کو علم تھا کہ بدو مکہ والوں سے مراعات لیتے ہیں اور خُوہ وصول کرتے ہیں لیکن آپؐ نے انہیں کوئی ایسی چیز پیش کرنے کا فیصلہ کیا جس کے سامنے انہیں ان دونوں کی آمدنی ہیچ معلوم ہو۔

مسلمانوں نے پوچھا 'یا رسولؐ اللہ! آپؐ انہیں کیا دیں گے؟' آپؐ نے جواب دیا 'اس بے وقعت نفع کے بدلے جس پر بدوؤں کی نظر ہے میں انہیں اسلام کی دعوت اور جنت کی بشارت دوں گا۔'

آپؐ نے لوگوں کو یہ معمولی منافع چھوڑنے اور اس کے بدلے میں جنت کی بشارت حاصل کرنے کی ترغیب دی۔

ہوسکتا ہے دنیا کے جدید لوگ جو ہر چیز کو عقلی اور منطقی پیمانوں پر پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہنا چاہتے ہوں کہ بدو عرب ممکن تھا حضورﷺ کی اس پیشکش کو جھٹلا دیتے جس طرح ہمارا روزمرہ کا محاورہ ہے کہ نو نقد نہ تیرہ ادھار۔

لیکن ایسا نہ ہوا۔ بدوؤں نے حضورﷺ کی پیشکش قبول کر لی اور اللہ کی رحمت اور بخشش کو سامنے رکھتے ہوئے قریشیوں سے حاصل ہونے والی آمدنی ٹھکرا دی۔

marfat.com

جو چیز نہ دل سے حضور ﷺ کی پیشکش قبول کرنے کا سبب بنی وہ قرآن کی آیات تھیں جنہوں نے ان کی سوچ کو جھنجھوڑا اور ان کے دل نرم کر دیئے، خاص طور پر وہ آیات جن میں جنت اور اس کی نعمتوں کا ذکر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اور ان کی پختگی (یعنی استقامت فی الدین) کے بدلے میں ان کو جنت اور ریشمی لباس دے گا۔

سورہ دہر یا انسان ۱۲-۷۶

ہم ترجمے سے اندازہ نہیں لگا سکتے کہ ان آیات کی تلاوت سے دل کیسے متاثر ہوتے ہیں۔ صرف عرب کا رہنے والا ہی سمجھ سکتا ہے کہ یہ مختصر سی آیات کس قدر فصیح و بلیغ معانی کی حامل ہیں۔ جب ایسی آیات زبان و بیان کے ماہر بدو عربوں کے سامنے خوش الحانی سے تلاوت کی جائیں تو وہ انتہائی زیادہ متاثر ہوتے۔

اگر جنت اور اسکی نعمتوں کی وضاحت میں ایک تفصیلی بحث کی جائے تو اس کے لئے کافی صفحات درکار ہوں گے۔ مختصر یہ کہ اللہ نے تمام مسلمانوں کو بشمول ان بدوؤں کے جنہیں حضور ﷺ اپنے ساتھ وابستہ کرنا چاہتے تھے بڑی بڑی بشارتیں دی ہیں۔ ان بشارتوں کے مطابق اگر کوئی اسلام قبول کرتا ہے تو اسے جنت کی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ جہاں پہننے کو ریشمی لباس اور پینے کو کافور کی طرح ٹھنڈے اور زنجبیل (ادرک) کی طرح خوشبو دار اور خوش ذائقہ مشروب ہوں گے۔ انہیں خوبصورت عورتیں پیش کی جائیں گی جو کبھی بوڑھی نہیں ہوں گی۔ جنت کی یہ بشارتیں ابدالآباد تک حاصل رہیں گیں۔

قرآن شریف کی آیات کا معجزہ ایک بار پھر پیش آیا اور بدوؤں نے مکہ والوں سے ملنے والی آمدنی مسترد کرتے ہوئے حضور ﷺ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔

حضور ﷺ نے بدو قبیلوں کو مسلمانوں سے جوڑنے کی کوشش کی۔ ستر مجاہدین کا ایک دستہ حضور ﷺ کی قیادت میں روانہ ہوا اور ایک بار پھر مسلمانوں کے پاس گھوڑے نہیں تھے اور وہ اونٹوں پر سوار تھے۔

marfat.com

مدینہ سے باہر حضور ﷺ اپنے فوجی دستے کے ساتھ بنو غفار کی آبادی میں پہنچے۔ دس سال پہلے ایک ڈاکو ابو ذر نے توبہ کر کے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے اپنے قبیلے کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے واپس بھیج دیا تھا۔ ان دس سالوں میں اس کے قبیلے کے تمام لوگ مسلمان ہو کر لوٹ مار کرنے سے توبہ کر چکے تھے۔

بنو غفار کے علاقے مدینہ اور ینبوع کے درمیان واقع تھے اور حضور ﷺ نے ان کے علاقوں میں داخل ہونے سے پہلے ابواء کے مقام پر قیام کیا جہاں آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی قبر مبارک تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اپنی والدہ کی قبر مبارک کے قریب پہنچ کر آپؐ اپنے اونٹ سے اترے اور ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگی۔

پھر آپؐ ایک اور علاقے ودان میں داخل ہوئے۔ یہ علاقہ غفار کی حدود میں داخل ہونے سے پہلے آتا تھا اور بنو دمرہ کے قبضے میں تھا جو مسلمان ہو چکے تھے۔

بنو دمرہ بھی قبیلہ غفار کی ایک شاخ تھی۔ حضور ﷺ نے قبیلے کے سرداروں سے گفت وشنید کرنے کے لئے ایک ہفتہ تک ودان میں قیام فرمایا۔

اس گفت وشنید کے نتیجے میں ایک فوجی معاہدہ عمل میں آیا۔ مسلمانوں اور کسی دوسرے فریق میں لکھا جانے والا تاریخ اسلام کا یہ پہلا فوجی معاہدہ شمار ہوتا ہے۔ دونوں فریقوں نے اپنی مہریں ثبت کر کے اس معاہدے کی تصدیق کی۔

بطور پیغمبرؐ اور بطور مسلمانوں کے راہنما حضور ﷺ نے کسی بھی ظلم کا سامنا کرنے کی صورت میں اپنی مدد بنو دمرہ کے ساتھ ہونے کا اعلان کیا۔ اس کے بدلے میں ان کا یہ فرض تھا کہ ضرورت کے وقت وہ اپنی تلواریں اٹھا کر مسلمانوں کی قوت کو دوبالا کر دیں گے۔ بعد ازاں بنو دمرہ نے مکی قافلوں کے اپنے علاقوں سے گزرنے کا معاہدہ منسوخ کر دیا۔ ودان کی وادی جہاں بنو دمرہ آباد تھے مدینہ سے تین دن اور مکہ سے نو دن کی مسافت پر واقع تھی۔

ہو سکتا ہے بنو دمرہ نے یہ معاہدہ اس لئے کر لیا ہو کہ مدینہ مکہ سے زیادہ قریب تھا اور یہ کہ مسلمانوں سے دوستانہ روابط بڑھانا زیادہ فائدہ مند تھا۔ لیکن یہ رائے قابل قبول معلوم نہیں ہوتی

marfat.com

مدینہ پہنچنے والی حجاز ریلوے کی پہلی ریل گاڑی

marfat.com

کیونکہ قریش کا خوف اتنا زیادہ تھا کہ وہ اس فائدے کو نظر انداز کرنے پر مجبور تھے۔ جس چیز نے انہیں قریش کو چھوڑ کر مسلمانوں کا ساتھ دینے پر اکسایا دراصل وہ حضورﷺ کی دعوت اسلام تھی جس میں آپؐ نے اللہ کی راہ میں مسلمانوں کی مدد کرنے پر انہیں جنت کی بشارت دی تھی۔

چونکہ جنت کا وعدہ دراصل ابدی نعمتوں کا وعدہ تھا اس لئے اس کے حصول میں ہر دنیاوی قربانی قابل قبول اور قابل عمل نظر آتی ہے۔ انسانی زندگی انتہائی مختصر ہے اور اس کا بھی بیشتر حصہ محنت مزدوری اور رنج ومحن اٹھانے میں گزر جاتا ہے۔ جنت میں انسان ابدی زندگی اور لامتناہی نعمتیں حاصل کرتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی آدمی آخرت کے بدلے اس دنیا کو چھوڑتا ہے تو کوئی نقصان کی بات نہیں کرتا۔

بنو دمرہ سے یہ معاہدہ کر کے حضورﷺ بنو غِفار چلے گئے۔ یہ قبیلہ آج بھی عرب میں واقع ہے۔ کرنل لارنس اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے کہ بنو غِفار کے لوگ اخلاقی اور نفسیاتی اعتبار سے آج بھی ویسے ہی ہیں جیسے چودہ سو سال پہلے اسلام کے ابتدائی دور میں تھے۔ ان کے لئے کوئی چیز یا تو سیاہ ہے یا سفید۔ دھندلی ہے یا چمکدار۔ اچھی ہے یا بری۔ سچی ہے یا جھوٹی۔ وہ اچھائی اور برائی کے بیچ کوئی درمیانی راستہ نہیں ڈھونڈتے۔

اس قبیلے کے لوگ اسلام کے احکامات کی تعمیل میں اس قدر راسخ تھے کہ اگر کسی آدمی سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا تو وہ اس کی توبہ یا اعتراف کرتے ہوئے اپنے آپ کو حضورﷺ کے سامنے پیش کر دیتا چاہے وہ گناہ کرتے ہوئے کسی کی نظر میں آتا یا نہ آتا۔ ایک بار اس قبیلے کے ایک آدمی نے قبول اسلام کے بعد ایک عورت سے ناجائز تعلقات استوار کر لئے۔ اس بات کا کوئی عینی شاہد نہیں تھا اس لئے وہ کسی عقوبت کا سزاوار بھی نہیں ٹھہرتا تھا۔ ایسے معاملے میں چار گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے جو یہ تصدیق کریں کہ انہوں نے اس فعل کا ارتکاب اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ لیکن وہ شخص بہ نفس نفیس حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے گناہ کا اعتراف کرنے کے بعد سزا کا تقاضا کیا۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ آدمی ذی شعور ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہیں ڈال رہا تو اسے اسلامی قانون کے مطابق سزا دی گئی۔

marfat.com

ایک بار دوران جنگ اونٹوں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی کہ تمام مسلمان سپاہیوں کو سوار ہونے کا موقع ملتا۔ حضورﷺ نے بنوغِفار کے کچھ سپاہیوں کو واپس اپنے قبیلے میں بھیجا۔ جب اس قبیلے کے آدمیوں کو معلوم ہوا کہ انہیں جنگ میں شرکت سے روکا گیا ہے تو وہ عورتوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اس دن کے بعد مسلمان مذاقاً اس قبیلے کو بنوغِفار کی بجائے بنو بکائی یعنی رونے والے کہنے لگے۔

حضورﷺ نے بنوغِفار کے ساتھ ایک دفاعی معاہدہ بھی کیا۔ اس معاہدے کے مطابق اگر دشمن بنوغِفار کو نشانہ بنائے تو مسلمان اس قبیلے کا ساتھ دیں گے۔ اور اسی طرح اگر دشمن مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کی کوشش کرے تو بنوغِفار مسلمانوں کے شانہ بشانہ لڑنے پر موجود ہوں گے۔

بعد میں اس قبیلے نے حضورﷺ کا اعتماد اس قدر زیادہ حاصل کر لیا کہ ایک بار جب حضورﷺ سفر پر روانہ ہونے لگے تو حضرت ابوذرؓ غفاری مدینے کا انتظام سنبھالنے کے لئے نائب مقرر ہوئے۔ بنوغِفار سے معاہدہ کرنے کے بعد حضورﷺ قبیلہ جُہینہ کے علاقے میں گئے۔ یہ قبیلہ ینبوع کے پہاڑوں میں روضہ نامی جگہ پر آباد تھا۔ اس قبیلے نے بھی مسلمانوں سے اتحاد کا وعدہ کیا۔ اس قبیلے کے لوگ تو اس قدر راسخ العقیدہ مسلمان ہو گئے کہ انہوں نے اپنے اخراجات اور مزدوری کے سہارے ایک مسجد بھی تعمیر کر لی۔ یہ مسجد قبا کے بعد مدینہ میں تعمیر ہونے والی تیسری مسجد تھی۔

حضورﷺ نے اپنا سفر جاری رکھا اور بنو مُدلج کے علاقوں میں داخل ہو گئے۔

بنو مُدلج وہی قبیلہ تھا جس کے سردار نے مدینہ ہجرت کے دوران حضورﷺ کو گرفتار کرنے کی کوشش کی تھی۔ جب وہ حضورﷺ کے قریب پہنچا تھا تو اس کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر یا لڑکھڑا کر گر پڑا تھا۔ اس نے تین بار اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی تھی لیکن اسے اٹھانے میں ناکام رہا تھا۔

اگرچہ بنو مُدلج کے لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے اس کے باوجود انہوں نے حضورﷺ کا انتہائی عزت و تکریم سے استقبال کیا اور آپؐ سے جنگ کا معاہدہ کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ سراقہ بن مالک جو اسلام قبول کر چکا تھا بعد میں مسلمانوں کا ایک نامور قائد ثابت ہوا۔

marfat.com

حضورﷺ ان اہم قبیلوں سے جنگی معاہدے کر کے کافی مطمئن تھے کیونکہ یہ قبیلے ان جگہوں پر آباد تھے جہاں سے قریش کے تجارتی قافلے گزرنے پر مجبور تھے۔ یہ قبیلے قریش کے قافلوں کو روکنے میں مسلمانوں کی انتہائی موثر مدد کر سکتے تھے۔

بدو قبیلوں سے معاہدے اور پیمان باندھ کر حضورﷺ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ آپؐ کی غیر موجودگی میں ابن ہمیر کی سرکردگی میں کچھ تیز رفتار اونٹ سواروں نے مدینہ پر حملہ کر کے مسلم املاک پر لوٹ مار کی اور بہت سے گھروں کو آگ لگا دی۔ تاہم بعد میں معلوم ہو گیا کہ انہیں قریش نے بھیجا ہے۔

اس حملے کے بعد حضورﷺ کو یقین ہو گیا کہ مسلمان اور کافر بہت جلد کسی جنگ میں ایک دوسرے کے مدمقابل آئیں گے۔

مقدس مہینہ

مدینہ سے گزرنے والے مکہ کے قافلوں پر اتنی کڑی محافظت تھی کہ مسلمانوں سے ملحقہ قبیلے ان کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ ہر مکی قافلے کے ساتھ تقریباً دو سو مسلح سپاہی ہمرکاب ہوتے تھے۔

نومبر ۶۲۳ء میں حضورﷺ نے عبداللہؓ بن جحش کی قیادت میں بارہ مسلمانوں کا انتخاب کیا۔ حضورﷺ نے حضرت عبداللہؓ بن جحش کو ایک خط دے کر نجد چھوڑنے کی ہدایت فرمائی۔ آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کنوؤں پر پہنچنے کے بعد وہ اپنے اونٹوں کو چارہ پانی ڈالے اور خط کھول کر لکھی گئی ہدایات پر عمل کرے۔

عبداللہؓ بن جحش نے حضورﷺ کے احکامات کی تعمیل کی۔ آپؓ دو دن تک مشرق کی طرف روبہ سفر رہنے کے بعد پانی کے کنوؤں تک پہنچ گئے۔ آپؓ نے اپنے اونٹوں کو چارہ پانی ڈالا اور خط

marfat.com

کھول کر پڑھنے لگے۔ آپؓ کو بذریعہ خط ہدایت کی گئی تھی کہ آپؓ قریش کے بارے میں چوکس رہیں اور مسلمانوں کے خلاف قریش کے کسی بھی حربے کا پتہ چلتے ہی حضور ﷺ کو واپس اطلاع پہنچائیں۔ عبداللہؓ بن جحش اور انکے ساتھی دو دن کا سفر کر کے رجب کے آخری دن نخلہ کے مقام پر پہنچے۔

نخلہ مکہ اور طائف کے درمیان واقع ایک جگہ کا نام ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں عربوں کا ایک مشہور بت منات وہاں نصب تھا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں طائف سے واپسی پر صبح صادق کے وقت حضور ﷺ نے انتہائی دلگداز آواز میں آیات مبارکہ کی تلاوت فرمائی تھی۔ وہ آیات اتنی موثر تھیں کہ جنوں کے ایک گروہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس وقت حضور ﷺ کی صورتحال خلاء کی تھی۔ یعنی ایک ایسا آدمی جسے اسی دن قبیلہ بدر کر دیا گیا ہو۔

حضرت عبداللہؓ بن جحش کی قیادت میں نخلہ کے مقام پر صرف دس آدمی پہنچے کیونکہ دو صحرا میں گم ہو چکے تھے۔ گم ہونے والے آدمیوں کے نام حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور عتبہؓ بن غزوان تھے۔ رجب عربوں کے لئے ایک مقدس مہینہ تھا یعنی شہر الحرام۔ تاہم مقدس مہینوں کا حوالہ تمام عربوں میں ایک جیسا نہیں تھا۔ یہ مہینے علاقے کی صورتحال اور ضرورت کے تحت مقرر کئے جاتے تھے۔ مکہ میں گیارہواں اور بارہواں مہینہ یعنی ذی قعد اور ذوالحجہ اور پہلا اور ساتواں مہینہ یعنی محرم اور رجب محترم اور مقدس تھے۔ رجب حج اصغر یعنی عمرہ کا مہینہ بھی سمجھا جاتا تھا۔ مکہ کے زائر حج کی رسومات رجب میں بلاخوف و خطر ادا کیا کرتے تھے۔

رجب کا مہینہ ختم ہونے سے ایک دن پہلے عبداللہؓ بن جحش اور ان کے ساتھی نخلہ پہنچ گئے۔ اسی دن مکہ جانے والا ایک قافلہ جو کھالیں اور خشک میوہ جات اٹھائے ہوئے تھا نخلہ پہنچ گیا۔ قافلے والوں نے کچھ دیر آرام کرنے کے بعد سفر دوبارہ شروع کرنے کا ارادہ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ مقدس مہینے کے فوائد حاصل کرنے کے لئے رجب کے ختم ہونے سے پہلے مکہ پہنچ جائیں۔

قافلے کو دیکھتے ہی عبداللہؓ بن جحش جوش میں آ گئے۔ انہیں قریش کے ڈھائے ہوئے ظلم

marfat.com

وستم اور خون آشام مناظر یاد آ گئے۔ اگر وہ قافلے پر حملہ کرتے تو مقدس مہینے کی حرمت پائمال ہونے کا ڈر تھا۔ کیونکہ ذی قعد، ذوالحجہ، محرم اور رجب میں ہر طرح کا جھگڑا اور جھڑپ منع تھی۔ آپؐ کچھ دیر کے لئے کشمکش میں مبتلا رہے اور قافلے پر حملہ نہ کیا۔

اسی لمحے آپؐ کے ذہن میں ایک خیال آیا کہ قافلے پر حملہ کرنا دراصل اسلام کی خدمت کے مترادف ہے کیونکہ مکہ کے سردار پہلے ہی مدینہ کا معاشی محاصرہ کر چکے تھے۔ قریش مسلمانوں کو بھوک اور پیاس کی ابتلاء میں ڈال کر دبانا اور دھمکانا چاہتے تھے جبکہ مسلمان اس حالت میں نہیں تھے کہ ان کا مقابلہ کر سکیں۔ تاہم آپؐ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ قافلے پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ قافلے میں قریش کے چار نامور آدمی شامل تھے۔ ایک کو واقدؓ بن عبداللہ نے جہنم رسید کر دیا۔ دو کو اسیر بنایا اور چوتھا بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ مسلمانوں نے قافلے کے مویشی اور دولت قبضے میں لے لی۔ واقدؓ اللہ کی راہ میں کسی کافر کا خون بہانے والے پہلے مسلمان تھے۔ اسلامی مورخین مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہونے والے پہلے کافر کا نام عمرو بن حضرمی بتاتے ہیں۔

اسی دوران قافلے سے بھاگنے والا چوتھا آدمی مکہ پہنچ گیا اور اس نے قافلے پر حملے کی ساری روئیداد قریش کے گوش گزار کر دی۔ مکہ والوں نے مسلمانوں کا تعاقب کرنے کی کوشش کی لیکن بروقت نہ پہنچ پائے۔ مسلمان مال غنیمت لے کر بحفاظت مدینہ پہنچ گئے۔

اس واقعے پر مکہ والوں نے احتجاج بلند کیا تو اس نقد وتنقید میں یہودی بھی ان سے آملے۔ انہوں نے حضور ﷺ اور مسلمانوں پر مقدس مہینوں کی حرمت کا خیال نہ رکھنے کا الزام لگایا اور کہا کہ مسلمانوں نے مکہ کے قافلے پر حملہ کر کے حرمت کے قدیم قوانین کی پاسداری قائم نہیں رکھی۔

عرب کے بہت سے حصوں میں جن میں مکہ اور مدینہ بھی شامل تھے مقدس مہینوں کو انتہائی احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ان مہینوں میں تو ڈاکو بھی کسی قافلے کو نہیں لوٹتے تھے۔ ان قوانین پر تمام عرب میں بڑی سختی سے عمل ہوتا تھا۔ اگر ان قوانین پر سختی سے عمل درآمد نہ کیا جاتا تو بدوان صحراؤں میں کبھی نہ رہ پاتے۔

عرب کے کچھ حصوں میں تو مٹی کا ایک پیالہ بھی قیمتی متاع سمجھا جاتا تھا۔ اگر یہ کبھی چوری

marfat.com

ہو جاتا تو اس کے نقصان کی تلافی انتہائی مشکل ثابت ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ چور کی سزا اس کے ہاتھ قلم کر دینا مقرر تھی۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو چوروں اور ڈاکوؤں سے کوئی محفوظ نہ رہتا۔

مقدس مہینوں کے قانون کی موجودگی عربوں کے گذر اوقات کے تناظر میں بھی سمجھی جا سکتی ہے۔ عرب کا ایک بہت بڑا حصہ جس میں مکہ بھی شامل تھا بنجر اور کاشت کاری کے قابل نہیں تھا۔ اس علاقے کے رہائشی اپنی مصنوعات کے تبادلے میں زرعی علاقے کے رہائشیوں سے غلہ اور خوراک درآمد کرنے پر مجبور تھے۔ تجارت صرف اسی صورت میں ممکن تھی جب قافلوں کو پر امن ماحول میں سفر کرنے کی آزادی حاصل ہوتی۔

صحرائی قبیلے عام طور پر افلاس زدہ ہوتے۔ ایسی صورت میں گزرنے والے قافلے ان کے لئے بآسانی حاصل ہونے والا سامان بقاء ثابت ہوتے۔ وہ کچھ زیادہ بہادر نہیں تھے اس لئے تاجروں کو بے رحمی سے لوٹتے۔ اس صورتحال میں عربوں نے سال کے مقدس مہینوں میں لوٹ مار اور قتل و غارت کی ممانعت پر مبنی ایک قانون تشکیل دیا جس کی پابندی کرنے پر تمام بدوؤں نے حلف اٹھایا۔

ان قوانین پر عمل درآمد اس قدر سختی سے کرایا جاتا کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے دو دشمن بھی خانہ کعبہ میں پہلو بہ پہلو عبادت کرنے کے لئے اپنی تلواریں پھینک دیا کرتے۔ یہ مہینے ختم ہوتے ہی وہ ایک دوسرے کے خلاف اپنی لڑائیاں شروع کر لیا کرتے۔ مکہ میں کچھ بوڑھے اور معزز آدمی ان مہینوں کا حساب کتاب رکھتے اور جونہی ذی قعد کا مہینہ شروع ہوتا کوئی سردار خانہ کعبہ میں آتا اور مقدس مہینوں کے آغاز کا اعلان کر دیتا 'لوگو! خبردار! مقدس مہینہ شروع ہو چکا ہے اور امن کی ابتداء ہو چکی ہے۔ اس لئے آج سے ہر طرح کا جھگڑا، دشمنی اور اختلاف وقتی طور پر ایک طرف رکھ دیا جائے'۔ مقدس مہینے کے اختتام پر وہی آدمی پھر خانہ کعبہ میں داخل ہوتا اور اعلان کرتا کہ مقدس دن گزر چکے ہیں اور وہ اپنے پرانے جھگڑے اور اختلافات دوبارہ شروع کر سکتے ہیں۔

یہ بھی قابل غور بات ہے کہ ہمارے یقین کے برعکس عرب قمری تاریخوں پر ہی انحصار نہیں

marfat.com

کرتے تھے بلکہ شمسی گوشوارے بھی استعمال کرتے تھے۔ ہر تین سال کے بعد وہ اپنے سال کو تیرہ مہینوں میں تقسیم کرتے تھے یعنی بارہ بارہ مہینوں کے ہر دو سال بعد تیسرا سال تیرہ مہینوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس تیرھویں مہینے کا نام صفر تھا جس کا مطلب خالی مہینہ سمجھا جاتا تھا۔

یہ مہینہ دوسرے بارہ مہینوں میں شامل نہیں تھا۔ ان دنوں دو مہینوں کا نام محرم ہوتا تھا۔ ایک مہینہ محرم الحرام کہلاتا اور دوسرا محرم الحلال۔ آہستہ آہستہ صفر کے مہینے نے محرم الحلال کی جگہ لے لی۔

تاہم جب عبداللہؓ بن جحش مال غنیمت لے کر مدینہ پہنچے تو حضورﷺ اور مسلمانوں کو یہ جان کر انتہائی دکھ ہوا کہ عبداللہؓ بن جحش نے رجب کے مہینے میں حملہ کیا ہے۔ حضورﷺ نے حکم دیا کہ سارے مال غنیمت کو ایک جگہ پر جمع کر دیا جائے اور جب تک کوئی فیصلہ نہیں ہو پاتا اسے آپس میں تقسیم نہ کیا جائے۔ اس موقع پر درج ذیل آیت مبارکہ نازل ہوئی:

> لوگ آپؐ سے شہر حرام میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپؐ فرما دیجئے کہ اس میں (خاص طور پر) قتال کرنا (یعنی عمداً) جرم عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک ٹوک کرنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام (یعنی کعبہ) کے ساتھ اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل تھے ان کو اس سے خارج کر دینا جرم عظیم ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور فتنہ پردازی کرنا (اس) قتل (خاص) سے بدرجہا بڑھ کر ہے اور یہ کفار تمہارے ساتھ ہمیشہ جنگ جاری ہی رکھیں گے۔ اس غرض سے کہ اگر (خدا نہ کرے) قابو پاویں تو تم کو تمہارے دین (اسلام) سے پھیر دیں اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جاوے پھر کافر ہی ہونے کی حالت میں مر جائے تو ایسے لوگوں کے لئے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہو جاتے ہیں اور ایسے لوگ دوزخی ہیں (اور) یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

marfat.com

مذکورہ بالا آیت میں اچھی طرح واضح کر دیا گیا ہے کہ مقدس مہینوں کی خلاف ورزی کرنے کے مقابلے میں کسی مسلمان کو یا اس کے ماننے والے کو مکہ جانے سے روکنا اور ان کے خلاف جنگ وجدل کی بنیاد رکھنا زیادہ بڑا گناہ ہے۔ اس طرح اس آیت مبارکہ نے حضور ﷺ کی پریشانی ختم کر دی اور آپ کو معلوم ہو گیا کہ متارکہ کے قانون کی خلاف ورزی اللہ کو ناگوار نہیں گزرتی۔ اللہ کے حکم کے نفاذ اور اسلام کی اشاعت کے سلسلے میں ضروری اقدام اٹھانے کے لئے سال کا کوئی بھی مہینہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔

کچھ دنوں بعد اسیروں کی رہائی اونٹوں اور دوسری قابل ذکر اشیاء کی سپردگی پر بات چیت کرنے کے لئے مکہ والوں کا ایک وفد مدینہ پہنچا۔ حضور ﷺ نے اونٹ اور اشیاء تو واپس نہ کیں البتہ اسیروں کو رہا کر دیا اور مقتول کے رشتہ داروں کو دیت بھی ادا کر دی۔ ان اسیروں میں سے ایک نے مکہ جانے سے انکار کر دیا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ مسلمانوں کو اس بات پر انتہائی مسرت ہوئی۔

جس قیدی نے اسلام قبول کیا تاریخ اسلام میں اس کا نام حکم بن کیسان اور جو قیدی مکہ واپس لوٹ گیا اس کا نام عثمان بن عبداللہ بتایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہونے والے پہلے اسیر تھے۔ جہاں تک قافلے کی اشیاء کا تعلق ہے تو مسلمان مورخین میں اس بات پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ حضور ﷺ نے مال غنیمت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور قریش کو دیت بھی ادا کی جبکہ کچھ دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ حضور ﷺ نے مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دیا اور اس کا پانچواں حصہ بطور خمس اپنے لئے مخصوص کر لیا۔

marfat.com

غزوۂ بدر

مدینہ کے مخبروں نے اطلاع دی کہ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل قافلہ پچاس ہزار دینار مالیت کی اشیاء اٹھائے مدینہ پہنچ رہا ہے۔ یہ قافلہ مکہ جا رہا تھا اور اس کی قیادت ابوسفیان کر رہا تھا۔ یہ واقعہ نخلہ پر مسلمانوں کے ہاتھوں لٹنے والے قافلے کا معاملہ طے ہونے کے چھ ہفتے بعد پیش آیا۔

اس قافلے کی اشیاء میں قریش کے تمام خاندانوں کا حصہ تھا۔ وہ قافلے کے بحفاظت پہنچنے کا انتہائی بے قراری سے انتظار کر رہے تھے۔ قافلے کے مدینہ کی حدود میں پہنچنے سے پہلے حضرت عبدالمطلب کی ایک بیٹی عاتکہ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی بہت بڑی آفت کچھ دنوں میں مکہ پر نازل ہونے والی ہے۔ مکہ کے تاجر قافلے کی حفاظت کے سلسلے میں تشویش کا شکار ہونے لگے۔

عام رواج یہ تھا کہ جب کوئی قافلہ لمبے سفر کے بعد مکہ واپس آ رہا ہوتا تو ایک ہرکارہ تین یا چار دن پہلے ہی تیز رفتار اونٹ پر سوار مکہ پہنچ جایا کرتا۔ ہرکارے کا آنا اس بات کی علامت سمجھا جاتا کہ قافلہ بحفاظت پہنچ رہا ہے۔ اس ہرکارے کا نام نطف یعنی بال مونڈھنے والا آدمی تھا۔ اس کا یہ نام اس لئے رکھا گیا تھا کہ مکہ کی عورتیں جو اپنے شوہروں یا عزیزوں کا انتظار کر رہی ہوتی اس خبر پر اپنے چہرے کے بال صاف کر لیا کرتیں۔ یہ ان کی آرائش و زیبائش کا ایک حصہ تھا۔ وہ اپنے گھروں کو جھاڑتی پونچھتیں اور آنے والوں کا انتظار کرنے لگتیں۔

تاہم اس بار اس ہرکارہ کے آنے میں کچھ تاخیر ہوگئی۔ یہ افواہیں بھی پھیل گئیں کہ قافلے پر کچھ انہونی بیت گئی ہے۔ یہ افواہ یا خبر مکہ میں ان لوگوں کے ہاتھوں پھیلی جنہیں موذن یعنی راستوں میں خبر پھیلانے والے کہا جاتا تھا۔ اس دن لوگوں نے دیکھا کہ ایک موذن لوگوں کو پکارتا

marfat.com

ہوا اونٹ کی ننگی کوہان پر بیٹھا ہے اور اسکی کاٹھی کوہان کی بجائے پیٹ سے بندھی ہے۔اس نے الٹے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ بال بکھرے ہوئے ہیں اور اونٹ کے کٹے ہوئے کانوں سے خون بہہ رہا ہے۔اس کا چہرہ گرد سے اٹا ہوا ہے اور وہ خوف سے چلا رہا ہے'او قریشیو! خبردار! مکہ کا قافلہ خطرے میں ہے۔ مسلمانوں نے بدلہ لینے کی قسم کھائی ہے۔بہادرو! اٹھو! اپنی تلواریں اٹھاؤ! مکہ کے شیرو! مسلمانوں کو جالو۔اس سے پہلے کہ قافلے کا کچھ باقی نہ رہے۔'

یہ بھی عام رواج تھا کہ بری خبر کی صورت میں یہ موذن ایسا بہروپ بھرتا جو اس تباہی کی صریحاً غمازی کر رہا ہوتا۔بعض دفعہ تو اس کے پیچھے ایسے موذن بھی آتے جو پوری طرح برہنہ بدن ہوتے۔ایسے موذنوں کو برہنہ موذن کہا جاتا جو اس بات کی علامت ہوتے کہ آنے والی آفت انتہائی دردناک ہے۔ان کی آوازیں عام طور پر انتہائی جذباتی اور دلولہ انگیز ہوتیں۔اس کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہوتا کہ قافلہ انتہائی بری طرح لٹا ہے۔اس پر لوگ برانگیختہ ہوتے اور شدت سے ردعمل کا اظہار کرتے۔چند گھنٹوں میں نو سو پچاس جنگجو سات سو اونٹوں اور ایک سو گھوڑوں کے ساتھ مقابلے کے لئے نکل آئے۔کچھ عورتیں اپنے مردوں کو مسلمانوں کے قتل عام پر ابھارنے کے لئے ساتھ ہولیں۔ مسلح سپاہیوں، اونٹوں اور تیز رفتار گھوڑوں کے علاوہ جنگ کے اخراجات پورے کرنے کے لئے دو سو پچاس ہزار درہم بھی اکٹھے کر لئے گئے۔

مکی تاجروں نے اس مختصر سے اشارے پر اس سے پہلے کبھی اتنی رقم خرچ نہیں کی تھی۔مکہ والوں کا خیال تھا کہ اگر اس وقت مسلمانوں کو منہ توڑ جواب نہ دیا گیا تو آئندہ ان کے قافلے کبھی بحفاظت سفر کرنے کے قابل نہیں ہوں گے۔

حضورﷺ بھی مدینہ کے قریب سے گزرنے والے قافلوں کو روکنے کی تیاری کر رہے تھے۔آپ کی فوج تین سو تیرہ مسلمانوں پر مشتمل تھی جو اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرنے نکل آئے تھے۔حضورﷺ کے یہ اقدامات مسلمانوں کے خلاف قریش کے معاشی محاصرے کے جواب کی صورت میں اٹھائے گئے تھے۔

مدینے کے مسلمان یعنی انصار دو قبیلوں پر مشتمل تھے۔ایک کا نام اوس اور دوسرے کا خزرج

marfat.com

تھا۔ ہر دو قبیلوں میں سے ستر آدمی حضور ﷺ پر جاں نثار ہونے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ تین سو تیرہ مجاہدوں میں سے ایک سو چالیس انصار تھے اور باقی مہاجر۔ صرف ستر اونٹ اور دو گھوڑے میسر تھے۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ ہر اونٹ پر دو آدمی باری باری سوار ہوتے ہوئے سفر کریں۔ ایک آدمی کچھ فاصلے تک سوار ہوگا اور دوسرا ساتھ ساتھ پیدل چلے گا یہاں تک کہ کچھ فاصلے پر وہ ایک دوسرے سے اپنا مقام بدل لیں گے۔

سترہ رمضان ۲ھ کو حضور ﷺ اور آپ کی مٹھی بھر فوج نے قافلے کے انتظار میں مدینہ کے جنوب مغرب سے بیس کلو میٹر کے فاصلے پر خیمے لگا لئے۔ ابوسفیان کے راستہ بدلنے کی وجہ سے قافلہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسے منافقوں اور مدینے کے یہودیوں نے قبل از وقت متنبہ کر دیا تھا۔

دوسری طرف ایک ہزار جنگجوؤں پر مشتمل مکہ کی فوج انتہائی تیز رفتاری سے مدینہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ مسلمان مخبروں نے دشمن کی فوج کے دو سپاہی پکڑ لئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ مخبروں نے اس بات کی بھی تصدیق کر دی کہ ایک ہزار سپاہیوں پر مشتمل فوج تیزی سے مدینہ کی طرف بڑھ رہی ہے۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ دشمن کے سپاہیوں کو زیر حراست رکھا جائے۔ آپؐ نے مسلمانوں سے فرمایا "مکی قافلہ ہمیں جھانسہ دے گیا ہے۔ لیکن مکہ والے ہم پر حملہ کرنے آ نکلے ہیں۔ ابوجہل کی سرکردگی میں مکہ کے ایک ہزار سپاہی ہماری طرف بڑھ رہے ہیں۔ اگر ہم مدینہ واپس لوٹتے ہیں تو مکہ کی فوج مدینہ پر حملہ کر کے نہتے مسلمانوں کا خون بہا سکتی ہے۔ بہتر ہے یہاں ان کا انتظار کیا جائے کیونکہ یہ جگہ مقابلے کے لئے شہر کی نسبت قابل ترجیح ہے اور اس جگہ کامیابی کے امکانات زیادہ ہیں۔

وادی بدر کا کچھ حصہ مٹی، کچھ چٹانوں اور بقیہ ریگستان پر مشتمل ہے۔ یہ وادی دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ مشرقی پہاڑ کا نام عدوۃ القصوئ اور جنوب کی طرف واقع پہاڑی سلسلے کا نام اسفل ہے۔ اسفل کی طرف بہت سے ندی نالے بہتے تھے جہاں مکی قافلے سفر کے دوران ٹھہرتے اور آرام کرتے تھے۔

مسلمانوں کا فوجی دستہ وادی بدر کے شمالی اطراف میں قافلے کا انتظار کرتا رہا۔ جب یہ

marfat.com

بات ثابت ہوگئی کہ قافلہ نہیں آرہا تو حضورﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اسفل کے دامن میں اپنی جگہ بدل لیں تاکہ مسلمانوں کو پانی کے چشموں پر دسترس حاصل ہوجائے۔

عرب انفرادی سطح پر جنگ کرنے کے عادی تھے۔ان میں سے ہر کوئی انفرادی بہادری اور ناموری کے لئے تگ و دو کرتا تاکہ مبارز کا خطاب حاصل کرے جس کا مطلب بہادر اور نڈر تھا۔اس جنگ میں حصہ لینے والے مسلمان دراصل یہ جنگ اپنے لئے نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں لڑ رہے تھے۔حضورﷺ نے انہیں بتایا کہ صرف اور صرف اللہ ہی کسی آدمی کی بہادری یا جذبے کو دیکھ سکتا ہے۔اگر انہوں نے اپنی جانیں اللہ کی راہ میں قربان کیں تو اللہ اس کا اجر ضرور دے گا اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقامات سے سرفراز فرمائے گا۔دشمن کے مقابلے میں مسلمان فوج کی تعداد تین گنا کم تھی۔یہ جنگ صرف اسی صورت میں جیتی جاسکتی تھی کہ مسلمان مل کر ثابت قدمی سے لڑیں۔

حضورﷺ نے مسلمانوں کو اس جنگی حکمت عملی سے متعارف کرایا جو دور اسکندری میں زیر عمل رہی تھی۔یونانی زبان میں اس حکمت عملی کو فیل ایلگکس کہتے تھے۔یہ اصطلاح ایک خاص فوجی دستے کی قسم کو ظاہر کرتی ہے۔انگریزی زبان میں اس اصطلاح کا متبادل لفظ فیلینکس ہے۔فیلینکس ایک ایسی فوجی ترتیب تھی جس میں تمام سپاہیوں کو دائرے کی شکل میں کھڑا کیا جاتا تھا۔یہ فوجی صفوں میں حسب ضرورت اپنی جگہ تکون، مربع یا دائروی صورت میں بدل لیتے تھے۔ایسی جنگی تشکیل میں تمام سپاہیوں کو اپنے دشمن کا اس طرح سامنا کرنا پڑتا تھا کہ پیچھے سے حملہ ہونے کے امکانات بہت کم رہ جاتے تھے۔حضورﷺ نے یہ حکمت عملی سب سے پہلے غزوہ بدر میں اختیار فرمائی۔مسلمانوں کی بہادری اور دلیری ایک طرف لیکن اس جنگ کی فتح بہت حد تک اس حکمت عملی کی رہین منت تھی۔حضورﷺ نے مسلمان فوج کے حصوں کو تکون کی صورت میں ترتیب دیا اور تینوں کونوں میں آپؐ نے تین علمبردار تعینات کئے۔یہ فوج مزید تکونی حصوں میں بٹتی گئی جو ایک دوسرے کی محافظت کر رہے تھے۔ہر جگہ پر دشمن کو مسلمانوں کے ایک دستے کا سامنا تھا جس کی پشت پناہی دو اور دستے کر رہے تھے۔ہر تکونی فیل ایلگیکس کا

marfat.com

ایک اپنا علمبردار تھا۔ حضرت علیؓ پہلے دستے کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے۔ آپؓ کا جھنڈا سفید تھا اور اس پر عقاب کا نشان بنا ہوا تھا۔ دوسرا جھنڈا حضرت مصعبؓ بن عمیر جو ایک مہاجر تھے، اور تیسرا جھنڈا ایک انصاری سعدؓ بن معاذ اٹھائے ہوئے تھے۔

فوج کی یہ تقسیم کرنے کے بعد حضورﷺ ایک بار پھر مسلمانوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

'مسلمانو! اگر تم جیت گئے تو جنت پاؤ گے اور اگر تم نے اپنی جانیں قربان کر دیں اور شہادت پائی تو پھر بھی جنت تمھارا مقدر ہے۔ کوئی جنتی دوبارہ اس دنیا میں آنے کی خواہش نہیں کرتا سوائے ان کے جنھیں شہادت نصیب ہوئی ہو۔ وہ شہادت کا مزہ بار بار اٹھانا چاہتے ہیں کیونکہ صرف وہی جانتے ہیں کہ اللہ نے جنت میں شہادت کے بدلے انہیں کیسی کیسی نعمتوں سے نوازا ہے۔'

جب سورج غروب ہو رہا تھا تو مکہ کی فوج آ پہنچی۔ تاریکی چھانے کی وجہ سے قریش اور مسلمانوں نے جنگ نہ چھیڑی۔ رات کو حضورﷺ نے اپنی فوج اس طرح ترتیب دی کہ اگلے دن سورج کی روشنی انہیں خیرہ نہ کر پائے۔

یہ حکمت عملی ظاہر کرتی ہے کہ حضورﷺ جنگی چالوں سے بڑی اچھی طرح واقف تھے۔ ہمیں نہیں معلوم آپؐ نے یہ مہارتیں کہاں سے حاصل کیں تھیں۔ اس رات حضورﷺ نے سوائے ان محافظوں کے جو باری باری پہرہ دے رہے تھے مسلمانوں کو اچھی طرح سونے کا مشورہ دیا۔ آپؐ نے مسلمانوں کی دلجمعی کے لئے اللہ تعالیٰ سے انتہائی خضوع و خشوع کے ساتھ دعا فرمائی۔ قرآن میں اس کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے:

اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا اپنی طرف سے چین دینے کے لئے اور (اس کے قبل) تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ اس پانی کے ذریعے تم کو (حدث اصغر و اکبر سے) پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے۔ اور تمھارے دلوں کو مضبوط کر دے

marfat.com

اور تمھارے پاؤں جمادے۔

سورۃ انفال ۱۱:۸

مسلمان دشمن کے اتنا قریب ہونے کے باوجود اس طرح سکون سے سوئے کہ بارش کا پانی بھی انہیں نہ جگا سکا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پاک صاف کرنے اور ان کے قدموں کو زمین پر مضبوطی سے جمانے کے لئے پانی نازل کیا۔

کچھ اسلامی مورخین کا خیال ہے کہ جنگ کا آغاز ۱۷ رمضان ۲ھ جمعہ کی صبح کو ہوا۔ اگر واقعی ایسا ہے تو مسلمان ضرور جمعرات کو وادی بدر میں خیمہ زن ہوئے ہوں گے۔ مسلمان فوج نے میدان جنگ میں ایک رات بسر کی۔ حیرانی کی بات ہے کہ حضورﷺ بدر جیسی وادی میں اپنے سے تین گنا بڑے دشمن سے کیسے نبرد آزما ہوئے ہوں گے۔

مکہ کے سپاہی اتنے ڈرپوک نہیں تھے کہ ہمارے ذہن میں خیال آئے شائد پہلے ہی حملے میں بھاگ کھڑے ہوئے ہوں گے۔ عربی ہونے کی حیثیت سے بہادری اور جنگجوئی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ تلوار بازی میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ انہیں خون بہانے اور مرنے کا کوئی خوف نہیں تھا۔ اگر آج کوئی چھوٹی فوج کسی بڑی فوج کا مقابلہ کرتی ہے تو جدید ترین اسلحے کے بل بوتے پر کرتی ہے۔ لیکن بدر میں معاملہ ایسا نہیں تھا۔ دونوں حریفوں کے پاس تقریباً ایک جیسا اسلحہ تھا۔ بات تھی تو جسمانی اور افرادی قوت کی۔ فتح کا دارومدار آجا کر انہی پر ہوتا تھا۔ ہر سپہ سالار کی سب سے پہلی کوشش اپنے دشمن کی تعداد کا اندازہ لگانا ہوتی تھی۔

اگر حضورﷺ کے پاس قریش سے زیادہ اسلحہ ہوتا تو ہم کہتے شاید اسلحے کی برتری کے بل پر مسلمانوں نے قریش کا سامنا کیا تھا۔ اس جنگ میں مکہ والے سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے میدان میں لے کر اترے تھے جبکہ حضورﷺ کے پاس صرف ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے۔ حضور ﷺ کو صرف اور صرف اللہ پر بھروسہ تھا۔ آپؐ کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد کر کے دشمن کا غرور خاک میں ملا دے گا۔ مسلمانوں کو بھی اللہ پر پختہ یقین تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر وہ شہید ہو گئے تو جنت ان کا انعام ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ پر یقین اور اپنے عزم و حوصلے کے ساتھ ساتھ

marfat.com

جس چیز نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کروایا وہ حضور ﷺ کی بے مثل جنگی حکمت عملی تھی جس کی نظیر سارے عرب میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ جمعہ کی صبح ۱۷ رمضان ۲ھ کو حضور ﷺ کو محسوس ہوا کہ اگر انہیں شکست ہوگئی تو نہ صرف مسلمان صفحہ ہستی سے مٹ جائیں گے بلکہ اسلام کا بھی کوئی نام لیوا نہیں رہے گا۔

نبرد آزمائی شروع ہونے سے پہلے یہ عام رواج تھا کہ سپہ سالار کسی اونچی جگہ سے اپنی فوجوں کو دیکھتا اور ہدایات پہنچاتا۔ عام طور پر یہ جگہ میدان جنگ کے پیچھے ہوتی۔ حضور ﷺ اپنی فوجوں کو ہدایات دینے کے لئے ایک ٹیلے پر چڑھ آئے۔ عربی میں جس جگہ سے فوج کو ہدایات دی جاتی ہیں اسے عریش کہتے ہیں۔

جنگ کا آغاز علی الصبح ہوگیا۔ عام رواج کے مطابق اپنی حوصلہ افزائی اور دشمن کی حوصلہ شکنی کے لئے ہجویہ شعر پڑھے گئے۔ اس کے بعد قریش کے تین جنگجو میدان میں اترے۔ یہ ابوسفیان کا سسر عتبہ، ابوسفیان کی بیوی ہند کا چچا اور عتبہ کا بھائی شیبہ اور ابوسفیان کا برادر نسبتی اور عتبہ کا بیٹا ولید تھے۔

ان تین جنگجوؤں نے میدان میں اترتے ہی پکار کر کہا، 'ہے کوئی جو سامنے آئے؟'۔

اسلامی فوج سے تین انصار آگے بڑھے اور بولے، 'ہم جواب دیتے ہیں تمہاری للکار کا، آؤ'۔ قریش کے جنگجو بولے: 'کون ہو تم ہمارے مقابلے میں آنے والے؟ اور کس قبیلے کے؟'۔ انہوں نے جواب دیا، 'ہم مدنی ہیں'۔

قریش کے جنگجو چلائے: 'پتہ نہیں کون ہو تم، چلے جاؤ، ہماری ٹکر کے لاؤ سامنے'۔

حضرت عمرؓ گرج کر بولے، 'کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہم میں، ہم سب برابر ہیں'۔

قریش دراصل مکہ والے مسلمانوں سے لڑنا چاہتے تھے۔ انصار سے ایک تو ان کی کوئی دشمنی نہیں تھی دوسرے وہ انہیں اپنے قابل نہیں سمجھتے تھے۔

تاہم اس صورتحال میں حضور ﷺ نے ولید بن عتبہ کے مقابلے میں پہلے علم بردار علیؓ بن ابی طالب کو میدان میں اتارا۔ پھر دوسرے دونوں جنگجوؤں عتبہ اور شیبہ کے مقابلے میں اپنے چچا حمزہؓ

marfat.com

بن عبدالمطلب اور عبیدہؓ بن حارث کو میدان میں بھیجا۔

اپنے اپنے مد مقابل سے پنجہ آزمائی شروع کرنے سے پہلے تینوں مسلمانوں نے رجز پڑھے۔

رجز ایسے تعارفی شعر ہوتے تھے جن کے بعد بہت سے دسرے جنگی قصیدے بآواز بلند پڑھے جاتے۔

حضرت علیؓ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ وہ ابو طالب بن عبدالمطلب کے بیٹے علیؓ ہیں۔ پھر آپؓ نے نامور شاعر امراء القیس بن حجر الکندی کے قصیدے سے آخری مشہور شعر پڑھے۔ امراء القیس سبع معلقات میں سے ایک ہے۔ سبع معلقات ان سات شاعروں کا کلام ہے جن کی شاعری پچھلے ڈیڑھ سو سال سے بطور بہترین شاعری خانہ کعبہ کی دیواروں پر لٹکائی جا رہی تھی۔

رجز پڑھنے کے بعد دونوں طرف کے جنگجوؤں نے ایک دوسرے پر دھاوا بول دیا۔ عرب تلوار اس طرح نہیں چلاتے تھے جس طرح یورپ والے۔ یورپی جنگجو تلوار کی نوک استعمال کرتے تھے جبکہ عربی نوک سے نچلا حصہ۔ نوک ان کے لئے اتنی اہم نہیں تھی۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ تلوار بازی میں عرب کسی اصول کا خیال نہیں رکھتے تھے لیکن معاملہ یہ نہیں تھا۔ یونانیوں، رومنوں اور یورپیوں کی طرح عربوں نے بھی اپنے آپ کو تلوار بازی میں مشاق کر رکھا تھا۔ ان جنگوں میں ڈھال کا صحیح استعمال بڑی اہمیت رکھتا تھا کیونکہ تلوار کے سامنے صرف یہی ایک حفاظت تھی۔

حضرت علیؓ اپنے مد مقابل کے خلاف انتہائی چستی اور پھرتی سے تلوار چلا رہے تھے۔ تاہم لڑائی زیادہ دیر نہ چل سکی۔ ایک بار حضرت علیؓ نے پلٹ کر ایسا وار کیا کہ ذوالفقار ہوا کی طرح ولید کا گلا کاٹتی گزر گئی۔

وہ لڑکھڑایا اور زمین پر گر پڑا۔ چند لمحوں میں اس کا جسم بے حس و حرکت پڑا تھا۔

حضرت حمزہؓ نے بھی اپنا مد مقابل مار گرایا۔ لیکن تیسرے مسلمان مجاہد عبیدہؓ بن حارث ابو سفیان کے سسر عتبہ کے بھائی شیبہ سے لڑتے ہوئے بری طرح زخمی ہو گئے اگرچہ وہ شیبہ کو ختم

marfat.com

کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔

اس طرح اسلام کے تینوں مجاہد فتح یاب لوٹے۔تینوں مسلمانوں نے اس کو اچھا شگون سمجھا اور ان کے حوصلے بلند ہو گئے۔جب قریش نے اپنے جنگجوؤں کو خاک میں اوندھے پڑے دیکھا تو انہوں نے اپنے نیزے ہوا میں بلند کر دیئے جس کا مطلب عام اور اجتماعی جنگ کا آغاز تھا۔اسی لمحے وہ مسلمانوں پر ایک کمر توڑ حملہ کرنے کو لپکے۔

حملہ آوروں کو پتہ تھا کہ ان کے کچھ مدمقابل ان کے اپنے بچے، بھائی، چچا اور رشتہ دار ہیں اس کے باوجود وہ انہیں قتل کرنے میدان میں اتر آئے تھے۔

عربوں کی تاریخ میں کبھی کوئی باپ بیٹے کے، بھائی بھائی کے، چچا بھتیجے کے اور رشتہ دار رشتے دار کے سامنے نہیں آیا تھا۔وہ تو اپنے قبیلے کا جتھا بنا کر دوسرے قبیلے کے جتھوں سے لڑنے کے عادی تھے۔یہ وفاداریاں اور رشتے پہلی بار جنگ بدر میں ہی تبدیل ہوئے۔

جنگ شروع ہونے کے فوراً بعد حضور ﷺ عریش سے نیچے اترے اور قرآنی آیات پڑھتے ہوئے عام مسلمانوں کے شانہ بشانہ لڑنے لگے۔ان آیات میں غازیوں اور شہیدوں دونوں کے لئے جہاد کے صلے اور جنت کی بشارت کا ذکر تھا۔

یہ آیات سن کر مسلمانوں کا ولولہ بیدار ہوا۔ایک مجاہد عمیرؓ باواز بلند پکارے،'میرا اور جنت کا فاصلہ گیا'۔وہ اپنی صف سے نکلے اور کافروں پر ٹوٹ پڑے، لیکن گھیرے میں آ کر جلد ہی شہید ہو گئے۔

دوسری طرف قریش کے سپاہی اپنے روایتی انداز میں لڑ رہے تھے۔ہر کوئی اپنے ساتھیوں سے بے پرواہ انفرادی بہادری دکھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

مسلمانوں کے تینوں فوجی دستوں نے دشمن سے ممتاز نظر آنے کے لئے اپنے مخصوص نشان لگا رکھے تھے۔پہلے دستے نے زرد جبکہ دوسرے نے سبز عمامے پہن رکھے تھے۔تیسرے دستے نے اپنے سفید عماموں میں پر بھی لگا رکھے تھے۔حضرت حمزہؓ بھی اپنے سینے پر شتر مرغ کے پر لگائے ہوئے تھے جو ہوا میں لہرا رہے تھے۔کہا جاتا ہے کہ جب قریش مکہ کی فوج آگے بڑھتی چلی آ رہی

marfat.com

تھی، حضورﷺ زمین پر جھکے اور مٹھی بھر ریت اٹھا کر ان کی اچھال دی اور فرمایا' کافرو! بھاگ جاؤ' اس موقع پر مسلمانوں نے اپنی صفوں کا مکمل خیال رکھتے ہوئے قریش پر ایک بھرپور حملہ کیا۔ تینوں فوجی دستے تین قلعوں کی طرح آگے بڑھے۔ قریش کے پاس سوائے پسپا ہونے کے اور کوئی راستہ باقی نہیں بچا تھا۔

حضورﷺ کو خبر ملی کہ آپؐ کے چچا عباس جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے قریش کے ساتھ ہیں۔ آپؐ نے حکم دیا کہ عباس کو زندہ گرفتار کیا جائے۔

عباس قریش کی فوج کے ساتھ بدر کے میدان میں آئے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا۔ وہ ایک تاجر تھے اور خون خرابے میں بالکل دلچسپی نہیں لیتے تھے۔ دوسرا وہ اپنے بھتیجے سے کسی قسم کی کوئی جنگ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ انہیں ان کی بیوی جو ایک مسلمان تھیں نے جنگ میں کودنے سے منع کر رکھا تھا۔

ایک مسلمان مجاہد نے جنگ کے دوران انہیں دیکھا اور پہچان لیا۔ اگرچہ وہ مجاہد انتہائی دبلا پتلا اور عباس صحت مند جسم کے مالک تھے اس کے باوجود اس مجاہد نے انہیں پکڑا اور فوراً حضورﷺ کی خدمت میں لے آیا کیونکہ اسے میدان جنگ میں اپنی جگہ پر واپس پہنچنا تھا۔

مسلمان فوج نے ابوجہل کے گرد اس کے ساتھیوں کا گھیرا توڑ ڈالا۔ معاذ بن عمرو نے ابوجہل کے قدم پر ایک ایسا کاری زخم لگایا کہ وہ کراہتے ہوئے زمین پر آ گیا۔ اس کے بیٹے عکرمہ نے اپنے باپ کو بچاتے ہوئے معاذ پر وار کیا اور کہنی کے قریب سے اسکا بازو کاٹ دیا جو جسم کے ساتھ جھولنے لگا۔ حضرت معاذؓ کے چہرے پر تکلیف کے کوئی آثار نمودار نہ ہوئے اور آپؓ نے اپنے بائیں ہاتھ سے لٹکتے ہوئے دائیں ہاتھ کو توڑ پھینکا اور کہا' یہ بھی اللہ کی راہ میں ہے۔' پھر وہ جھکے، اپنی تلوار اٹھائی اور دوبارہ لڑنے لگے۔ چند ہی لمحوں میں ایک مسلمان سپاہی نے ابوجہل کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

تاریخ اسلام کے مطابق معاذ بن عمرو نے ابوجہل پر پہلا حملہ کیا تھا لیکن عکرمہ کے ہاتھوں خود زخمی ہو کر اپنے کام کو انجام نہ دے سکے اور ایک اور مجاہد معوذ بن عفراء نے ابوجہل کے سینے

marfat.com

مدینہ کا پرانا ریلوے سٹیشن جو اب استعمال میں نہیں۔

marfat.com

میں اپنی تلوار گھونپ دی اور اسے مردہ سمجھ کر دوسری طرف لگ گئے حالانکہ ابوجہل جنگ کے خاتمے تک زخمی لیکن زندہ پڑا رہا۔ اس موقع پر عبداللہؓ بن مسعود نے ابوجہل کا سر قلم کر کے حضور ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ عبداللہؓ بن مسعود وہی صحابی ہیں جو اسلام کے ابتدائی دور میں کاتب وحی کا کام کر چکے تھے۔ کاتب وحی وہ لوگ تھے جن کو حضور ﷺ نے نزول کے بعد قرآن کی آیات لکھنے کی تربیت دے رکھی تھی۔ ابوجہل کا اصل نام عمرو بن ہشام بن مغیرہ المخزومی تھا اور اس کی کنیت ابوالحکم تھی لیکن اپنی اسلام دشمنی، ہٹ دھرمی اور حضور ﷺ کی مخالفت کے سبب تاریخ میں اس کا نام ابوجہل یعنی جہالت کا باپ مشہور ہے۔

ابوجہل کی موت کے بعد قریش کی ہمت ٹوٹ گئی اور پاؤں اکھڑ گئے۔ تعداد میں تین گنا زیادہ ہونے کے باوجود وہ اپنے ستر ساتھیوں کی لاشیں چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔

ابوجہل کے ساتھ ساتھ قریش کے کچھ اور نامور سردار جن میں ابوسفیان کا سسر عتبہ اور اس کا بھائی شیبہ بھی شامل تھے اس جنگ میں جہنم رسید ہوئے۔ اگرچہ مسلمانوں کی تعداد اپنے دشمن کے مقابلے میں تین گنا کم تھی پھر بھی انہیں صرف چودہ سپاہیوں کا نقصان اٹھانا پڑا۔ جنگ بدر جس میں مسلمانوں کو فتح اور کامرانی نصیب ہوئی بعد میں انتہائی حوصلہ افزاء اور مددگار ثابت ہوئی اور مسلمانوں کا اعتماد بحال ہوا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی فوج نے اپنے سے تین گنا بڑی فوج کو اپنے یقین اور حضور ﷺ کی بے مثل قیادت اور اچھوتی حکمت عملی کے بل پر شکست دے دی۔ جنگ کے خاتمے پر جب قریش میدان سے بھاگ نکلے تو ایک مسلمان سپاہی لاشوں کی نشاندہی کرنے کے لئے میدان جنگ میں گیا۔

اس مسلمان سپاہی کا نام ابوحذیفہ بن عتبہ تھا۔ اس کا تعلق مکہ سے تھا اور میدان جنگ میں پڑے مرنے والوں کا تعلق بھی مکہ سے تھا۔ وہ لاشوں میں اپنے رشتہ داروں کی لاشیں پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

اچانک اس نے ایک لاش دیکھی۔ وہ جھکا اور کچھ لمحوں تک لاش کا احتیاط سے جائزہ

marfat.com

لیا۔ جب وہ اٹھا تو اس کے چہرے پر غم کے آثار تھے۔ اسی دوران حضورﷺ قریب سے گزرے اور پوچھا 'ابوحذیفہ! اتنے مضمحل کیوں نظر آ رہے ہو؟ آج تو اللہ نے ہمیں فتح سے نوازا ہے'۔

ابوحذیفہؓ نے اپنے سامنے پڑی ہوئی لاش کی طرف اشارہ کیا اور کہا 'یارسولؐ اللہ! میں اس شخص کو دیکھ کر غمگین ہو رہا ہوں۔ یہ میرا باپ ہے۔' حضورﷺ نے اسے تسلی دی لیکن ابوحذیفہؓ بولا 'یارسولؐ اللہ! مجھے افسوس ہے کیونکہ میں چاہتا تھا کہ میرا باپ بت پرستی چھوڑ دے اور توبہ کر لے۔ اب جبکہ اس کی لاش میرے سامنے پڑی ہے مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ وہ دنیا سے مسلمان ہوئے بغیر چلا گیا۔

ایام العرب میں تفصیل سے بیان کی گئی یہ جنگ بدر آج بھی تاریخ اسلام کا ایک نمایاں اور اہم واقعہ سمجھی جاتی ہے۔ میدان بدر میں مسلمانوں نے پہلی بار کسی بھرپور لڑائی میں کامیابی حاصل کی تھی۔ مزید یہ کہ انہیں معلوم ہو گیا کہ پختہ یقین اور جنگی حکمت عملی کے استعمال سے ایک چھوٹی سی فوج بھی اپنے بہت بڑے حریف پر غالب آ سکتی ہے۔

جنگ کے اختتام پر مسلمانوں نے دن کا بقیہ حصہ اپنے شہیدوں کو دفناتے اور کافروں کی لاشیں بدر کے کنویں میں پھینکتے بسر کیا۔

جنگ کے شروع ہونے سے پہلے حضورﷺ نے مسلمانوں کو نصیحت کی تھی کہ وہ لاشوں کا مثلہ نہ کریں اور نہ ہی یادگار کے طور پر ان کے ہاتھ پیر کاٹیں (جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں عام رواج تھا)۔ آپؐ نے فرمایا 'ہر زندہ اور مردہ پر مہربانی کرنا قابل قدر چیز ہے'۔

marfat.com

اسیروں سے شفقت کا برتاؤ

جب مسلمان شہیدوں کو دفن کر دیا گیا تو حضور ﷺ نے جنگی قیدیوں کے معاملے کی طرف توجہ دی۔ مسلمانوں نے کافروں کے ستر آدمی گرفتار کر لئے تھے۔

عام رواج کے مطابق جنگی قیدی اس سپاہی کی ملکیت ہوتا تھا جو اسے پکڑتا۔ چاہے تو اسے قتل کر دیا جاتا چاہے غلام بنا کر بیچ دیا جاتا اور چاہے اپنا غلام بنا لیا جاتا۔ جب کسی قیدی کو مارنا مقصود ہوتا تو اسے بٹھا کر اس کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے جاتے۔ اسے کسی درخت سے باندھ دیا جاتا اور تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا سر اڑا دیا جاتا۔ جب حضور ﷺ نے جنگی قیدیوں سے سلوک کے معاملے پر مسلمانوں سے صلاح مشورہ کیا تو حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے تجویز دی کہ انہیں زندہ جلا دیا جائے۔ تاہم حضرت ابو بکرؓ نے مشورہ دیا کہ قیدیوں کو مکہ میں اپنے خاندانوں سے رابطے قائم کرنے کا موقع دیا جائے تا کہ وہ اپنی آزادی کے لئے فدیہ اکٹھا کر سکیں۔

حضور ﷺ نے اس آخری تجویز کو پسند فرمایا۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے جنگی قیدیوں کے ساتھ سلوک کے معاملے میں ایک دستاویز تیار کی جو میری رائے میں جنگی قیدیوں کے بارے میں دنیا کی پہلی دستاویز ہے۔ اس دستاویز میں ان کی ضروریات کا خیال رکھنے اور ان سے حسن سلوک روا رکھنے پر زور دیا گیا تھا۔ اس دستاویز سے پہلے جنگی قیدی اپنے پکڑنے والے کے رحم و کرم پر ہوتا تھا جب تک کہ اس کا خاندان یا قبیلہ تاوان دے کر اسے آزاد نہ کرا لے۔

حضور ﷺ نے اس دستاویز میں یہ بھی ذکر فرمایا کہ آزادی کے لئے رکھا جانے والا فدیہ قیدیوں کے خاندانوں کو ذہن میں رکھ کر مقرر کیا جائے۔ کیونکہ زیادہ تر قیدیوں کا تعلق امیر خاندانوں سے تھا اس لئے ہر قیدی کے ذمہ چار ہزار درہم فدیہ بھرنا طے پایا۔ اگر کوئی یہ ادا نہ کر

marfat.com

سکے تو اس کے متبادل تلواروں اور تیروں کی اچھی خاصی تعداد مہیا کر کے آزادی حاصل کر سکتا تھا۔مزید یہ کہ وہ قیدی جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے انہیں فدیہ اور اسلحہ دینے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔انہیں صرف دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا تھا جس کے بعد وہ آزاد تھے۔حضور ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا کہ جب تک قیدی مسلمانوں کی حراست میں رہیں انہیں مفت کھانا اور کپڑے دیئے جائیں اور کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائی جائے کیونکہ اللہ کو جنگی قیدیوں سے برا سلوک روا رکھنا ہرگز پسند نہیں ہے۔مسلمانوں کو جنگی قیدیوں کی دیکھ بھال پر اتنی زیادہ تاکید فرمائی گئی تھی کہ کچھ مسلمانوں نے تو اپنے آپ کو بھوکا ننگا رکھ کے انہیں کھانا اور کپڑے مہیا کئے۔

جب مسلمانوں کی فتح کی خبر مکہ پہنچی تو مکہ والوں نے ایک اور جنگ کر کے اپنی شکست کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ان فیصلہ کرنے والوں میں سے ایک ابوسفیان بھی تھا جس کا سسر، سسر کا بھائی اور سسر کا بیٹا تو اس جنگ میں مارے گئے تھے جب کہ اس کے سسر کا ایک اور بیٹا قیدی بنا لیا گیا تھا۔ابوسفیان کو اپنے سسر کا بیٹا چھڑانے کے لئے چار ہزار درہم تاوان ادا کرنا تھا۔اس بے عزتی کو محسوس کرتے ہوئے ابوسفیان نے اس وقت تک آرام نہ کرنے اور اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی جب تک کہ وہ اپنے مرنے والوں کا انتقام نہ لے لے۔اس کی بیوی نے بھی قسم کھائی کہ وہ اپنے باپ، چچا اور بھائی کو مارنے والے کا سینہ چاک کر کے اس کا کلیجہ چبائے گی۔اور اگر مارنے والوں کی تعداد ایک سے زیادہ تھی تو جس دن اسلام کو شکست ہوگی وہ ان کے کان ناک اور زبانیں کاٹ کر ہار بنائے گی اور اسے گلے میں پہن کر میدان جنگ میں ناچے گی۔

جب مکہ میں انتقام کی آگ بھڑکی ہوئی تھی مدینہ سے خبر پہنچی کہ مکہ والے ہر آدمی کے بدلے چار ہزار درہم فدیہ دے کر اسے چھڑا سکتے ہیں۔ستر قیدیوں کو چھڑانے کے لئے دو سو اسی ہزار درہم درکار تھے۔

مکہ کے معتبروں نے تاوان کی رقم دینے سے اجتناب برتنے کا مشورہ دیا کیونکہ مسلمان دولت کے معاملے میں کافی پیچھے تھے۔یہ رقم لے کر وہ کافی مضبوط بن سکتے تھے۔تاہم قیدیوں کے خاندانوں جن میں ابوسفیان بھی شامل تھا نے ان معتبروں سے رابطہ کیا اور درخواست کی کہ وہ ہر

marfat.com

قیدی کے خاندان والوں کو فدیہ دے کر اپنا قیدی یا عزیز چھڑانے کی اجازت دے دیں۔قریش کے ان سربرآوردہ لوگوں کو اس بات سے اتفاق کرنا پڑا۔قیدیوں میں ایک ابوالعاص تھا جو حضورﷺ کی مرحوم بیوی حضرت خدیجہؓ کا بھانجا تھا اور حضورﷺ کی بیٹی کا شوہر تھا۔حضورﷺ کی بیٹی نے تین ہزار درہم کا بندوبست کرلیا لیکن بقیہ ایک ہزار درہم مہیا نہ کرسکی۔اس کے بدلے میں انہوں نے سونے کے دو زیورات جن کی مالیت تقریباً ایک ہزار درہم تھی اس پیغام کے ساتھ مدینے بھیجے کہ ان کے شوہر کو چھوڑ دیا جائے۔جب رقم اور زیورات حضورﷺ کے سامنے لائے گئے تو آپؐ نے دیکھا کہ ان دو زیورات میں سے ایک آپؐ کی بیوی حضرت خدیجہؓ کا گلو بند تھا۔حضورﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد یہ گلوبند اپنی بیٹی حضرت زینبؓ کو دے دیا تھا۔اس دن جب آپؐ نے یہ گلوبند دوبارہ دیکھا تو آپؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپؐ رونے لگے۔جب مسلمانوں نے اپنے پیغمبر کو روتے ہوئے دیکھا تو وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور بغیر کوئی وجہ جانے رونے لگے۔

حضرت عمرؓ جو اپنے درازقد کشادہ سینے گرجدار آواز اور پختہ عزم کی وجہ سے تمام مسلمانوں میں انتہائی ممتاز مقام رکھتے تھے آگے بڑھے اور بولے'یارسول اللہ! آپؐ رو کیوں رہے ہیں؟ آپؐ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ہمارے دل پھٹے جارہے ہیں۔'حضورﷺ نے رندھی ہوئی آواز سے جواب دیا'عمرؓ! یہ جو گلوبند تم دیکھ رہے ہو کبھی میری بیوی خدیجہؓ کے گلے میں ہوتا تھا۔اس کی وفات کے بعد میں نے اسے اپنی بیٹی زینبؓ کو دے دیا۔اور آج اس نے یہ گلوبند اور ایک اور زیور تین ہزار درہم کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ ان کے بدلے ہم اس کا شوہر چھوڑ دیں۔ان چیزوں کو دیکھ کر مجھے خدیجہؓ اور زینبؓ کی یاد آگئی اور میرے آنسو تھم نہ سکے۔'

حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ابوالعاص کو آزاد کر دیا جائے اور اسے فدیے سے مستثنیٰ قرار دیا جائے اور یہ کہ یہ تین ہزار درہم اور زیورات واپس کر دیئے جائیں۔لیکن حضورﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور کہا کہ مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ابوالعاص کو فدیہ سے صرف ایک صورت میں مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ اپنی آزادی کے بدلے میں وہ

marfat.com

وعدہ کرے کہ زینبؓ کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مدینہ بھیج دے گا۔

تمام مسلمان اس بات پر متفق ہو گئے اور کہنے لگے کہ واقعی حضورﷺ کی بیٹی کا کسی مشرک کی بیوی ہونا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ ایسا ہی ہوا اور ابوالعاص نے مکہ پہنچ کر زینبؓ کو مدینہ بھیج دیا۔ تاہم سفر کے دوران ایک حادثہ پیش آیا جس کا تفصیلی ذکر بعد میں کیا جائے گا۔ جنگی قیدیوں میں حضورﷺ کے ایک اور قریبی رشتہ دار حضرت عباس تھے جنہیں ایک دبلا پتلا مسلمان پکڑ لایا تھا۔ حضورﷺ کو اپنے رشتہ داروں سے بہت ہمدردی تھی۔ اس کے باوجود اپنے چچا کو گرفتار دیکھ کر آپؐ اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ آپؐ کی قوانین وضوابط تشکیل دینے اور ان پر عمل کرنے کی صلاحیت آپ کو ایسا کرنے سے روکتی تھی۔

جنگ کے خاتمے پر جب قیدیوں سے متعلقہ معاملات طے ہو رہے تھے حضرت عباس کی باری بھی آ گئی۔ حضورﷺ کو دیکھ کر حضرت عباس نے کہا 'اے بھتیجے! میں در پردہ مسلمان ہوں۔ تو نے مجھے خواہ مخواہ پکڑ لیا ہے۔' حضورﷺ نے ارشاد فرمایا 'اسلام کوئی ایسا چھپا ہوا مذہب نہیں ہے کہ مسلمان اس پر در پردہ عمل کر سکتے ہوں۔ تم کافروں کے ساتھ ہتھیار اٹھائے میدان جنگ میں جاتے دکھائی دیئے۔ تمہاری موجودگی چاہے پچھلی صفوں میں تھی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ تم اللہ اور مسلمانوں کے خلاف ہو۔ اس لئے اب گرفتار ہو کر تمہیں بھی تاوان دینا پڑے گا'۔

عباس رقم کے لین دین میں کافی تجربہ کار تھے۔ انہوں نے فدیہ پر تکرار کرنے کی کوشش کی لیکن جب حضورﷺ کو دیکھا کہ وہ کسی طرح کی کوئی چھوٹ دینے پر رضامند نہیں ہیں تو بولے، 'میں غریب آدمی ہوں، فدیہ کہاں سے دوں۔ میں امیر ہوتا ضرور تھا لیکن وہ سب ماضی کی بات ہے۔ پچھلے کچھ کاروباری سودوں میں ایسا گھاٹا پڑا ہے کہ میرے پاس کچھ باقی نہیں رہا۔ کہتے ہیں جن کے پاس پیسے نہیں وہ نیزے اور تلواریں لا دیں۔ اگر ایسا ہے تو مجھے منظور ہے'۔

حضورﷺ نے جواب دیا کہ وہ اس کی دولت کے معاملات کی چھان بین کریں گے اور اگر اس کا بیان سچ نکلا تو فدیہ اناج کی صورت میں بھرا جا سکتا ہے۔ جب عباس کو چھان بین کا پتہ چلا تو وہ فوراً چار ہزار درہم دینے پر آمادہ ہو گئے اور اس طرح فدیہ دے کر آزاد ہو گئے۔ عباس کے

marfat.com

پاس چھوٹنے سے پہلے پہننے کو کچھ نہیں بچا تھا۔ ایک نوجوان مسلمان نے دریا دلی کا مظاہرہ کیا اور اپنا کرتا اتار کر عباس کو دے دیا۔ حضور ﷺ کو اس نوجوان کی یہ ہمدردی دیکھ کر دلی مسرت ہوئی اور آپ ؐ کے لبوں سے اس کے لئے فی الفور دعا نکلی۔ اس واقعے کے دس سال بعد جب اس نوجوان کا باپ ابی، جو مکہ کا رہنے والا تھا، فوت ہوا تو اس کے کفن کے لئے کوئی کپڑا نہیں تھا۔ حضور ﷺ نے اپنی عبا ابی پر ڈال کر اس نوجوان کا احسان اتار دیا۔ ابی اسی عبا میں دفن ہوا۔

اگرچہ حضور ﷺ احکامات کے نفاذ میں سختی برتتے تھے لیکن رحم دلی میں کوئی آپ کا ثانی نہیں تھا۔ آپ ؐ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ انتہائی ہمدردی سے پیش آتے۔

جنگ بدر نے مسلمانوں کے لئے کامیابی کی راہیں کھول دیں اور بعد میں ایک وقت آیا جب وہ اتنے طاقتور اور خوشحال ہو چکے تھے کہ دس ہزار گھوڑوں کے ساتھ میدان جنگ میں اترے جبکہ جنگ بدر میں ان کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ اس کے باوجود تاریخ اسلام میں جنگ بدر کو جو شہرت ملی ہے کسی اور کو نہیں ملی۔

جس طرح کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے جب حضور ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا تو ابولہب نے اپنے بیٹے کو مجبور کیا کہ وہ حضور ﷺ کی بیٹی رقیہ کو طلاق دے دے۔

بولہب کے بیٹے سے طلاق پانے کے بعد ان کی شادی حضرت عثمان ؓ سے ہو گئی جو ایک امیر آدمی تھے۔ شادی کے بعد وہ مدینہ آ گئے۔ وہ اس وقت تک وہاں رہے جب تک کہ جنگ بدر کے آثار نمایاں نہ ہو گئے۔ اسی دوران حضرت رقیہ ؓ بیمار پڑ گئیں۔ مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے نکلتے ہوئے حضور ﷺ نے حضرت عثمان ؓ کو حضرت رقیہ ؓ کے پاس ٹھہرنے کا حکم دیا۔

جب جنگ بدر کے بعد مسلمان مدینہ واپس لوٹے تو حضرت رقیہ ؓ وصال فرما چکی تھیں۔ حضور ﷺ کا دل غم سے بھر آیا۔ جلد ہی آپ کو ایک اور اذیت ناک دکھ اٹھانا پڑا جب کچھ دنوں بعد آپ ؐ کی دوسری بیٹی حضرت زینب ؓ کے پہلوٹھی کے بیٹے اور آپ ؐ کے پہلے نواسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ جب حضور ﷺ نے ہجرت فرمائی تو حضرت زینب ؓ کے علاوہ جنہوں نے مکے میں رہنے کو ترجیح دی آپ ؐ کی تمام صاحبزادیاں آپ ؐ کے ساتھ ہو

marfat.com

لیں۔ حضرت زینبؓ کا شوہر ابوالعاص جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے غزوہ بدر میں اسیر ہوا لیکن مشروط طریقے سے چھوڑ دیا گیا۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دیا۔ آپؓ کی حفاظت کو یقینی بنانے کے لئے اس نے اپنے بھائی کناہ کو آپؓ کے ساتھ روانہ کیا۔ قریش کو آپؓ کی روانگی کی خبر ہو گئی۔ جب قافلہ مکہ کی حدود سے باہر نکلا قریش کے کچھ لوگوں نے جن کی سرکردگی حبار کر رہا تھا، قافلے پر حملہ کیا اور آپؓ کو مدینہ روانہ ہونے سے روکنے کی کوشش کی۔ کناہ اور قافلے کے دوسرے لوگوں نے حملہ آوروں کو روکنے کی بھرپور کوشش کی لیکن ہاتھا پائی کے دوران حضرت زینبؓ اپنے اونٹ سے نیچے گر گئیں۔ چونکہ آپؓ امید سے تھیں آپؓ کو اسقاط کا سامنا کرنا پڑا۔ اور بچہ وصال پا گیا۔ یہ بچہ حضورﷺ کا پہلا نواسہ تھا جب اس واقعہ کی خبر حضورﷺ تک پہنچی تو آپؐ نے حبار کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ اسے مدینہ لایا گیا اور حضرت زینبؓ جو انتہائی نقاہت کے عالم میں مدینہ پہنچی تھیں زیادہ دن تک زندہ نہ رہ پائیں۔ جب حبار کو مدینہ لایا گیا تو ایک بھرے ہوئے مسلمان نے اسے زندہ جلا دینے کا تقاضا کیا۔ حضورﷺ نے فرمایا 'کبھی نہیں۔ آگ کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔' کچھ مسلمانوں نے حبار کو موت کے گھاٹ اتارنے کی تجویز دی۔ حضورﷺ اس قدر مہربان اور فیاض تھے کہ آپؐ نے یہ سزا بھی نظر انداز کر دی۔ حضرت زینبؓ کے وصال سے کچھ دن پہلے ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو اسلام کے ابتدائی دور میں عورتوں کو حاصل حقوق کے حوالے سے کافی اہم معلوم ہوتا ہے۔ ابوالعاص اپنی بیوی زینبؓ کو بہت پسند کرتا تھا اور وہ بھی اسے بہت عزیز جانتی تھیں۔ انکی مدینہ روانگی کے بعد وہ مکہ سے چھپتا چھپاتا مدینہ پہنچ گیا۔ جب وہ مدینہ پہنچا تو حضرت زینبؓ مسجد میں گئیں اور حضورﷺ اور دوسرے مسلمانوں کو بتایا کہ انہوں نے ابوالعاص کو حق جوار کے تحت رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ عربوں کو حق جوار کا کافی شعور تھا جس کے تحت انہیں کسی بھی آدمی خاص طور پر اجنبی کو پناہ دینے کی اجازت ہوتی تھی۔ جس کی زندگی کی حفاظت اور نگرانی سب لوگوں کے ذمے ہوتی تھی۔ مردوں کی نسبت عرب عورتیں اس حق کا زیادہ استعمال کرتی تھیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک عرب عورت کا یہ مقام ہوتا تھا کہ اگر کوئی مظلوم کسی عورت کے خیمے تک پہنچ جاتا یا کم از کم خیمے کی طنابوں کو چھو لیتا؛ در حق

marfat.com

جوار مانگتا تو اسے یہ حق دے دیا جاتا۔ اگر کوئی اجنبی چاہے وہ کسی کو مطلوب ہی کیوں نہ ہو کسی عرب عورت کو حق جوار کی درخواست کرتا اور وہ عورت اس پر اپنا دوپٹہ یا چادر ڈال دیتی تو اس آدمی کی زندگی محفوظ سمجھی جاتی۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ آپؓ ابو العاص کو حق جوار دینے کا ارادہ رکھتی ہیں تو انہوں نے حضور ﷺ کے چہرہ مبارک کو دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ آپؓ کے فیصلے کے منتظر تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت زینبؓ ابو العاص کو حق جوار تو دے سکتی ہیں اور مالی طور پر اس کی مدد بھی کر سکتی ہیں لیکن اسے اپنے گھر رکھنے کی مجاز نہیں۔ کیونکہ کوئی مسلمان عورت کسی مشرک کے ساتھ ایک جگہ پر نہیں رہ سکتی۔ تاہم ابو العاص نے اسلام قبول کر لیا اور حضرت زینبؓ سے نکاح کا اعادہ فرمایا۔ لیکن آپؓ تجدید نکاح کے بعد زیادہ دن زندہ نہ رہ پائیں اور حضور ﷺ کو ایک اور اندوہ کا سامنا کرنا پڑا۔

marfat.com

غلامی

غلامی کی روائت عرب معاشرے میں طلوع اسلام سے بھی کئی سال پہلے قائم تھی۔ غلاموں کو خرید وفروخت کے قابل مویشیوں اور املاک کی طرح کی ہی کوئی چیز سمجھا جاتا تھا۔ انہیں بھاری زنجیروں میں جکڑا جاتا تاکہ وہ بھاگ نہ پائیں۔ چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر انہیں بری طرح پیٹا جاتا۔ اور بعض دفعہ تو ان کا آقا اپنی ہی نفسانی تسکین کے لئے مار مار کر انکی چمڑی ادھیڑ دیتا۔ ان کے آقاؤں کو ان پر مکمل اختیار حاصل تھا۔ وہ جیسے چاہتے انہیں استعمال کر سکتے تھے۔ یورپ، ایران، عراق اور ہندوستان میں غلام ایسی ہی ابتر حالت میں زندگی گزار رہے تھے۔ غلاموں کے اس رواج میں اتنے سماجی، نفسیاتی اور سیاسی بکھیڑے شامل ہو گئے تھے کہ کوئی قانونی چارہ جوئی یا سماجی اصلاح اس رواج کو فی الفور ختم نہیں کر سکتی تھی۔

حضورﷺ اس رواج کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے۔ اسی لئے آپؐ نے اپنے آخری خطبہ میں ارشاد فرمایا:

'اے لوگو! اللہ تعالیٰ کے حقوق کی اچھی طرح پاسداری کرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ اور اس جان سے اس کا مونس بنایا اور پھر ان دو سے مردوں اور عورتوں پر مشتمل یہ انبوہ بیکراں پیدا کیا۔ تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔'

اسلام تمام انسانوں کو اس لئے برابر اہمیت دیتا ہے کہ وہ سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں اور ایک ہی نسل سے چلے آ رہے ہیں۔ اسلام میں کسی عرب اور غیر عرب، کسی سفید اور سیاہ، کسی آقا اور غلام اور کسی امیر اور غریب کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اسلام نے انسانوں کے درمیان پائی جانے والی ایسی تمام تفاوتیں ختم کر دیں جو نسل، رنگ، زبان، قومیت یا دوسرے خود ساختہ

marfat.com

تعصبات پر مبنی تھیں۔ آقا کو اپنے غلام پر صرف اس بنیاد پر کوئی فوقیت حاصل نہیں تھی کہ وہ آقا ہے۔ اگر کوئی غلام اپنے آقا سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے تو اللہ کی نظر میں زیادہ بلند ہے۔ قرآن شریف میں ایمان والوں کو ایک دوسرے کے بھائی کہا گیا ہے جبکہ حضورﷺ نے بھی یہی ارشاد فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مسلمان تو سب بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادیا کرو
اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔

سورۃ حجرات ۱۰:۴۹

غلاموں کی بابت حضورﷺ نے اپنے پیروکاروں سے فرمایا:

'تمھارے رشتہ دار ہیں۔ اللہ نے انہیں تمھارا زیردست بنایا ہے۔ اس لئے
جو کھاؤ انہیں بھی کھلاؤ اور جو پہنو انہیں بھی پہناؤ۔'

اسلام تو آقا اور کنیز کو شادی کی بھی اجازت دیتا ہے۔ اور حضورﷺ نے غلاموں کے احساسات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے صحابہ سے فرمایا:

'یہ نہ کہو یہ میرا غلام ہے اور یہ میری لونڈی۔ اس کی بجائے یہ کہو یہ میرا خادم
ہے اور یہ میری خادمہ۔'

غلامی کے جاری رہنے کے دو ذرائع تھے۔ ایک آزاد مردوں، عورتوں اور بچوں کو دوران امن اغوا کرنا اور بازار میں بیچنا اور دوسرا وہ قیدی جو جنگوں میں پکڑے جاتے اور بعد میں غلام بنا لئے جاتے۔ اسلام نے ان دونوں ذرائع کو ختم کر دیا۔ اسلام میں غلاموں نے ایسے رتبے اور مرتبے حاصل کیے جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اسلام کے پہلے موذن حضرت بلالؓ ایک حبشی غلام تھے۔ آپؓ حضورﷺ کے انتہائی قریبی صحابی تھے اور فوج کے سپہ سالار بھی رہ چکے تھے۔ حضرت زیدؓ جو حضورﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے حضورﷺ کی ہی پھوپھی زاد حضرت زینبؓ سے رشتہ ازدواج میں منسلک تھے۔ حضورﷺ نے حضرت زیدؓ کو موتہ کی مہم جوئی میں سپہ سالار بھی مقرر کیا تھا۔ انہی آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ کے بیٹے حضرت اسامہؓ ایک ایسی فوج کے سپہ

marfat.com

سالار مقرر ہوئے جس میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی شامل تھے۔ حضرت سلمانؓ فارسی ایک غلام تھے اور حضرت علیؓ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ ان کے گھر والوں میں سے ہیں۔

عبداللہؓ بن عمر سے مروی ہے کہ ایک بار ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہنے لگا 'یا رسولؐ اللہ! بھلا ہم اپنے نوکروں کو کتنی بار معاف کریں؟' حضور ﷺ خاموش رہے۔ اس آدمی نے یہی سوال پھر دہرایا لیکن حضور ﷺ اب بھی خاموش رہے۔ جب اس نے یہ سوال تیسری بار دہرایا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا 'ایک دن میں ستر بار۔' (ترمذی)

حضرت ابومسعودؓ انصاری سے مروی ہے:

ایک دن میں اپنے غلام کو سزا دے رہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے ایک آواز سنی 'دیکھو ابومسعود! جتنا تمھیں اس غلام پر اختیار ہے اللہ تعالیٰ کو تم پر اس سے زیادہ اختیار حاصل ہے۔' میں پیچھے مڑا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسولؐ اللہ قیام فرما ہیں۔ میں نے کہا 'یا رسولؐ اللہ! آج سے میں اسے اللہ کی راہ میں آزاد کرتا ہوں۔' حضور ﷺ نے فرمایا 'خبردار! اگر تم ایسا نہ کرتے تو جہنم کی آگ تمھیں جلا ڈالتی یا مس ضرور کرتی۔' (مسلم)

حضرت ابوموسیٰ الاشعری روایت فرماتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا:

اگر ایک آدمی کے پاس کوئی لونڈی ہے اور وہ اسے آداب سکھاتا ہے یا اس کے آداب سنوارتا ہے، اسے تعلیم دیتا ہے اور اسے آزاد کر دیتا ہے۔ اور دوسرا جو اسے نجات دیتا ہے اور پھر شادی کر لیتا ہے۔ موخر الذکر کے لئے دوہرا ثواب ہے۔' (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کی قیامت کے دن میں خود مخالفت کروں گا۔ پہلا وہ آدمی جس نے میرے نام پر وعدہ کیا اور توڑ دیا۔

marfat.com

دوسرا وہ آدمی جس نے ایک آزاد شخص کو غلام بنا کر اس کی قیمت وصول کی۔ اور تیسرا وہ آدمی جس نے کوئی مزدور لیا اس سے محنت کروائی اور اس کی مزدوری نہ دی۔ (بخاری)

قرآن شریف میں مومنوں کے لئے حکم وارد ہوا ہے کہ وہ اپنے مرد اور عورت غلاموں کو جو شادی کی ذمہ داریاں اٹھا سکنے کے قابل ہوں نا صرف شادی کی اجازت دیں بلکہ شادی کے اخراجات کا انتظام بھی کریں۔

ایک بنیادی وجہ جس نے غلامی کی حوصلہ افزائی کی اور لونڈیوں کی تجارت کو فروغ دیا وہ یہ تھی کہ لوگ لونڈیوں سے جسم فروشی کرواتے تھے۔ قرآن شریف میں فرمان رب العزت ہے:

اور ایسے لوگوں کو کہ جن کو نکاح کا مقدور نہیں ان کو چاہئے کہ (اپنے نفس کو) ضبط کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (اگر چاہے) ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے (پھر نکاح کر لیں) اور تمھارے مملوکوں میں سے جو مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں تو (بہتر ہے کہ) ان کو مکاتب بنا دیا کرو اگر ان میں بہتری (کے آثار) پاؤ اور اللہ کے (دیئے ہوئے) اس مال میں سے ان کو بھی دو جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے (تا کہ جلدی آزاد ہو سکیں) اور اپنی (مملوکہ) لونڈیوں کو زنا کرانے پر مجبور مت کرو (اور بالخصوص) جب وہ پاکدامن رہنا چاہیں محض اس لئے کہ دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ (یعنی مال) تم کو حاصل ہو جائے اور جو شخص ان کو مجبور کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کئے جانے کے بعد (ان کے لئے) بخشنے والا مہربان ہے۔

سورۃ نور ۳۳:۲۴

صرف یہی نہیں اسلام نے زنا اور بدکاری کی تمام شکلوں کو ممنوع قرار دیا۔ بدکاری گناہ کبیرہ یا قابل سزا جرم قرار دیا گیا۔ ارشاد رب الحکمت ہے:

marfat.com

اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور

بری راہ ہے۔

سورۃ اسراء ۱۷:۳۲

اس طرح جسم فروشی اور بدکاردی کی تمام شکلوں کو ممنوع قرار دے کر اسلام نے ان وجوہات کا سدباب کردیا جو لونڈیوں کی خرید وفروخت کا سبب بنتا تھا۔

اسلام نے نہ صرف غلاموں کا انسانی سطح پر رتبہ بلند کیا بلکہ انہیں راہنماؤں، سپہ سالاروں اور شرفاء کے مرتبوں تک پہنچادیا۔ غلاموں اور آقاؤں میں بھائی چارے کا رشتہ قائم ہوگیا۔ دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمرؓ کا فرمان ہے: 'اگر ابوحذیفہ کا غلام سالم زندہ ہوتا تو میں اسے اپنا جانشین مقرر کردیتا۔'

حضورﷺ سے مروی ہے کہ:

'غلاموں کو وہ کام نہ سونپا جائے جس کے وہ اہل نہیں۔ اور اگر کوئی کام مشکل ہوتو آقا غلام کی مدد کرے۔'

حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے برا انسان وہ ہے جو اپنے غلام کو مارتا ہے اور مشکل کام کرنے میں اس کی مدد نہیں کرتا۔ غلام سے برا سلوک کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ نیز غلاموں کو اپنے خاندانوں سے علیحدہ نہ کیا جائے۔

اسلام نے غلاموں کے ساتھ آزاد مسلمانوں جیسا سلوک برتا ہے اور انہیں علم، مذہب، فوج، سیاست اور سماجی زندگی میں ترقی کرنے کے مساوی حقوق اور مواقع فراہم کئے ہیں۔ غلام ہونا انکی ترقی کی راہ میں کسی طرح بھی رکاوٹ ثابت نہیں ہوتا تھا جیسا کہ دوسرے معاشروں میں ہوتا تھا۔

marfat.com

غزوہ بدر کے اثرات

یثاق مدینہ کی ایک شق یہ تھی کہ مدینہ کے یہودی مسلمانوں کے خلاف مکہ والوں کا ساتھ نہیں دیں گے۔ یہودیوں نے اس شق کی خلاف ورزی کی اور کچھ شاعر قریش کو حضور ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کے لئے مکہ پہنچ گئے۔ ایسے ہی ایک یہودی شاعر کا نام کعب بن اشرف تھا۔

یہ شاعر اس وقت مکہ پہنچے جب مکہ والے مسلمانوں سے انتقام کی آگ میں جل رہے تھے۔ مکہ کے سرداروں نے ایک نعرہ تیار کیا تھا یعنی 'مردوں پر نہ رو۔ انتقام لو' مردوں سے مراد جنگ بدر میں مارے جانے والے مکی تھے۔ انہوں نے اعلان کر رکھا تھا کہ اگر کوئی مرد یا عورت ان پر روتی ہوئی پائی گئی تو اسے شہر اور قبیلے سے نکال دیا جائے گا۔ ایسی شہر یا قبیلہ بدری کا مطلب صرف اور صرف موت تھا۔ باہمی میل جول کے بغیر وہاں کے لوگوں کا بچ رہنا انتہائی ناممکن تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مرنے والوں کی ماؤں، بہنوں اور بیویوں نے اپنے مرنے والوں اور پیاروں پر ماتم کناں ہونے کی جرات نہ کی۔

ایک رات کسی ماں نے کسی اور عورت کو روتے ہوئے سن لیا۔ وہ آواز کی سمت میں چلتی ہوئی اس گھر تک پہنچ گئی۔ اس نے دیکھا ایک بوڑھی عورت آہ و بکا کر رہی ہے۔ اس نے پوچھا 'اے مرنے والے کی ماں! کیا رونے دھونے پر سے پابندی اٹھالی گئی ہے؟' وہ بوڑھی عورت انتہائی گھبرا کر بولی 'تم کیوں پوچھ رہی ہو؟' اس عورت نے کہا 'میرا دل غم سے پھٹا جا رہا ہے اور میں اپنے بیٹے کی موت پر رونا چاہتی ہوں۔ لیکن مجھے خدشہ ہے کہ لوگ مجھے قبیلے سے نہ نکال دیں۔ اگر رونے دھونے پر سے پابندی اٹھالی گئی ہے تو چلو اکٹھے اپنے بیٹوں کی موت پر ماتم کرتی ہیں۔' وہ بڑھیا اسے بتا نہ سکی کہ وہ اپنے بیٹے کی موت پر رو رہی تھی یا نہیں۔ بلکہ اس نے بتایا کہ وہ تو

marfat.com

اپنا ایک اونٹ گم ہونے پر رو رہی ہے۔اس واقعے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قریش کے معتبروں سے مکہ کے دوسرے شہری کس قدر خوفزدہ اور متاثر تھے۔

غزوہ بدر میں ابوجہل کی موت کے بعد قریش کے امراء پر مشتمل ایک تین رکنی کمیٹی بنائی گئی۔کمیٹی کا پہلا رکن ابولہب، دوسرا ابوسفیان اور تیسرا صفوان بن امیہ تھا۔ان تینوں نے قسم کھائی کہ جب تک حضورﷺ کو (نعوذباللہ) ختم نہیں کر دیتے اور اسلام کا نام نہیں مٹا دیتے آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔

اگرچہ پرانے رواج کے تحت ابولہب کا جنگ میں شرکت کرنا انتہائی ضروری تھا اس کے باوجود وہ غزوہ بدر میں شامل نہ ہوا۔جن دنوں جنگ شروع ہوئی وہ ایک بیماری میں مبتلا ہو گیا اور اس نے اپنی جگہ ایک آدمی عاص بن ہاشم کو میدان جنگ میں بھیجا۔اس نے اس آدمی کو اپنی جگہ لڑنے کے لئے چار ہزار درہم عوضانہ دیا۔

جب مکہ کے کافروں کو بدر کی شکست میں ذلت کا سامنا کرنا پڑا اور اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے فدیہ دینا پڑا تو صفوان بن امیہ نے بدلے میں حضورﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔اس نے ایک آدمی کرائے پر لیا اور کچھ ہدایات دے کر مدینہ بھیج دیا۔اس کے ساتھ ساتھ اس نے سفر کے اخراجات اور اس کی واپسی تک قاتل کے خاندان والوں کی ضرورتیں پوری کرنے کی ذمہ داری بھی قبول کر لی۔

حضورﷺ پر حملہ کرنا اتنا مشکل نہیں تھا کیونکہ آپؐ کون سا محافظ رکھنے کے عادی تھے۔آپؐ کے گھر کے دروازے تو ہر کسی کے لئے کھلے رہتے تھے۔جس کا دل چاہتا آتا جاتا۔حضورﷺ کبھی جوتے گانٹھتے پائے جاتے تو کبھی اپنے کپڑے تہہ کرتے اور کبھی آپ ایک عام مسلمان کی طرح گھریلو کام کرتے نظر آتے۔

حضورﷺ نے مدینہ میں انتہائی سادہ زندگی بسر کی۔آپ کی زندگی عام مسلمانوں سے کچھ مختلف نہیں تھی۔اس لئے حضورﷺ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھنے والا کوئی بھی آدمی کسی بھی وقت اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنا سکتا تھا۔

marfat.com

حضور ﷺ پر حملہ کرنے لئے صفوان نے جس آدمی کو چنا اس کا نام عمیر بن وہب تھا۔ مدینہ میں داخل ہونے کے لئے عمیر بن وہب نے جو عذر پیش کیا وہ یہ تھا کہ وہ فدیہ دے کر اپنے بیٹے کو چھڑوانے آیا ہے۔

مدینہ پہنچ کر عمیر نے حضور ﷺ کا پتہ پوچھا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ اپنے گھر میں ہیں۔ صحابہؓ کرام اسے حضور ﷺ کی خدمت میں لے آئے اور آپؐ نے اس سے پوچھا کہ وہ کس کام سے آیا ہے۔ عمیر نے جواب دیا 'اے محمدؐ! میں یہ پوچھنے آیا ہوں کہ اپنے بیٹے کی رہائی کے لئے مجھے کتنا فدیہ دینا ہے؟' جب حضور ﷺ نے یہ سنا تو کہنے لگے 'عمیر! تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم اپنے بیٹے کا فدیہ دینے نہیں مجھے قتل کرنے آئے ہو۔' عمیر ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے اپنے کپڑوں میں چھپا خنجر پرے پھینکا اور بولا 'خدا کی قسم! میرے اور تین دوسرے آدمیوں کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ میں تمہیں مارنے آیا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ان تینوں نے مخبری نہیں کی ہوگی۔ جس طرح تمہیں اس منصوبے کی خبر ہوئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تم واقعی اللہ کے پیغمبرؐ ہو۔ میں اسلام قبول کرتا ہوں اور آپؐ سے معافی کا خواستگار ہوں۔'

کہا جاتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد عمیر نے اعلان کیا کہ اس نے اسلام کی حقانیت کو جھٹلایا تھا لیکن آئندہ وہ اس کی اشاعت کے لئے کام کرے گا۔ اس واقعے کے بعد عمیر مکہ روانہ ہو گیا۔ شہر میں داخل ہوتے ہی اس نے سنا کہ ابولہب مر چکا ہے۔

مکہ میں مربد نامی ایک میدان تھا۔ باہر سے آنے والے قافلے وہاں خیمہ زن ہوا کرتے تھے۔ مسافر بیٹھتے اور اپنے تجربات کا تبادلہ کرتے۔ ایک دن وہاں سے ابولہب گزرا تو اس نے لوگوں کو ایک بدو کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے پایا۔ وہ اس کی بات بڑے غور سے سن رہے تھے۔ ابو لہب بھی ان میں کھڑا ہو گیا۔ اسے پتہ چلا کہ وہ غزوہ بدر پر بات چیت کر رہے ہیں۔ وہ بدو مسلمانوں کے بارے میں بتا رہا تھا کہ ان کی مدد کے لئے پانچ ہزار فرشتے آسمان سے اترے جنہوں نے انہیں کامیابی سے ہمکنار کروایا۔ اپنے سننے والوں کو کچھ اور متاثر کرنے کے لئے عرب بدو نے یہ بھی کہا کہ اس نے خود کچھ فرشتوں کو نیچے اترتے دیکھا ہے۔

marfat.com

تمام سامعین اس کی خطابت سے مسحور اور اس کی گفتگو میں منہمک تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ اس کا وعظ وہاں پر موجود مجمع کو متاثر کر رہا ہے۔ جب ابولہب نے لوگوں کے گہرے انہماک کو دیکھا تو وہ غصے میں آگیا۔ اس بدو کو برا بھلا کہتے ہوئے بولا 'تم جھوٹ بول رہے ہو۔ مسلمانوں کی مدد کیلئے کوئی فرشتے نہیں اترے۔'

مذکورہ بالا شخص نے ابولہب کی طرف اشارہ کر کے انتہائی تحمل سے جواب دیا 'لوگو! جس طرح یہ آدمی نظر آ رہا ہے۔ میں نے ایسے ہی فرشتوں کو اپنے سامنے آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا ہے۔ انہوں نے رنگا رنگ کپڑے پہن رکھے تھے اور ان کے سروں کے خود بھی بوقلموں تھے۔'

ابولہب نے ایک بار پھر غصے سے مداخلت کی اور کہا 'تم جھوٹ بولتے ہو اور ایسی کہانیاں سنا کر مکہ والوں کے دلوں میں مسلمانوں کا خوف بٹھانا چاہتے ہو۔' سامعین میں سے ایک شخص نے کہا کہ بدو سچ کہہ رہا ہے۔ اگر فرشتے نہ اترے ہوتے تو تین سو تیرہ غیر مسلح آدمیوں کے ہاتھوں قریش اس طرح ذلیل نہ ہوتے۔ تاہم کچھ لوگوں نے ابولہب کا ساتھ دیا۔ یہ تکرار اتنی زیادہ بڑھ گئی کہ وہ ہاتھا پائی پر اتر آئے اور ابولہب زخمی ہو گیا۔

لوگ اسے اٹھا کر گھر لے آئے لیکن وہ جانبر نہ ہوا اور سات دن بعد مر گیا۔ ایک عربی مورخ عیسیٰ لکھتا ہے 'جب زخمی ابولہب بستر سے لگ گیا تو اسے گلٹیوں والی طاعون ہوئی اور وہ مر گیا۔ اس کے رشتہ داروں نے اسے شہر سے دور اجاڑ میں دفن کر دیا۔ انہیں ڈر تھا کہ اس کے جسم سے یہ وبا سارے شہر میں نہ پھیل جائے۔

ابولہب کے بعد ابوسفیان نے اسلام کی مخالفت کا جھنڈا سنبھال لیا۔ اس کی بیوی ہندہ نے اسلام کے خلاف اپنی دشمنی کا اظہار اپنے شوہر سے بھی زیادہ کیا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ہندہ لفظ ہند کا مونث ہے جس کا مطلب ہے کوئی غیر اہم اور فضول چیز۔ کیونکہ عرب اپنی بیٹیوں کو اتنی اہمیت نہیں دیتے تھے اس لئے کچھ لوگ اپنی بیٹیوں کو ہندہ یعنی فضول چیز کہا کرتے تھے۔

جنگ بدر سے دس ہفتے بعد مکہ کے سرداروں نے ابوسفیان کی قیادت میں ایک بہت بڑی فوج مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے مدینہ روانہ کی۔ ابوسفیان حضور ﷺ کا رضاعی بھائی کہلاتا تھا

marfat.com

کیونکہ دونوں نے ایک ہی آیا کا دودھ پیا تھا۔ ابوسفیان کا اصل پیشہ تجارت تھا لیکن وہ شعر بھی کہا کرتا تھا۔ چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ ابوسفیان حرام کے مہینے میں جب جنگ ممنوع ہوتی تھی مکہ سے روانہ ہوا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو کوہ طیب پر قیام کرنے کا حکم دیا اور خود کچھ سپاہیوں کے ساتھ مدینہ گیا۔

مکہ والوں اور مدینہ کے یہودیوں نے ایک خفیہ معاہدہ کر رکھا تھا کہ جب کبھی مکہ والے مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہیں گے تو مدینہ کے یہودی ان کا ساتھ دیں گے۔ ابوسفیان کو یہودیوں پر بہت اعتماد تھا اس لئے وہ سیدھا ایک نامور یہودی سلام بن مشکم کے گھر گیا۔

سلام بن مشکم نے اپنے مہمانوں کی خوب آؤ بھگت کی اور طرح طرح کے کھانوں اور مشروبات سے ان کی تواضع بجالایا۔ دعوت سے فارغ ہو کر ابوسفیان نے اپنے آنے کا مقصد واضح کیا اور کہا 'ہم تمھاری مدد کے آسرے پر یہاں آئے ہیں۔ تاکہ آج رات مسلمانوں کا صفایا کر دیں'

سلام بن مشکم نے جواب دیا 'ہمیں اپنے وعدے کا خیال ہے اور ہم مسلمانوں کے خلاف تمھارا ساتھ دیں گے۔ لیکن ہم نے سوچا بھی نہیں تھا کہ تم اتنی جلدی مدینہ پہنچ جاؤ گے۔ اس وقت ہم جنگ کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس لئے آج رات شریک نہیں ہو سکتے اور نہ ہی کل رات بلکہ یوں کہو اگلی کئی راتوں تک'

ابوسفیان جو اسی رات مسلمانوں پر حملہ کرنے کی نیت سے آیا تھا گھبرا گیا۔ اسے اپنا منصوبہ خاک میں ملتا دکھائی دیا۔ اس نے مدینہ سے روانہ ہونے کا فیصلہ کر لیا لیکن یہودیوں کے محلوں میں واقع مسلمانوں کے باغیچوں کو آگ لگا دی۔ دو مسلمانوں کو تو جان سے مار دیا اور چند بورے آٹے پر مشتمل ان کی جائداد لوٹ لی۔ جن باغیچوں کو اس نے آگ لگائی وہ مدینہ کے شمال میں واقع تھے اور عرید کہلاتے تھے۔

جب مسلمانوں کو اس واقع کی خبر ہوئی تو وہ ابوسفیان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں سے بچنے کے لئے ابوسفیان اور اس کے سپاہیوں نے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی

marfat.com

اور اپنے گھوڑوں اور اونٹوں سے آٹے کے بورے گرا کر وزن کم کرنے لگے۔ بعد میں آٹے کے یہ بورے مسلمانوں نے دوبارہ حاصل کر لئے۔ چونکہ یہ آٹا جو کا تھا اس لئے اس واقعے کا نام جو کا تحفظ پڑ گیا۔ تاریخ اسلام میں یہ واقعہ غزوۂ سویق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ دراصل جو کو عربی میں سویق کہتے ہیں۔

حضور ﷺ نے مسلمانوں کو مدینہ سے گزرنے والے مکہ کے ہر قافلے کو روکنے کا حکم دے رکھا تھا۔ ایک دن مسلمانوں کو خبر ہوئی کہ ابوسفیان اور سفوان بن امیہ کی قیادت میں ایک قافلہ وہاں سے گزر رہا ہے۔ یہ قافلہ مکہ سے نجد اور خیبر کے راستے شام جا رہا تھا اور اس کا مال واسباب نقرئی ظروف اور زیورات پر مشتمل تھا۔

خیبر مدینہ کے شمال میں واقع تھا، جس کے زیادہ تر باشندے یہودی تھے اور جن کا ذریعہ معاش سونے کی تجارت تھا۔ وہ نقرئی ظروف، طلائی زیورات اور اس طرح کی دوسری قیمتی چیزیں بنانے کے ماہر تھے۔ وہ نقرئی ظروف اور زیورات بیچنے کے ساتھ ساتھ انہیں کرائے پر بھی دیتے تھے۔ مدینے کے امراء اپنی پرتکلف دعوتوں اور شادی کی تقاریب کے لئے یہ قیمتی اشیاء اور ظروف خیبر کے یہودیوں سے کرائے پر لیتے۔

حضور ﷺ کی ہجرت سے کئی برس پہلے مکہ کے ایک ممتاز شخص نے ایک تہوار منانے کے لئے قیمتی ظروف کرائے پر دئے۔ اتفاق سے کچھ اشیاء گم یا ممکن ہے چوری ہو گئیں۔ خیبر کے یہودیوں نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا اور معاوضہ کے طور پر دس ہزار طلائی سکے وصول کئے۔

خیبر کے یہودی دوسرے شہروں کے لوگوں کو اپنی چیزیں کرائے پر دینے سے پہلے ان کا دیہار یا اعتبار پرکھ لیا کرتے تھے کہ آیا وہ اتنے امیر ہیں بھی کہ کسی نقصان کی صورت میں مناسب ازالہ کر سکیں یا نہیں۔ بصورت دیگر وہ اس شخص کو کرائے پر اشیاء دینے سے گریز کرتے۔ مکہ کے قافلے میں بہت سے نقرئی ظروف اور زیورات موجود تھے۔

جب مسلمانوں نے مکہ کے قافلے کو مدینہ کے انتہائی مشرق میں القردہ نہر کے کنارے خیمہ زن دیکھا تو فوراً ان پر حملہ آور ہوئے۔ ابوسفیان اور سفوان بن امیہ قافلے کا سب مال اسباب

marfat.com

چھوڑ کر فرار ہو گئے جسے مسلمانوں نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ تقریباً ایک لاکھ درہم کا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ یہ مکہ کا پہلا قافلہ تھا جو حقیقی معنوں میں مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ اس دولت پر قبضہ کر کے انہوں نے ابوسفیان کے مدینے پر حملے سے ہونے والے نقصان کی تلافی کر لی۔

جب یہ خبر مکہ پہنچی تو کفار مکہ بہت سیخ پا ہوئے اور انہوں نے ایک اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

marfat.com

مدینہ سے یہودیوں کا اخراج

مکہ کے لوگ مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے ۔مدینہ میں اسلام کے مخالفین خاص کر شاعر مسلمان کے خلاف ہجولکھ کر انہیں نیچا دکھانے کی کوشش کر رہے تھے ۔عربوں کی تنقیدی شاعری یا ہجو کی کاٹ کسی تلوار یا نیزے کے زخم سے کم نہیں تھی ۔کعب بن الاشرف مدینہ کے انہی یہودی شاعروں میں سے ایک تھا جو مکہ چلا گیا اور وہاں چار ماہ قیام کے دوران مکہ والوں کو حضورؐ کے خلاف بھڑکا کر واپس مدینہ آ گیا ۔ مدینہ واپس آ کر اس نے عوامی مقامات پر اپنی زہریلی شاعری سنانا شروع کر دی ۔وہ دوسروں کو بھی اس بات کی ترغیب دیتا کہ وہ اسکی شاعری اس کے ساتھ مل کر بلند آواز سے پڑھیں۔

ان شاعروں میں سے ایک اسماء بنت مروان بھی تھی ۔جس کا خاوند مسلمان تھا۔اسکی ہجویہ شاعری اللہ،حضورؐ قرآن اور جبرائیل کے خلاف تھی۔ان اشعار نے مسلمانوں کو مشتعل کر دیا۔حضورؐ بھی اسکی شاعری پر ناراض تھے۔آپؐ بہت زیادہ بردبار اور متحمل مزاج تھے اس لیے آپؐ نے اس کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا۔قرآن پاک میں اسکا ذکر یوں آیا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قسم ہے زمانے کی (جس میں نفع ونقصان واقع ہوتا ہے) کہ انسان (بوجہ تضییع عمر کے) بڑے خسارے میں ہے مگر جو لوگ کہ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے (کہ یہ کمال ہے) اور ایک دوسرے کو (اعتقاد) حق (پر قائم رہنے) کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے (اعمال کی) پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔

(سورہ العصر ۳-۱:۱۰۳)

marfat.com

قرآن پاک میں تحمل اور برداشت کا متعدد بار ذکر آیا ہے۔ اور ہر موقع پر اللہ نے مسلمانوں کو صبر اور تحمل کا دامن نہ چھوڑنے کا کہا ہے۔ حضورؐ خود بردباری کی اعلیٰ مثال تھے۔ تاہم عام مسلمان اپنے پیغمبرؐ اور دین کے خلاف اسطرح کی شاعری سننا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ اور اللہ کے نبیؐ کے خلاف سرعام ہرزہ سرائی سے وہ سخت رنجیدہ ہوتے۔

مسلمان اپنی ذات کے خلاف تو اس طرح کی باتیں برداشت کر سکتے تھے۔ لیکن اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے خلاف یہ کلمات انہیں گوارہ نہیں تھے۔ ایک دن اس (اسماء بنت مروان) کے مسلمان نابینا شوہر نے نیزہ گھونپ کر اسے جہنم واصل کر دیا۔ ان کا نام حضرت عمیرؓ بن عوف تھا۔

اگلے دن لوگوں کو یہ جان کر بہت حیرت ہوئی کہ حضرت عمیرؓ بن عوف نے اس عورت کے ناپاک وجود کا خاتمہ کر دیا ہے۔ ایک نابینا آدمی کے لیے ایسا کرنا بظاہر ناممکن تھا۔

مدینہ میں یہ خبر بہت جلد پھیل گئی۔ حضورؐ کو اس کی اطلاع مسجد میں ملی۔ جب یہ نابینا صحابی مسجد میں آئے تو حضورؐ نے ان سے استفسار کیا، ''کیا اسے تم نے قتل کیا ہے؟'' انہوں جواب دیا'' جی ہاں یا رسول اللہ! میں نے اسے کل رات قتل کیا ہے اور مجھے اپنے کئے پر ذرہ بھر بھی پشیمانی نہیں''۔

حضورؐ یہ سن کر رنجیدہ ہو گئے کیونکہ آپ قتل و غارت گری کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ انہیں اس بات کا بھی افسوس تھا کہ اسلام دشمن عناصر مسلمانوں کے صبر کا غلط فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ وہ انہیں انکی مرضی کے برعکس اقدامات پر مجبور کر رہے تھے۔ اسماء کے قتل کے سلسلے میں حضورؐ کچھ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ایک معاہدے کے تحت مدینہ کا ہر قبیلہ اپنے اندرونی معاملات میں خود مختار تھا۔ چونکہ قاتل اور مقتول کا تعلق ایک ہی قبیلہ سے تھا اس لئے کسی تیسرے شخص کی مداخلت کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس قتل کی سزا و جزا کا فیصلہ انکے قبیلے نے ہی کرنا تھا۔

کعب بن اشرف کو ابو نائلہ اور محمد بن مسلمہ نامی مسلمان نے قتل کر دیا۔ اس بار بھی قاتل اور مقتول ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی طرح ایک اور شاعر ابو عکف کو اس کے قبیلے کے مسلمان سالمؓ بن عمیر نے قتل کر دیا۔

marfat.com

تاریخ کی چند کتابوں میں ان اصحاب کا ذکر اس طرح سے کیا گیا ہے: ''عمیر بن عوف جنہوں نے اسماء بنت مروان کو قتل کیا، سالم بن عمیر جنہوں نے ابوعکف کا قتل کیا اور ابونائلہ جنہوں نے کعب بن اشرف کو جہنم واصل کیا۔''

ان ہلاکتوں کے باوجود ہجویہ شاعری جاری رہی۔ بلکہ اب تو یہودی بھی ان شاعروں کے ساتھ مل گئے۔

حضورؐ نے یہودیوں کو اس فتنہ بازی سے باز رہنے کی نصیحت کی اور انہیں میثاق مدینہ کی یاد دہانی کرائی جس کے تحت وہ مسلمانوں کے دشمنوں سے گٹھ جوڑ نہ رکھنے کے پابند تھے۔ حضورؐ نے مسلمانوں اور یہودی قبائل کے درمیان تعلقات بہتر بنانے کے لیے یہودیوں کے سردار سے ایک ملاقات طے کی۔

یہودی تین پیشوں میں منقسم تھے۔ ایک گروہ زراعت سے متعلق تھا۔ دوسرا سوداگری اور تیسرا چمڑا یا کھالیں رنگنے کا کاروبار کرتا تھا۔

اسلامی تاریخ میں انہیں بنوقریضہ، بنونضیر اور بنوقینقاع کے نام سے پکارا گیا ہے۔ ان میں بنوقریضہ سب سے طاقتور اور امیر تھے۔ ان کے زیادہ تر افراد سونے کا کاروبار کرتے تھے۔ یہودی سردار کو علم تھا کہ کئی ہزار افراد پر مشتمل ایک فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کرنے کی تیاریاں کر رہی ہے۔ حضورؐ سے ملاقات میں اس نے اس بات کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ وہ مکہ والوں کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی سازش کرنے والوں میں شریک تھا۔ حضورؐ نے اسے معاہدے کے یاد ہانی کرائی اور اسے بتایا کہ معاہدے کا احترام دونوں فریقوں کے لیے ایک جیسی اہمیت کا حامل ہے۔ آپؐ نے اسے یہ بھی یاد کروایا کہ مسلمانوں نے وعدے کی قطعاً خلاف ورزی نہیں کی لیکن اس کے باوجود یہودی اپنی ہجویہ شاعری کے ذریعے مسلمانوں کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔ مسلمانوں کے صبر کو بزدلی گردانا جارہا تھا حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ مسلمان بدر کی جنگ میں ثابت کر چکے تھے کہ وہ کسی سے نہیں ڈرتے۔ وہ انتقامی کارروائیوں کے ذریعے مسلمانوں اور یہودیوں کے باہمی تعلقات خراب نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ یہودی میثاق مدینہ کی شرائط

marfat.com

کی پابندی کریں اور مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچائیں۔

یہودیوں کے سردار نے گستاخانہ انداز میں جواب دیا، ''اے ابوالقاسم! بدر کی جنگ نے تمھیں اور تمھارے لوگوں کو مغرور بنا دیا ہے اور انہوں نے یہ سمجھنا شروع کر دیا ہے کہ وہ ہر جنگ میں فتح یاب رہیں گے۔ آپکو علم نہیں ہے کہ اب تک آپ اپنے ہی جیسے لوگوں سے لڑے ہیں اور آپ کا مقابلہ یہودیوں سے نہیں ہوا ہے۔ آپ نہیں جانتے کہ یہودی کتنے بہادر اور جری ہیں۔

حضورؐ نے نہایت تحمل سے جواب دیا' ہم تم لوگوں سے لڑنا نہیں چاہتے بلکہ ہم تو تم سے اچھے تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے علم ہے کہ ایک فوج ہماری طرف بڑھ رہی ہے اس لیے تم ہمارا ساتھ نہیں دینا چاہتے لیکن تم کم از کم یہ تو کر سکتے ہو کہ غیر جانبدار رہو۔' یہودیوں کو مکہ کے کافروں سے اس قدر توقعات وابستہ تھیں کہ انکے سردار نے غیر جانبدار رہنے کا وعدہ بھی نہ کیا۔ اس نے کہا کہ اس کا دارومدار مسلمانوں کے رویہ پر ہے۔ اگر مسلمانوں کا رویہ اطمینان بخش رہا تو یہودی بھی غیر جانبدار رہیں گے۔

اس وقت جب مسلمان ایک بردبار اور شگفتہ رویہ اپنائے ہوئے تھے ایک افسوسناک واقعہ رونما ہوا۔ ایک دن جب ایک مسلمان لڑکی زرگروں کے بازار میں سے گزر رہی تھی، کچھ یہودی لڑکے اسکے گرد جمع ہو گئے اور اسے تنگ کرنے لگے۔ اسکے بعد انہوں نے اسکی بے عزتی کرنے کی کوشش کی۔ نزدیکی دکان میں سے ایک یہودی نکلا اور اس لڑکی کے لباس کا کونہ ایک ستون سے باندھ دیا۔ جب اس لڑکی نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تو اسکے لباس کا کونہ پھٹ گیا جس سے اس کے جسم کا کچھ حصہ برہنہ ہو گیا۔

ایک مسلمان بھی وہاں سے گزر رہا تھا۔ اس نے یہ واقعہ دیکھ لیا۔ اس شرمناک واقعہ نے اسے مشتعل کر دیا۔ اس نے یہودی کے سر پر ضرب لگائی۔ دوسرے یہودی اس مسلمان پر پل پڑے اور اسے قتل کر دیا۔ مسلمانوں نے قینقاع قبیلے سے قصاص طلب کیا۔ لیکن یہودیوں نے اس سے انکار کر دیا اس انکار کا مطلب جنگ تھا۔ یہودی قبائل کے تمام افراد بشمول سات سو جنگجوؤں کے اپنے قلعہ نما گھروں میں مورچہ بند ہو گئے۔ انہیں مسلمانوں سے کوئی خوف نہیں تھا کیونکہ انہیں

marfat.com

ابوسفیان کی زیر قیادت فوج کے آنے کا اطمینان تھا۔

مسلمانوں نے دو ہفتوں تک زرگروں کی بستی کا محاصرہ کیے رکھا۔اس دوران مسلمانوں یا یہودیوں کا کوئی فرد زخمی نہ ہوا۔دو ہفتوں کے بعد یہودیوں کو اطلاع ملی کہ مکہ والوں کی فوج مدینہ پہنچنا تو درکنار ابھی مکہ سے روانہ بھی نہیں ہوئی تھی ۔ چنانچہ انہیں سرنگوں ہونا پڑا۔حضورؐ ہار ماننے والوں سے ہمیشہ رحمدلی کا برتاؤ کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہودیوں سے اسلحہ کے علاوہ کچھ بھی نہ لیا اور انہیں یہ اختیار دے دیا کہ وہ چاہیں تو اسلام قبول کرلیں ورنہ ہمیشہ کے مدینہ چھوڑ دیں۔

حضورؐ نے انہیں یہ اجازت بھی دے دی کہ وہ جو چاہیں اپنے ساتھ لے جائیں ۔ یہودی ہر چیز اپنے ساتھ لے گئے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے گھروں کی کھڑکیاں اور دروازے تک نہ چھوڑے۔مدینہ سے جانے کے بعد وہ دو گروہوں میں منقسم ہو گئے ۔ایک گروہ جنوب کی طرف روانہ ہوگیا تاکہ مسلمانوں کوختم کرنے کے لیے کفار کے ساتھ شامل ہوسکیں۔دوسرا گروہ عرب کے یہودی شہروں میں سے ایک شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔

اگر چہ مدینہ سے یہودیوں کی بے دخلی سے اسلام مخالف عناصر کی تعداد کم ہوگئی تھی لیکن باقی رہ جانے والے یہودیوں کی تعداد اب بھی خاصی زیادہ تھی ۔ یہودیوں کی اس جلا وطنی سے قریش مکہ کوبھی خاصا نقصان ہوا کیونکہ اب وہ ان سات سو جنگجوؤں سے محروم ہو گئے تھے جو مدینہ پر حملہ کی صورت میں انکی مدد کر سکتے تھے۔

marfat.com

غزوہ احد کا میدان اور شہداء کی قبریں

marfat.com

غزوہ احد

ماضی میں ابوسفیان مسلمانوں پر مدینہ آ کے حملہ کرنے میں ناکام ہو چکا تھا۔ غصے میں اس نے مسلمانوں کے باغات کو آگ لگادی تھی اور دو مسلمانوں کو قتل کر دیا تھا۔ جب مسلمانوں نے اس کا پیچھا کیا تو اس نے جو کی بوریاں پھینکنا شروع کر دیں جو اس نے مسلمانوں سے بطور مال غنیمت حاصل کی تھیں۔

مکہ پہنچنے پر ابوسفیان نے دوبارہ ایک بڑی فوج ترتیب دی اور مارچ ۶۲۵ء بمطابق شوال ۳ھ میں مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس مرتبہ قریش کی فوج میں تین ہزار سپاہی شامل تھے۔ ان میں سے سات سو سپاہی سرتا پا اسلحہ سے لیس تھے۔ جن کی قیادت صفوان بن امیہ بطور نائب سپہ سالار کر رہا تھا۔ یہ سپاہی تیروں اور تلواروں سے بچنے کے لئے زرہ بکتر بھی پہنے ہوئے تھے۔

دو سو سپاہی گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان کی قیادت خالد بن ولید کے ذمہ تھی جس کا شمار دنیا کے نامور جنگجوؤں میں ہوتا تھا۔ اسکی بہادری، چابکدستی اور میدان جنگ میں دشمن کی کمزوریوں کو بھانپ لینے کی صلاحیتوں کو تمام اسلامی مورخین نے سراہا ہے۔ اس آدمی پر اگر نیزوں اور تیروں کی بارش بھی کر دی جاتی تو یہ اپنے اصل مقصد سے نہیں چوکتا تھا۔

خالد بن ولید نے بعد ازاں اسلام قبول کر لیا اور بہادری اور شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ حضورؐ نے انہیں سیف اللہ یعنی اللہ کی تلوار کے لقب سے نوازا۔ ہجرت کے تیسرے سال شوال کا مہینہ تھا جب یہ شخص مسلمانوں کے خاتمے کی غرض سے ان کے مقابلے پر آیا۔ ابوسفیان کے ساتھ شامل دوسرے سرداروں میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا جو اس بات پر کڑھ رہا تھا کہ مسلمانوں نے اس کے باپ ابوجہل کو قتل کر دیا ہے۔

ابوسفیان کی بیوہ ہندہ بھی ان کے ساتھ تھی۔ وہ جنگ میں شہید ہونے والے مسلمانوں کے

marfat.com

ناک اور کان کاٹنے کی خواہش پوری کرنا چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ان حصوں سے اپنی گردن میں پہننے کے لیے ہار بنائے اور اس طرح سے غزوہ بدر میں قتل ہونیوالے اپنے عزیزوں کا انتقام لے۔

اس فوج میں ایک اور عورت بھی شامل تھی جس کا نام عامرہ نبت القامہ تھا۔ اس کی عمر پینتیس سے چالیس سال کے درمیان تھی۔ یہ دراز قد مضبوط اور پرکشش تھی اور غزوہ احد میں اسکی بہادری قابل ذکر ہے کیونکہ اس نے پسپا ہونے والی قریش کی فوج کو دوبارہ لڑنے پر اکسانے میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ بیس مارچ ۶۲۵ء بمطابق ۱۲ شوال ۳ھ بروز بدھ قریش کی فوج کے تین ہزار سپاہی مدینہ پہنچے۔

مدینہ کا جنوبی علاقہ جہاں مکہ کی فوج پہنچی تھی آتش فشاں چٹانوں پر مشتمل تھا جہاں گھوڑے اور اونٹ آسانی سے چل پھر نہیں سکتے تھے اسی لیے یہ جگہ جنگ کے لیے مناسب نہیں تھی۔ بعد میں یہ فوج مدینہ کے شمال کی طرف منتقل ہوگئی۔ ابوسفیان نے کوہ احد کے دامن میں لڑنے کا فیصلہ کیا جہاں زمین ریتلی تھی اور اونٹ آسانی سے چل پھر سکتے تھے۔

جب مکہ کی فوج مدینہ پہنچی تو حضور مسجد قبا میں تھے۔ مدینہ کے نزدیک قبا ہی میں اسلام کی پہلی مسجد ہے۔ حضورؐ ہفتہ میں ایک بار اس مسجد میں جایا کرتے اور عبادت سے فارغ ہوکر مسلمانوں کے ساتھ مشاورت کیا کرتے۔ جب حضورؐ کو مکی فوج کے آنے کی اطلاع ملی تو انہیں حیرت نہ ہوئی کیونکہ انہیں پہلے ہی سے توقع تھی کہ قریش بدر کی شکست کا انتقام لینے کے لیے حملہ کریں گے۔

احد کے دامن میں خیمہ زن ہونے کے بعد دشمن کی فوج نے مسلمانوں کو جنگ کی ترغیب دینے کے لیے اپنے گھوڑے اور مویشی چرنے کے لئے میدان میں چھوڑ دیئے۔ مدینہ کے لوگ بھی انکے ارادوں سے خوب واقف تھے۔ اس دن اور اسکے بعد آنے والی رات کے دوران حضورؐ مختلف قبائل کے سرداروں کے ساتھ مشاورت میں مصروف رہے تاکہ پیش آمدہ صورتحال کے مطابق کوئی حکمت عملی بنائی جاسکے۔

حضورؐ جنگ کے دوران مدینہ میں امن وامان یقینی بنانا چاہتے تھے۔ انہیں منافقوں اور

marfat.com

مدینہ کے غیر مسلم قبائل کی عیاری کی بھی فکر تھی۔

عبداللہ بن ابی منافقین کا سردار تھا۔ اس نے حضورؐ کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ یہودیوں نے بھی وعدہ کیا کہ وہ مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ نہیں کریں گے۔ حضورؐ نے انکے بیانات کو تسلیم کر لیا اور جنگ کی حکمت عملی کو آخری شکل دے دی۔

عبداللہ بن ابی نے تجویز پیش کی کہ مسلمان شہر کے اندر رہیں اور اپنے آپ کو مضبوط مکانات میں قلعہ بند کر لیں۔ حضورؐ جانتے تھے کہ یہ حکمت عملی مسلمانوں کو محفوظ رکھ سکتی تھی بشرطیکہ ان کے پاس خوراک کا وافر ذخیرہ ہو جو محاصرے کے دوران کام آسکے۔ یہ تجویز عبداللہ بن ابی نے پیش کی تھی جو منافقین کا سردار تھا لہٰذا حضورؐ اسکی وفاداری اور نیت پر اعتماد نہیں کر سکتے تھے۔ منافقین انتہائی فریبی لوگ تھے۔ وہ قریش کے سپاہیوں کے لیے مسلمانوں کی پناہ گاہ یا قلعہ بندیوں کے دروازے کھول سکتے تھے۔

عبداللہ بن ابی کی بات سننے کے بعد حضورؐ نے مجاہدین کی رائے طلب کی۔ وہ کہنے لگے ''یا رسولؐ اللہ! مدینہ سے باہر قریش کا سامنا کرنا بہتر ہوگا۔ اگر ہم شہر کے اندر رہے تو ہم اپنی نقل و حرکت میں محدود ہو جائیں گے۔ اگر ہم شہر سے باہر لڑیں تو جنگی صورتحال کے مطابق حکمت عملی اختیار کرنے اور نقل و حرکت میں آزاد ہوں گے۔''

حضورؐ نے انکی تجویز کو پسند فرمایا اور شہر سے باہر لڑنے کی اجازت دے دی۔ حضورؐ کی عادت حسنہ تھی کہ کوئی اہم فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے ساتھیوں سے مشورہ ضرور کرتے تھے۔ وہ ہر مفید تجویز کی بخوشی اجازت دے دیا کرتے تھے۔ اور جب ایک بار کوئی فیصلہ ہو جاتا تو پھر اس میں کسی قسم کی تبدیلی پسند نہ فرماتے۔

جب حضورؐ نے شہر سے باہر لڑنے کا فیصلہ کر لیا تو عبداللہ بن ابی نے مدینہ کے اندر رہنے کی تجویز کی حمایت میں نظر ثانی پر اصرار کیا۔

حضورؐ نے جواباً فرمایا ''اے عبداللہ بن ابی، ایک پیغمبر جسے اپنی رسالت کا کام پورا کرنے کا فرض سونپا گیا ہو، جب ایک بار اپنی تلوار نیام سے باہر نکال لیتا ہے تو پھر اپنے آپ کو عمارتوں کے

marfat.com

اندر محفوظ نہیں کرتا۔ وہ آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے"۔

مکہ کی فوج تین ہزار سپاہوں پر مشتمل تھی جبکہ اسلامی فوج کی تعداد محض ایک ہزار تھی۔ اس میں سے بھی تین سو سپاہی عبداللہ بن ابی کے ساتھ مدینہ واپس چلے گئے۔ حضورؐ کے ساتھ صرف سات سو مجاہدین تھے۔

اس بار بھی مسلمان فوج کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ مسلمانوں کو زرہ بکتر، خود اور دوسرے آلات حرب کی کمی کا بھی سامنا تھا۔ قریش کی فوج کا مقابلہ مدینہ سے باہر کرنے کے فیصلے کے بعد حضورؐ نے فوج کا معائنہ فرمایا۔ انہوں نے فوج میں جنگی سامان کی کمی دیکھی۔ مسلمان اتنے امیر نہیں تھے کہ خود سے آلات حرب کا انتظام کر سکتے۔

جس وقت حضورؐ فوج کا جائزہ لے رہے تھے انہیں اطلاع ملی کہ ہو سکتا ہے جنگ شروع ہونے کے بعد یہودی بھی قریش کے ساتھ مل جائیں۔ مدینہ کے قانون کے مطابق کسی غیر ملکی فوج کے مدینہ پر حملہ کی صورت میں مدینہ کے تمام شہری خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں اس کی حفاظت کے ذمہ دار تھے۔ اگرچہ حضورؐ جانتے تھے کہ یہودی اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتے ہیں لیکن انہوں نے اپنے شک کا اظہار نہ کیا۔ اگلے روز مسلم افواج مدینہ سے روانہ ہوئیں اور کوہ احد کے مشرقی دامن میں خیمہ زن ہو گئیں۔ مکہ کی افواج پہلے ہی اس پہاڑی کے مغربی دامن میں پڑاؤ ڈالے ہوئی تھیں۔ منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کے ہمراہ مشرقی سمت سے مدینہ واپس چلا گیا۔ اس طرح مسلمان سپاہوں کی تعداد محض سات سو رہ گئی۔ اس عمل سے ثابت ہو گیا کہ منافقین کے بارے میں حضورؐ کا شک بے بنیاد نہیں تھا۔ اس بات کا ذکر کرنا خاصا دلچسپ ہوگا کہ منافق جو بظاہر مسلمان تھے حضورؐ کو چھوڑ کر چلے گئے لیکن یہودی جن کی وفاداریوں میں تبدیلی متوقع تھی، غزوہ احد میں اپنی بات پر ڈٹے رہے۔

جنگ شروع ہونے سے قبل ابوسفیان کی بیوی ہندہ اپنے غلاموں سے مخاطب ہوئی اور کہنے لگی کہ ان میں سے جو کوئی بھی سرکردہ مسلمانوں کو قتل کرے گا اسے فوراً آزاد کر دیا جائے گا۔ اس نے مکہ والوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے پر جوش تقریریں بھی کیں۔ "اگر تم دشمن پر نڈر ہو کر حملہ

marfat.com

کرو گے تو ہم مخملی قالینوں پر تم سے ہم آغوش ہوں گیں اور شراب کے مزے سے تمھیں مخمور کر دیں گیں۔ لیکن اگر تم دشمن سے پلٹ آئے تو تم ہماری محبت سے کبھی لطف اندوز نہ ہو سکو گے''۔

مسلمانوں کے پاس دو گھوڑے تھے جن میں سے ایک پر حضرت انسؓ سوار تھے۔ جب مسلم افواج قریش کی طرف بڑھیں تو گھوڑے کی حرکت کی وجہ سے حضرت انسؓ کی تلوار کا کچھ حصہ نیام سے باہر آ گیا۔ اسے ایک اچھا شگون سمجھا گیا اور مسلمانوں کی فتح سے تعبیر کیا گیا۔ انسؓ نے خوشی خوشی یہ خبر سب تک پہنچا دی۔

مسلمانوں نے ایک منظم انداز میں قریش کی طرف پیش قدمی کی۔ حضورؐ نے انہیں نصیحت کی کہ اپنی صفوں میں متحد رہیں جو کہ ایک چلتے پھرتے قلعے کی مانند تھیں۔ آپؐ نے انہیں کہا کہ نظم وضبط کی پابندی کریں اور اپنی شجاعت کے انفرادی جوہر دکھانے سے گریز کریں تا کہ فتح سے ہمکنار ہو جائیں۔ حضورؐ نے ۵۰ تیر اندازوں کا ایک دستہ عبد اللہ بن جبیرؓ کے زیر قیادت تعینات فرمایا تا کہ مسلمان عقب سے ہونے والے حملے سے محفوظ رہیں۔ مشرکین کی تعداد مسلمانوں سے چار گنا زیادہ تھی۔ جنگ کے ابتدائی لمحات میں یوں محسوس ہوتا تھا کہ مسلمانوں کی فتح آن پہنچی ہے۔ مسلمان پورے اعتماد اور اتحاد کے ساتھ پیش قدمی کر رہے تھے۔ انکی جرات، استقلال اور شجاعت نے قریش کے دلوں کو دہلا دیا تھا۔ قریش کی ہمت ٹوٹ گئی اور انہوں نے پسپا ہونا شروع کر دیا۔

قریش کے خیمے نزدیک ہی تھے۔ جب مسلمانوں نے انہیں پسپا ہوتے دیکھا تو سمجھے کہ مال غنیمت سمیٹنے کے لیے یہ وقت مناسب ہے۔

قریش کے خیموں میں بے تحاشہ دولت کے ساتھ بڑی تعداد میں گھوڑے اور اونٹ بھی تھے۔ مسلمانوں نے اپنی صفیں توڑ دیں اور مال غنیمت سمیٹنے لگے۔

کچھ مسلمانوں نے یہ صورتحال دیکھی تو بلند آواز سے پکارنے لگے ''اے اللہ کے غلامو! تم کہاں جا رہے ہو؟ حضورؐ نے ہمیں یہ جگہ چھوڑنے سے منع فرمایا تھا''۔

سپاہیوں نے جواب دیا کہ حضورؐ نے حکم دیا تھا کہ اس وقت تک اپنی صفیں نہ توڑنا جب تک

marfat.com

جنگ جاری رہے۔ اور اب جبکہ جنگ ختم ہو چکی ہے صفیں برقرار رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ کہتے ہی وہ بڑے جوش سے قریش کے خیموں کی طرف بھاگ اٹھے۔

دوسری طرف حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کے زیر قیادت عینین کے ٹیلے پر مامور مجاہدین نے بھی جب قریش کو پسپا ہوتے اور مسلمانوں کو مال غنیمت سمیٹنے کے لیے بکھرتے ہوئے دیکھا تو اپنا حصہ حاصل کرنے کے لئے جگہ چھوڑ دی۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے انہیں ایسا کرنے سے روکا اور انہیں حضورؐ کے احکامات یاد دلائے کہ انہیں کسی بھی صورت میں یہ جگہ نہیں چھوڑنا تھی۔ تیر اندازوں نے قریش کو بھاگتا دیکھ کر ٹیلے سے نیچے اترنے پر اصرار کیا۔ وہ ٹیلے سے اترے اور قریش کے خیموں کی طرف بھاگنے لگے۔ عبداللہؓ بن جبیر سمیت صرف بارہ سپاہی اس ٹیلے پر رہ گئے۔

اسی دوران مکہ کے سپاہی پسپا ہوتے ہوئے اپنی عورتوں کے روبرو آئے جو کہ میدان جنگ میں انکے ساتھ تھیں۔ عرب کا یہ قدیم رواج تھا کہ انکی عورتیں بھی جنگ میں حصہ لیتی تھیں تاکہ مردوں کی جرات اور حوصلہ بڑھائیں اور انہیں بہادری سے جنگ لڑنے کی ترغیب دیں۔ عرب کا ایک شاعر کہتا ہے: ''جب ہم لڑتے ہیں ہماری عورتیں ہمیں میدان جنگ میں دیکھتی ہیں، انکی آنکھیں کسی الاؤ کی طرح ہمارے خون کو گرماتی ہیں''۔ اس طرح جنگوں میں جب مرد ہمت ہار جاتے اور پسپا ہوتے تو یہ عورتیں اپنے بال بکھیرتیں، اپنے گریبان چاک کر لیتیں اور تقریباً برہنہ ہو کر دشمن فوج کی طرف بھاگ کھڑی ہوتیں تاکہ اپنے مردوں کو دوبارہ لڑنے کے لیے اشتعال دلا سکیں۔

اس دن احد کے میدان میں بھی یہی کچھ ہوا۔ جب قریش کی عورتوں نے اپنے مردوں کو پیچھے ہٹتے دیکھا تو انہوں نے عامرہ بنت القامہ کی سرکردگی میں اپنے بال کھولے اور اپنے کپڑے پھاڑ کر نیم برہنہ ہو گئیں۔ عامرہ بنت القامہ چلا چلا کر قریش کے مردوں سے کہنے لگی۔ ''تمہاری غیرت کہاں چلی گئی؟ تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم پسپا ہونے کی بجائے مسلمانوں کی اس مختصر تعداد کا سامنا کرو اور عزت کی موت مر جاؤ! جو شخص میدان جنگ میں مرتا ہے اس کا مذاق نہیں اڑایا جاتا کیونکہ وہ اپنا فرض پورا کر دیتا ہے۔ اور کوئی اس سے فتح کے بارے میں نہیں پوچھتا۔ وہ شخص جو

marfat.com

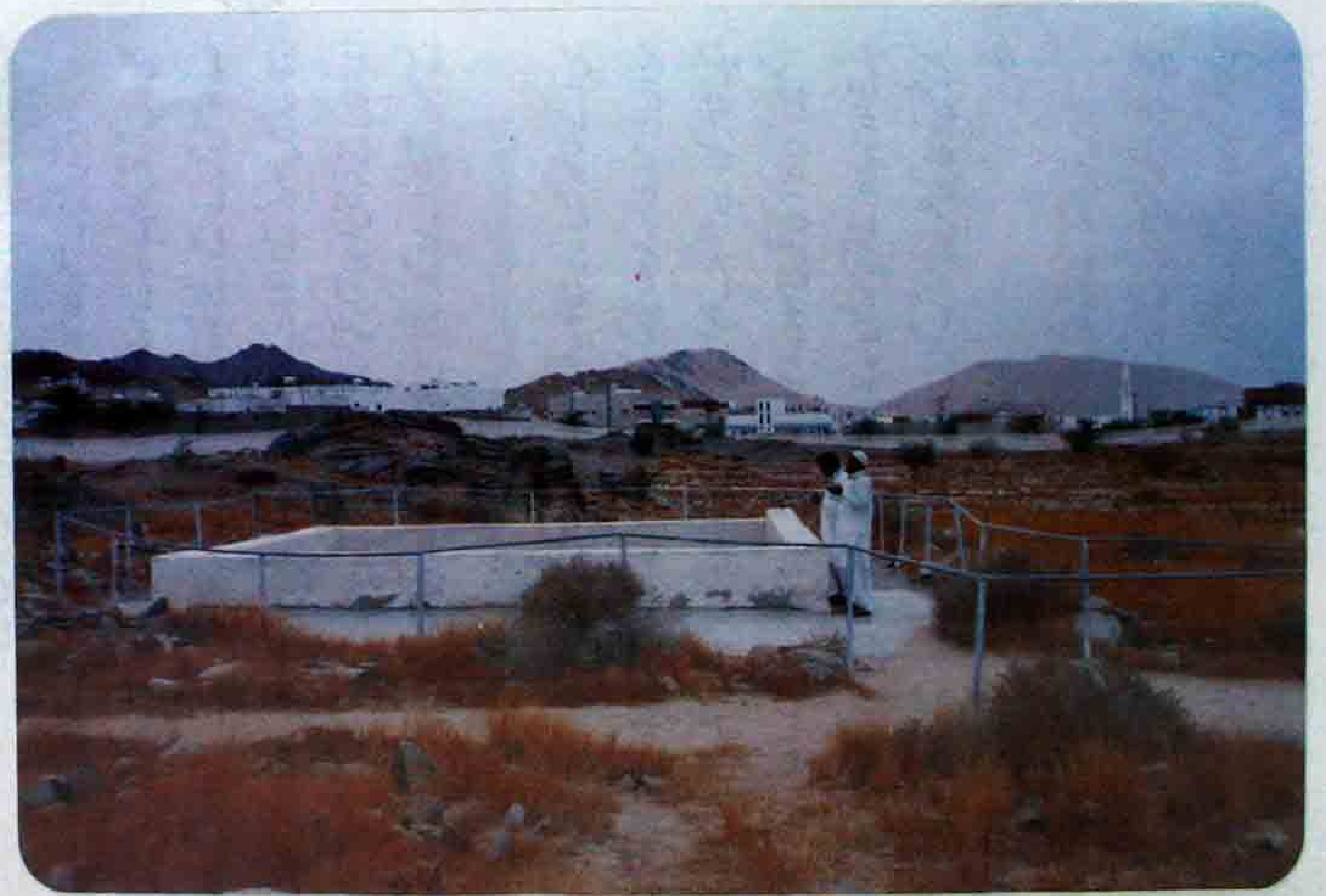

بدر کا میدان جنگ شہداء کی قبروں کے ساتھ

marfat.com

میدان جنگ سے ڈرتا ہے اور بھاگ نکلتا ہے اسے چاہئے کہ گھر میں چھپ جائے، عورتوں کی طرح چوڑیاں پہن لے، بچوں کی پرورش کرے اور کھانا پکائے! تم بزدل ہو! جاؤ اور عورتوں کی طرح گھروں میں بیٹھ جاؤ۔ تمہاری جگہ ہم عورتیں جنگ کریں گی۔'' اسلامی مؤرخین نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے نشان جنگ پکڑے ہوئے نو مشرکین کو قتل کیا جن کا تعلق عبدالدار کے خاندان سے تھا۔ جب قریش کا آخری نشان بردار زمین پر گرا تو عامرہ بنت القامہ جھنڈا اٹھانے کے لیے جھکی اور اپنی تلوار کے ساتھ مسلمانوں پر جھپٹی۔ قریش نے جب یہ دیکھا تو انہیں غیرت آئی اور وہ پلٹ کر مسلمان فوج سے لڑنا شروع ہو گئے۔

مسلمانوں کے لیے یہ جوابی حملہ قطعی غیر متوقع تھا۔ مسلمان مجاہدین یہ قیاس کر چکے تھے کہ وہ فتحیاب ہو گئے ہیں اور کافروں کو شکست فاش ہو گئی ہے۔ جب قریش نے ان پر حملہ کیا تو انہوں نے اپنے آپ کو دوبارہ منظم کرنے کی کوشش کی لیکن ایسا نہ کر پائے اور انہیں بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔

دوسری طرف خالد بن ولید جو میدان جنگ میں داخل نہیں ہوا تھا اس ساری صورتحال کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اس نے اس افراتفری کا پورا فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کرنے کے فیصلہ کیا۔ حضرت عبداللہؓ بن جبیر اور انکے گیارہ ساتھیوں نے خالد بن ولید کو روکنے کی پوری کوشش کی لیکن ناکام رہے اور تمام کے تمام بارہ مجاہدین شہید ہو گئے۔

اپنے گھڑ سواروں کے ساتھ خالد بن ولید مسلمانوں کی صفوں کے عقب میں پہنچ گیا جو پہلے ہی سامنے سے مزاحمت کا سامنا کر رہے تھے اور اب اطراف سے بھی گھر گئے تھے۔ اب انہیں دونوں جانب سے دشمن کا سامنا تھا۔

عامرہ بھی جھنڈا پکڑے قریش کی دوسری عورتوں سے مل کر اپنے سپاہیوں کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اکسا رہی تھی۔ قریش کے غلاموں میں سے وحشی نامی ایک غلام حملہ کرنے کے لیے اہم مسلمانوں کی تلاش میں تھا تاکہ آزاد ہو سکے۔ وہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ جیسے ممتاز افراد پر تو حملہ نہ کر سکا لیکن اس نے حضرت حمزہؓ کو اپنے قریب جنگ میں معروف دیکھ

marfat.com

لیا۔ حضرت حمزہؓ قریش کے خلاف بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ جب وحشی نے ان کی پشت اپنی طرف مڑی ہوئی دیکھی تو اس نے اس لمحے کا فائدہ اٹھایا اور اپنا نیزہ پوری قوت سے انکی پشت میں گھونپ دیا جو انکی چھاتی سے باہر نکل گیا۔ حضورؐ کے چچا زمین پر گر پڑے اور چند ہی لمحوں میں خالق حقیقی سے جا ملے۔

خالد بن ولید کے اچانک اور غیر متوقع حملے نے مسلمان فوج کو مخمصے میں ڈال دیا اور وہ بکھرنے لگے۔ تاہم چند مسلمانوں نے جن میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابودجانہؓ شامل تھے، حضورؐ کے گرد ایک حفاظتی حلقہ بنالیا تا کہ خالد بن ولید کے سپاہوں کا سامنا کرسکیں۔ حضورؐ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جس جگہ وہ کھڑے ہیں وہ دشمن کے تیروں کی زد میں ہے اور انہیں احد کے بالائی حصے کی طرف منتقل ہو جانا چاہئے جہاں کفار کے گھوڑے نہ چڑھ سکیں۔ حضورؐ نے مسلمانوں کی بدنظمی پر افسوس کا اظہار کیا۔ آپؐ نے انہیں خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ کچھ بھی ہو اپنی صفیں مت توڑیں۔ لیکن افسوس! مسلمانوں نے آپؐ کے فرمان کی تعمیل نہیں کی تھی۔ اس لئے آپؐ کا خیال تھا مسلمان غزوہ بدر کے برعکس اس جنگ میں خدا کی مدد و نصرت سے محروم رہیں گے۔

حضورﷺ کی حفاظت میں مصروف مسلمانوں کے علاوہ باقی مجاہدین قریش کے خلاف کوئی خاص مزاحمت نہیں کر رہے تھے۔ حضورﷺ اپنے ساتھیوں کی معیت میں قریش کے خلاف لڑتے ہوئے کوہ احد پر چڑھ رہے تھے۔ اسی دوران بلندی پر کھڑے ہوئے عبداللہ بن قمعہ نے ایک چٹان نیچے لڑھکا دی جو آپؐ کے چہرہ مبارک سے آٹکرائی جس سے آپؐ کا ایک دانت شہید ہو گیا۔ اس سے اگلے ہی لمحے آپؐ کا قدم مبارک پھسلا اور آپؐ ایک کھائی میں گر گئے جس سے آپؐ شدید زخمی ہو گئے۔ عبداللہ بن قمعہ اور ایک دوسرے قریشی سپاہی ایک بہت بڑی چٹان کے پیچھے چھپے ہوئے تھے اور مسلمانوں کے خلاف منجنیقوں سے پتھر برسا رہے تھے۔ اسی دوران خالد بن ولید اور اس کے کچھ آدمی مسلمانوں کو مکمل طور پر ختم کرنے کی غرض سے پہاڑ پر چڑھنے کے لئے اپنے گھوڑوں سے اترے۔ خالد بن ولید کے دوسرے آدمیوں نے پہاڑ کے نیچے کھڑے ہو کر

marfat.com

مسلمانوں پر تیر برسانا شروع کر دیئے۔ اسی لمحے عبداللہ بن قمعہ نے حضورﷺ کو کھائی میں گرتے دیکھ لیا۔ وہ فوراً پہاڑ سے نیچے اترا اور میدان جنگ میں آ کر چلانے لگا۔ 'خبردار! محمدؐ مارا گیا ہے۔' اس خبر سے ان مسلمانوں کے حوصلے بھی ٹوٹ گئے جو اب تک مزاحمت دکھا رہے تھے۔ مایوسی کے عالم میں انہوں نے اپنے ہتھیار پھینکے اور فرار ہونے لگے۔

حضورﷺ صرف زخمی ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے انہیں کھائی سے نکلنے میں مدد دی۔ حضرت علیؓ قریبی چشمے سے اپنی ڈھال میں پانی بھر لائے اور حضورﷺ کے چہرہ مبارک پر چھڑکا۔ انہوں نے آپ کا خود اتارا اور آپؐ کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔ حضورﷺ ابھی پوری طرح ہوش میں نہیں آئے تھے کہ خالد بن ولید اور اس کے آدمی پہاڑ کے نیچے پہنچ گئے۔ کفار کے ایک سو سپاہی ان بارہ مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے جو انتہائی ثابت قدمی سے حضورﷺ کی حفاظت کر رہے تھے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے مسلمانوں کی حکمت عملی کے تحت اپنی فوج کو دستوں میں تقسیم کر رکھا تھا تا کہ دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہو سکے۔ احد کی چوٹی پر حالات کچھ اور طرح کے تھے۔ وہاں اس طرح کی فوجی تشکیل ممکن نہیں تھی۔ اس لئے بارہ سپاہیوں میں سے چار سپاہی حضورﷺ کی حفاظت کے لئے مقرر کئے گئے اور باقیوں نے حضورﷺ کے گرد ایک ڈھال کی شکل اختیار کر لی۔ تاہم اپنی اپنی جگہ پر سب لڑنے میں مصروف تھے۔ حضورﷺ کی حفاظت کے لئے جن لوگوں کو مقرر کیا گیا ان میں حضرت عمرؓ حضرت علیؓ، حضرت انسؓ اور حضرت ابو دجانہؓ شامل تھے۔ یہ چاروں صحابہؓ اپنی اپنی جگہ پر دس دس آدمیوں سے لڑ رہے تھے۔ دشمن کسی نہ کسی طرح ان کو کم کر کے حضورﷺ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن ان چاروں صحابہؓ نے اپنے زخموں کو بھول کر ثابت قدمی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ دشمن کے سامنے سیسہ پلائی دیوار ثابت ہوئے۔ جنگ احد کے مورخین نے لکھا ہے کہ ان چاروں صحابہ نے اپنے سروں پر خود پہن رکھے تھے لیکن ان کے جسموں پر کوئی زرہ بکتر نہیں تھی۔ ہمیں حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے عرب کے گرم علاقے میں زرہ پہننے سے آدمی ادھر اُدھر حرکت کرنے اور لڑنے میں دشواری محسوس کرتا تھا۔ زرہ پہن کر تلوار چلانا انتہائی

marfat.com

مشکل ثابت ہوتا تھا۔ حضور ﷺ کے محافظوں پر لاتعداد زخم اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی زرہ بکتر نہیں تھی ورنہ ان کے جسموں پر اتنے زخم نہ آتے۔

غزوہ احد مارچ کے شروع میں پیش آیا۔ مدینہ میں اس وقت شدید گرمی تھی۔ زرہ پہن کر لڑنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ کفار کا خیال تھا کہ ان چار جانثاروں کو ختم کر کے وہ حضور ﷺ تک پہنچ جائیں گے اس لئے انہوں نے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابودجانہؓ اور حضرت انسؓ پر قابو پانے کی پوری کوشش کی۔ حضرت ابودجانہؓ اپنے ساتھیوں کے برعکس تلوار چلانے کے ماہر نہیں تھے۔ وہ تھک گئے اور جب ان کے بازو شل ہو گئے تو وہ حضور ﷺ کے سامنے ڈھال کی طرح کھڑے ہو گئے۔ آنا فانا قریش کے سپاہیوں نے اس زندہ ڈھال پر اتنے تیر برسائے کہ ان کا جسم چھلنی ہو گیا۔ آخر کار ان کے پاؤں لڑکھڑائے اور وہ حضور ﷺ کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کا چہرہ اس قدر مسخ ہو چکا تھا کہ سوائے ان کی بہن کے انہیں کوئی پہچان نہ سکا۔ ان کی بہن نے بھی انہیں ان کے کانوں کی ساخت سے پہچانا۔

حضرت ابودجانہؓ اور حضرت انسؓ کے بعد حضور ﷺ کی حفاظت کے لئے صرف حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ باقی بچے تھے۔ حضرت علیؓ سر سے پاؤں تک خون میں نہا گئے لیکن انہوں نے حضور ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ حضرت عمرؓ جو انتہائی دراز قد اور کشادہ شانوں والے آدمی تھے بے خوف وخطر تلوار چلاتے جاتے اور مسلمانوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے نعرے لگاتے جاتے۔

اسی دوران حضور ﷺ کی حالت بحال ہوئی اور آپؐ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو اشارہ کیا اور دشمن پر تیر برسانے کے لئے اپنی کمان اور تیر اٹھا لئے۔ ان مٹھی بھر مسلمانوں نے جب حضور ﷺ کو زندہ سلامت دیکھا تو ان میں جیسے زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ ایک بار پھر کافروں پر مردانہ وار حملے کرنے لگے۔ انہیں اپنی تھکاوٹ اور زخموں کا احساس بھول گیا اور وہ تازہ دم ہو گئے۔ انہوں نے ایک بار پھر حضور ﷺ کو گھیرے میں لے لیا اور نئی دستہ بندی تشکیل دی۔ یہ دائروی تشکیل ایک قلعے کی شکل اختیار کرتی گئی اور مشرکین پر پے در پے کامیاب حملے ہونے لگے۔ ان کے یہ حملے اتنے شدید ثابت ہوئے کہ خالد بن ولید کی سرکردگی میں آگے بڑھتے ہوئے

marfat.com

یہ مشرکین پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔

غزوہ احد کا یہ آخری دور انتہائی حیران کن ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور دوسرے مسلمانوں کی بہادری، جانثاری، ثابت قدمی اور حوصلہ اس قدر پختہ تھا کہ انہوں نے اپنے سے دس گنا بڑی فوج کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ اگر اس وقت حضورﷺ کے جانثاروں کی تعداد بارہ تھی تو حضرت ابو دجانہؓ اور حضرت انسؓ کی شہادت کے بعد قریش پر حملہ کرنے اور جنگی صفوں کی تشکیل نو کے لئے صرف دس جانثار باقی بچے تھے۔

جنگ کے خاتمے پر مکی فوج کے سپہ سالار ابو سفیان نے کہا کہ اس نے ان مسلمانوں جیسا بہادر کبھی کسی کو نہیں پایا جنہوں نے جنگ کے آخری لمحوں میں حضورﷺ کو بچانے کے لئے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی۔ اس نے کسی ایک آدمی کو بچانے کے لئے اتنی وفاداری اور جانثاری کے ساتھ مٹھی بھر آدمیوں کو لڑتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے جنگ احد بہار سے پہلے مارچ کے شروع میں پیش آئی جب عرب میں موسم انتہائی گرم ہوتا ہے۔ جب اسلام کے بہادر جانثاروں نے مکہ کی فوج کو پسپا ہونے پر مجبور کیا تو سورج احد کی مغربی پہاڑیوں میں ڈوب رہا تھا۔ جنگ ختم ہو گئی اور قریش کی فوج نے رات کی تاریکی کی وجہ سے دوبارہ حملہ کرنے کی کوشش نہ کی۔

حضرت فاطمہؓ نے اپنے والد بزرگوار کے زخموں کی مرہم پٹی کی۔ حضرت علیؓ بھی خون میں نہائے ہوئے تھے۔ جب اسلامی فوج کے طبیب اور جراح حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت علیؓ کے جسم کا جائزہ لیا تو ان کے جسم پر اسی شدید زخم لگے دیکھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے حیران ہو کر کہا 'علیؓ! تمہیں تو سر سے پیر تک پٹیوں میں لپیٹ کر مدینہ لے جانا چاہیئے۔ میں نے کبھی کسی شخص کو اتنا زخمی ہونے کے باوجود لڑنے پر آمادہ نہیں دیکھا'۔ دوسری طرف حضرت عمرؓ بن خطاب کے جسم پر اکیس کاری زخم آئے۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا جسم بھی بارہ شدید زخموں سے کٹا پڑا تھا۔ اس کے باوجود ان جلیل القدر صحابہؓ کو اپنے زخموں کی کوئی پرواہ نہیں تھی کیونکہ حضورﷺ زندہ سلامت تھے۔

marfat.com

سورج غروب ہونے سے پہلے ابوسفیان کی بیوی ہندہ حضرت حمزہؓ کا جسد خاکی تلاش کرنے میدان جنگ میں آ پہنچی۔اس نے ایک تیز دھار چاقو سے حضرت حمزہؓ کا سینہ مبارک چاک کیا اور ان کا کلیجہ نکال کر چبانے لگی۔اسی وجہ سے تاریخ اسلام میں اس درندہ صفت عورت کو ہندہ یعنی کلیجہ کھانے والی کہا جاتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ اس نے کلیجے کا کچھ حصہ نگل بھی لیا تھا۔اس نے حضرت حمزہؓ کا مثلہ کیا۔جب اس پر بھی اس کے انتقام کی آگ سرد نہ ہوئی تو وہ دوسرے لاشوں پر ٹوٹ پڑی اور ان کا مثلہ کیا۔ان کٹے ہوئے ناک کان سے اس نے ایک ہار بنایا اور پہن کر دیوانہ وار ناچنے لگی۔

ہندہ کے علاوہ قریش کی ایک اور عورت سلافہ بنت سعد بھی میدان جنگ میں آنکلی اور جنگ بدر میں اپنے بیٹے کو مارنے والے مسلمانوں کے لاشے تلاش کرنے لگی۔ایک مسلمان کا سر قلم کر کے یہ ظالم عورت چیختی ہوئی بولی' میں اس کھوپڑی کو دھو مانجھ کر اس کا پیالہ بناؤں گی اور ساری زندگی اسی میں پانی پیوں گی۔آج سے یہ میرا آب خورہ ہے۔'

جب مکہ کی فوج لاشوں کو پامال کرتے ہوئے میدان جنگ سے چلی گئی تو حضورﷺ کی نگاہ حضرت حمزہؓ کے جسد خاکی پر پڑی۔آپؐ نے ان کے سینہ مبارک کو کھلا ہوا اور کلیجے کو چبا کر قریب پھینکا ہوا دیکھا۔آپؐ نے دیکھا کہ حضرت حمزہؓ کے ناک اور کان کاٹ لئے گئے ہیں۔آپؐ کو یہ سب کچھ دیکھ کر انتہائی دکھ ہوا اور آپؐ نے غصے میں فرمایا'مسلمانوں اور کافروں کی اگلی جنگ میں حمزہؓ کے مثلے کے جواب میں میں قریش کے تیس آدمیوں کے ساتھ اسی طرح مثلہ کروں گا۔' اسی لمحے سورۃ نحل کی آیت نازل ہوئی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> اور اگر بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے
> اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے۔

سورۃ نحل ۱۲۶:۱۶

جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضورﷺ نے فرمایا'یا اللہ! میں انتقام سے اجتناب

marfat.com

کرتے ہوئے صبر اختیار کروں گا۔'

سورج کے مکمل طور پر غروب ہونے سے پہلے ابوسفیان دوبارہ میدان جنگ میں آیا اور پکار کر بولا 'محمدؐ زندہ ہے؟'

اس نے یہ سوال اس لئے پوچھا تھا کہ حضورﷺ کی شہادت کی افواہ کافی پھیل چکی تھی۔ پہلے تو یہی سوچا گیا کہ اس کو جواب نہ دیا جائے لیکن حضرت عمرؓ خاموش نہ رہ سکے اور گرج کر بولے 'اللہ کا شکر ہے۔ ہمارا نبیؐ زندہ ہے' ابوسفیان پھر پکارا 'تو سنو! جنگ بدر میں تم نے ہمارے ستر سپاہی اور سردار مارے تھے۔ اور آج ہم نے اتنے ہی لوگ مار کر حساب بے باک کر دیا ہے۔ اس کے باوجود اگر پنجہ آزمائی کا شوق ہو تو اگلے سال بدر کے میلے میں ہم تمہارا انتظار کریں گے۔' اس کے بعد ابوسفیان سینہ تان کر اپنے لوگوں کے پاس واپس آ گیا۔

جب دشمن میدان جنگ چھوڑ کر چلا گیا تو بکھرے ہوئے مسلمان واپس آ گئے۔ حضورﷺ نے شہیدوں کے لاشوں کو سپرد خاک کرنے کا حکم دیا۔ تاریخ سے یہ بات واضح نہیں ہو سکی کہ آیا یہ کام غروب آفتاب کے بعد کیا گیا یا اگلے دن تک موخر رہا۔ اگر یہ کام غروب آفتاب کے بعد شروع ہوا تو یقیناً ساری رات جاری رہا ہو گا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو ستر سپاہیوں کا نقصان اٹھانا پڑا جن میں سے چونسٹھ انصار اور چھ مہاجر تھے۔ قریش کی عورتوں نے زیادہ تر مسلمانوں کے اجسام کا مثلہ کر کے کٹے ہوئے اعضاء اور حصے نشانیاں بنا کر اپنے پاس رکھ لئے۔ عربوں میں لاشوں کو غسل دینے کا رواج عام تھا لیکن اس دن حضورﷺ نے فرمایا:

> 'جن مسلمانوں نے کافروں کا سامنا کرتے ہوئے جان دے دی دراصل وہ شہید ہیں۔ وہ پاک ہیں اور سیدھے جنت میں جا چکے ہیں۔ اس لئے انہیں غسل دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور ان کی تدفین بھی اسی جگہ کر دی جائے جہاں وہ شہید ہوئے ہیں۔'

جب تمام شہیدوں کو سپرد خاک کر دیا گیا تو حضورﷺ نے ان کی شان بیان کی اور مسلمانوں کو ان کے جنت میں حاصل ہونے والے مرتبے سے روشناس کروایا۔

marfat.com

کچھ مورخین کا خیال ہے کہ مسلمانوں کو اس جنگ میں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ لیکن بات دراصل حکمت عملی پر غور و فکر کرنے کی ہے۔ اگر ہم کسی فوجی سے پوچھیں کہ اس کے خیال میں شکست اور اسکی نشانیوں کا کیا مطلب ہے تو وہ یہی کہے گا کہ اگر کوئی فوج کسی ملک پر قبضہ کر لے اور اس کی فوجوں کو اس ملک کی حدود سے نکال لے تو وہ قوم جس کے ملک پر قبضہ ہوا ہے اور جس کی فوجیں ملک بدر ہوئی ہیں شکست خوردہ شمار کی جائے گی۔ دوسری صورت میں اگر کوئی فوج کسی ملک پر قبضہ کر لے لیکن اس ملک کی فوجوں کو نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو وہ قوم شکست خوردہ نہیں سمجھی جائے گی۔

مثال کے طور پر دوسری جنگ عظیم میں جرمنی نے روس کے بہت بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا چونکہ جرمن روسی فوجوں کو ان علاقوں سے نکال نہ سکے اس لئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ جرمنی نے روس کو شکست دے دی تھی۔

جنگ احد میں کفار نہ تو مسلمانوں کے علاقوں پر قبضہ کر سکے اور نہ اسلامی فوجوں کو وہاں سے نکال سکے۔ اگرچہ اس دن مسلمان میدان جنگ سے بھاگ گئے اور حوصلے ہار بیٹھے اس کے باوجود اگلے ہی دن انہوں نے ایک بار پھر صف بندی کی اور جیسا کہ ہم آگے چل کر بتائیں گے حضورﷺ احد کے پہاڑوں سے ایک منظم فوج لے کر واپس مدینہ پہنچے۔

قرآن شریف میں مسلمانوں کی صورتحال کو شکست سے تعبیر نہیں کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران میں مسلمانوں کو خاطر جمع رکھنے کا حکم دیا ہے۔

> اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو اگر تم پورے مومن رہے۔ اگر تم کو زخم پہنچ جاوے تو اس قوم کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے اور ہم ان ایام کو ان لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہا کرتے ہیں اور تا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لیویں اور تم میں سے بعضوں کو شہید بنانا تھا اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتے۔

سورۃ آل عمران ۱۴۰-۱۳۹:۳

marfat.com

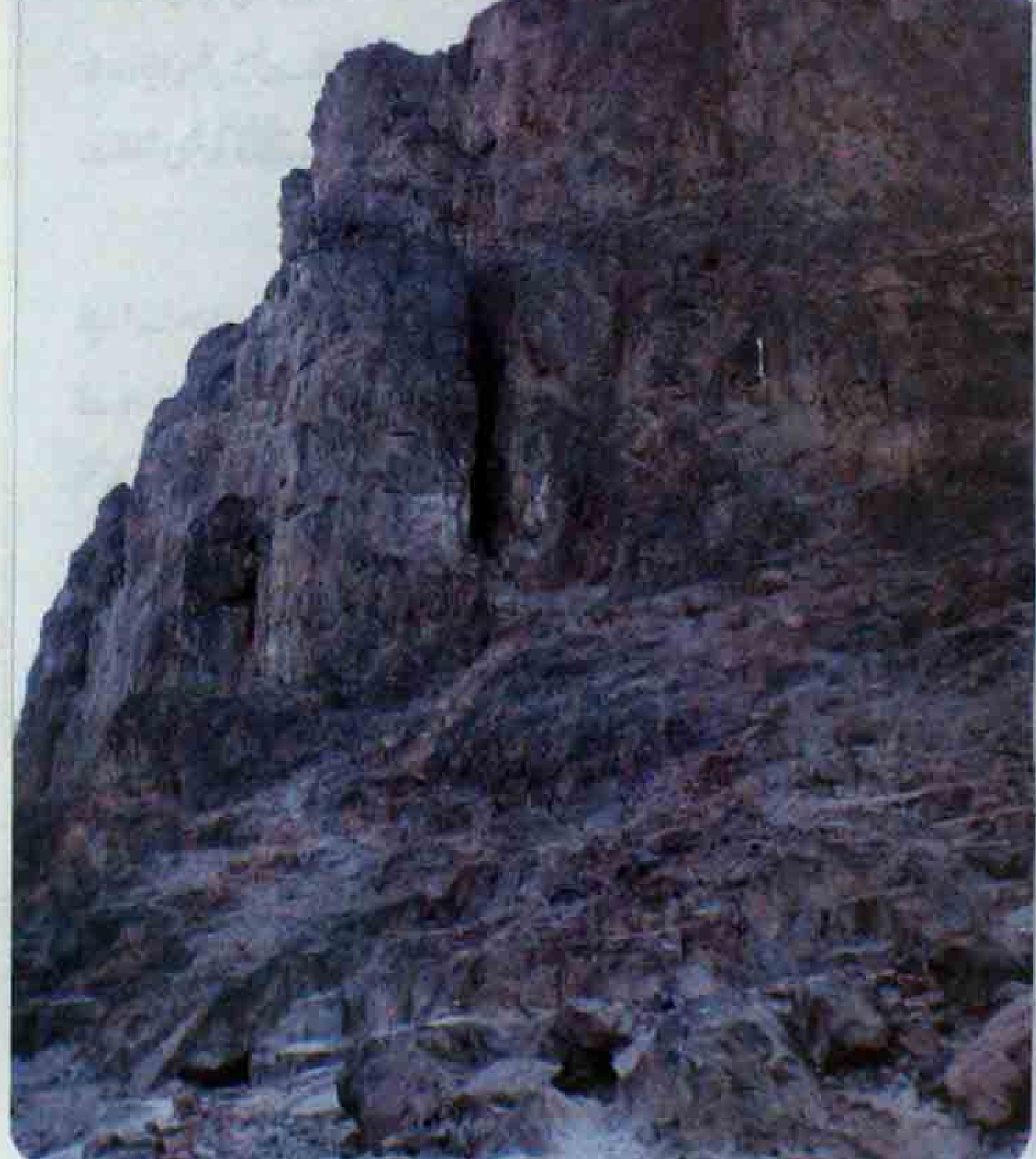

کوہ احد کی وہ غار جہاں حضورؐ نے زخمی حالت میں آرام فرمایا۔

marfat.com

بعد اس کے خدا ہی کی رحمت کے سبب آپؐ ان کے ساتھ نرم رہے اور
اگر آپ تُند خو سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپؐ کے پاس سے سب منتشر ہو
جاتے سو آپؐ ان کو معاف کر دیجئے اور آپؐ ان کے لئے استغفار
کر دیجئے اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے پھر
جب آپؐ رائے پختہ کر لیں تو خدائے تعالیٰ پر اعتماد کیجئے بے شک اللہ
تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔

سورۃ آل عمران ۱۵۹:۳

مندرجہ بالا آیات کی رو سے اللہ تعالیٰ نے جنگ احد کے نتائج کو شکست نہیں ٹھہرایا اور جو لوگ میدان جنگ سے بھاگے انہیں بھی معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضورﷺ کو بھی شفقت برتنے اور معاف کرنے کی ہدایت کی۔

اگر جنگ احد کو موجودہ جنگی حکمت عملی کے تناظر میں دیکھا جائے تو مسلمان نہ صرف اپنے آپ کو شکست سے بچانے میں کامیاب ہوئے بلکہ آخری لمحوں تک میدان جنگ میں رہتے ہوئے اپنے سپہ سالار کی حفاظت کر کے ایک طرح سے کامیاب و کامران واپس لوٹے۔ مسلمانوں کو ختم کرنے میں مشرکین کی کوششیں درج ذیل وجوہات کی بناء پر ناکام ہوئیں:

پہلی وجہ تو یہ تھی کہ قریش ذہنی طور پر مسلمانوں سے کھلے میدان میں جنگ کے لئے تیار نہیں تھے۔ وہ تو اس نیت سے آئے تھے کہ مسلمان کم تعداد کی وجہ سے اپنے آپ کو شہر میں محصور کر چکے ہوں گے اور وہ یہودیوں اور منافقوں کی مدد سے مسلمانوں کا مکمل خاتمہ کر دیں گے۔

مسلمانوں کا مدینہ سے باہر آ کے لڑنا ابوسفیان اور اس کے سپاہیوں کے لئے انتہائی حیران کن تھا۔ اگرچہ تین ہزار سپاہیوں کی فوج کا سامنا کرنے کے لئے صرف سات سو مسلمان باقی رہ گئے تھے اس کے باوجود اپنے غیر متزلزل ایمان کی بدولت مسلمانوں نے صورتحال پر قابو پا لیا اور قریش کو بظاہر پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔

اگر مسلمان حضورﷺ کی ہدایات پر عمل کرتے ؛ اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت سمیٹنے میں نہ

marfat.com

لگتے اور قریش کی عورتیں اپنے مردوں کو بھاگ آنے پر شرمندہ نہ کرتیں تو ہوسکتا ہے ابوسفیان کی فوج مکمل شکست سے دوچار ہو جاتی۔

مسلمانوں کو ختم کرنے میں قریش کے ناکام ہونے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ تاریکی بڑھ گئی اور میدان جنگ میں حاصل ہونے والی سبقت بے سود ثابت ہوئی۔ عرب رواج کے مطابق رات کو جنگ جاری نہیں رکھی جاتی تھی۔

تیسری وجہ قریش کے سپاہیوں میں رابطے کا فقدان تھی۔ انہیں نہ تو اپنے سپاہیوں کی خبر تھی کہ وہ کہاں اور کس جگہ لڑ رہے ہیں اور نہ دشمن کے سپاہیوں کی۔ دوسری طرف حضورﷺ نے رابطے کا ایک مربوط نظام تشکیل دے رکھا تھا۔ آپؐ کو جنگ کے دوران دشمن کی حرکات و سکنات کی لحہ بہ لحہ خبر رہتی تھی۔

ابوسفیان کی ناکامی کی چوتھی وجہ یہ تھی کہ وہ پہاڑ کے دامن سے اپنی فوج کو اس وقت واپس لے گیا جب وہ تھکے ماندے اور زخمی مسلمانوں پر ایک اور بھرپور حملہ کرکے اپنی فتح کو یقینی بنا سکتا تھا۔ احد سے باہر نکل کر جب ابوسفیان روحہ کے مقام پر پہنچا تو اسے اپنی اس غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے فوراً واپس پلٹ کر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ حضورﷺ اس کی نیت بھانپ گئے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا تشکیل کردہ رابطے کا نظام کس قدر منظم تھا۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جنگ کے خاتمے پر بکھرے ہوئے مسلمان پھر اکٹھے ہو گئے اور صفوں کی شکل میں اسی طرح مدینہ میں داخل ہوئے جس طرح جنگ کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ جب مسلمان فوج مدینہ پہنچی تو حضورﷺ کو کافروں کے پلٹنے کی خبر موصول ہوئی۔ حضورﷺ کے ایمان اور ثابت قدمی کا اندازہ لگایئے کہ آپؐ نے اسی وقت مسلمانوں کو شہر سے باہر نکلنے اور جنگ پر تیار ہونے کا حکم دیا۔

جن مسلمانوں نے جنگ میں حصہ لیا تھا بشمول زخمیوں کے دشمن کا سامنا کرنے کے لئے ایک بار پھر تیار ہو گئے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص شدید زخمی ہونے کے باوجود مسلمان فوج سے آملے لیکن مسلمانوں کے طبیب حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت علیؓ کو مکمل آرام کا

marfat.com

مشورہ دیا اور کہا 'اگر علیؓ اس نازک حالت میں جنگ پر نکلا تو مجھے یقین ہے کہ مدینہ کی گلیوں تک پہنچنے سے پہلے ختم ہو جائے گا۔ اس کے زخم کافی گہرے اور کاری ہیں۔'

ابو سفیان کی فوج کو سبق سکھانے کے لئے حضور ﷺ اپنی فوج لے کر حمراء الاسد کے مقام پر جا ٹھہرے اور دشمن کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ ابو سفیان کی نیت روحہ سے پلٹنے کی تھی لیکن مسلمانوں کے اس طرح جنگ پر آمادہ ہونے سے گھبرا گیا اور مکہ واپس لوٹنے کو ترجیح دی۔

جب مسلمانوں کو قریش کے مکہ واپس ہونے کی خبر پہنچی تو وہ اسی طمطراق سے دوبارہ مدینہ لوٹ آئے۔

مسلمانوں کے حمراء الاسد سے کوچ کرنے سے پہلے وحشی جس نے حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کو نیزہ مار کر شہید کیا تھا ابو سفیان کو چھوڑ کر مسلمانوں سے آملا۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت حمزہؓ کو شہید کرنے کا اعتراف کیا (لیکن عام روایت کے مطابق وحشی نے فتح طائف کے بعد اسلام قبول کیا)۔

وحشی کو نہ تو سزا دی گئی اور نہ اس سے کوئی انتقام لیا گیا۔ حضور ﷺ کا عفو و درگزر بے مثل تھا تاہم آپؐ نے وحشی کو دوبارہ اپنے سامنے آنے سے منع کر دیا۔ اس لئے وحشی پھر کبھی حضور ﷺ کے سامنے نہ آیا۔ حضرت حمزہؓ کے خون کے کفارے میں وحشی نے حضور ﷺ کے کئی دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا جس میں مسیلمہ کذاب بھی شامل ہے۔

غزوہ احد دراصل مسلمانوں کے حوصلے کا امتحان تھا لیکن مدینہ کے یہودیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اس جنگ میں مسلمانوں کے نبی کو شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ وہ مسلمانوں کو چھیڑتے اور کہتے کہ اگر ان کا نبیؐ واقعی سچا ہوتا تو اسے شکست کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔

اس موقعہ پر مندرجہ ذیل آیت مبارکہ نازل ہوئی:

> اور بہت نبی ہو چکے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت اللہ والے لڑے ہیں سو نہ تو ہمت ہاری انہوں نے اس مصائب کی وجہ سے جو ان پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئیں اور نہ ان کا زور گھٹا اور نہ وہ دبے اور اللہ تعالیٰ کو ایسے

marfat.com

مستقل مزاجوں سے محبت ہے۔

سورۃ آل عمران ۳:۱۴۶

مندرجہ بالا آیت مبارکہ سے مسلمانوں کے دلوں کو تسلی و تشفی پہنچی اور ان کے حوصلے زندہ ہو گئے۔ تاہم یہودی اپنی ضد پر اڑے رہے اور انہوں نے مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا جال بچھانا شروع کر دیا۔

marfat.com

یہودیوں اور منافقوں کی سازشیں

اپنی تجارت کے اعتبار سے تمام یہودی تین قبیلوں میں منقسم تھے۔ یہ قبیلے ساروں، کاشت کاروں اور دباغوں (رنگ سازوں) پر مشتمل تھے۔ جب حضور ﷺ کو علم ہوا کہ کاشت کاروں کے قبیلوں کی نیت مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ہے، آپؐ نے پیش قدمی کر کے ان کی املاک کا محاصرہ کر لیا۔ اور انہیں میثاق مدینہ کے نظر انداز ہونے سے آگاہ کیا۔ میثاق مدینہ کی روح سے ان کا پرامن شہریوں کے طور پر رہنا اور مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ روابط رکھنا شرط تھا۔

یہودیوں نے جواب دیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ایک جگہ پر نہیں رہیں گے۔ اس پر حضور ﷺ نے انہیں مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا جیسا کہ اس سے پہلے ساروں کے قبیلے کو دے چکے تھے۔ یہودی اس بات پر آمادہ ہو گئے اور آپؐ نے اپنی رحمدلی کے پیش نظر انہیں اور کوئی سزا نہ دی۔ آپؐ نے انہیں جو کچھ وہ لے جانا چاہتے تھے لے جانے دیا۔ یہودی اپنے گھروں کے دروازے اور کھڑکیاں تک اکھاڑ کر لے گئے۔ اب مدینہ میں صرف ایک یہودی قبیلہ باقی تھا۔

سنار قبیلے کے کچھ لوگ جو کافی عرصہ پہلے مدینہ چھوڑ گئے تھے اب مکہ میں آباد ہو چکے تھے۔ کاشت کار یہودیوں کے کچھ لوگ بھی مکہ چلے گئے۔ انہوں نے قریش کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ دونوں یہودی قبیلے جنہوں نے مسلمانوں کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا اب قریش کی حفاظت پر آمادہ ہو چکے تھے۔ اگرچہ وہ یہودی تھے اس کے باوجود وہ خانہ کعبہ میں آئے اور اس عہد کو پورا کرنے کی پرزور قسمیں کھائیں۔

یہودیوں کے بھڑکانے پر قریش نے ہر اس آدمی کے لئے بھاری انعام کا اعلان کر دیا جو کسی مسلمان کو پکڑ کر ان کے حوالے کرے۔ انعام کی رقم اتنی زیادہ تھی کہ کوئی بھی بدو کسی مسلمان کو

marfat.com

ڈھونڈ نکالنے پر کمر باندھ سکتا تھا۔ کچھ بدوؤں نے تو مسلمانوں کو اغواء کرنے کی سازشیں بھی شروع کر دی تھیں۔

اسی دوران مدینہ کے جنوب میں رہنے والے ایک قبیلے نے حضورﷺ سے درخواست کی کہ وہ کچھ مسلمانوں کو ان کے پاس بھیجیں جو انہیں اسلام کی تعلیمات سے بہرہ مند کریں۔ حضورﷺ نے مشہور مبلغ عاصمؓ بن ثابت کی راہنمائی میں دس ارکان پر مشتمل ایک گروہ اس قبیلے کو قرآنی احکامات سکھانے کے لئے بھیجا۔

مسلمانوں کا یہ گروہ متذکرہ قبیلے کی طرف روانہ ہو گیا لیکن راستے میں گھات لگائے بیٹھے کچھ بدوؤں نے انہیں آ گھیرا۔ ان بدوؤں نے مسلمانوں کو زندہ پکڑنے کی کوشش کی لیکن انہیں سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ صرف تین مسلمان پکڑنے میں کامیاب ہو سکے کیونکہ باقی سات ان کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ یہ بدو لٹیرے ان مسلمانوں کو لے کر مکہ چلے گئے تا کہ قریش کے سرداروں سے انعام کا مطالبہ کر سکیں۔

ان تین مسلمانوں میں سے ایک جسے پتہ تھا کہ مکہ پہنچنے پر اسے تشدد یا موت کا سامنا کرنا پڑے گا کسی نہ کسی طرح فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ بدوؤں نے اس کا تعاقب کر کے اسے دوبارہ پکڑ لیا۔ جب اس مسلمان نے مزید مزاحمت کی تو انہوں نے اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ریگستان میں بکھیر دیئے۔ جس جگہ پر اس کے جسم کے ٹکڑے کئے گئے اسے الراجی کہا جاتا ہے۔

ان بدو لٹیروں نے دوسرے دو مسلمانوں کی مشکیں باندھیں اور مکہ لے آئے۔ یہاں آ کر وہ ان مسلمانوں کو قریش کے حوالے کر کے انعام کا مطالبہ کرنے میں کچھ ہچکچانے لگے۔ انہوں نے دیکھا کہ مکہ کے تمام امیر لوگ ان مسلمانوں کو لینے اور تشدد کر کے موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے بے قرار ہیں۔ انہوں نے ان مسلمانوں کو نیلام کر کے زیادہ سے زیادہ رقم حاصل کرنے کا ارادہ کر لیا۔

سفیان بن امیہ نے سب سے چڑھ کر بولی لگائی۔ اس نے ان دو مسلمانوں میں سے ایک

marfat.com

جس کا نام زید بن دثینہ تھا کو خرید لیا۔ جبکہ دوسرے مسلمان کو مکہ کے ایک اور امیر آدمی نے بھاری قیمت کے عوض خرید لیا۔ جب مکہ والوں نے دیکھا کہ دو امیر آدمی ان مسلمانوں کو خرید کر اپنی مرضی کی موت دینے کے لئے لے گئے ہیں تو انہوں نے شدید اعتراض کا مظاہرہ کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ چونکہ مسلمانوں کے ہاتھوں انہیں بھی کئی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اور جنگ بدر میں مالی و جانی نقصان اٹھانا پڑا ہے اس لئے ان مسلمانوں کو تشدد کرنے اور مارنے میں انہیں بھی حصہ ڈالنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ ان کا خیال تھا کہ ان مسلمانوں کو مکہ کے سب سے کھلے میدان میں لے جا کر اذیت دی جائے تا کہ وہ سب اپنے غصے اور نفرت کا برملا اظہار کر سکیں۔

سفیان بن امیہ نے اس تجویز کو پسند کیا اور نسعس نامی ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ زید بن دثینہ کو قتل کرنے کے لئے مکہ کے سب سے بڑے میدان میں لے جائے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اس نے چونکہ اس مسلمان کے لئے بہت بڑی رقم خرچ کی ہے اس لئے وہ اس کا سر نیلامی میں بیچنا چاہتا ہے تا کہ خریدنے والا اس کے سر کو پیالے کے طور پر استعمال کر کے اپنی نفرت کی آگ مستقل بجھاتا رہے۔

قریش نے کسی آدمی کو عاصمؓ بن ثابت کی لاش لینے کے لئے بھی بھیجا جنہیں پہلے ہی شہید کر دیا گیا تھا۔ لیکن جب وہ آدمی عاصم بن ثابت کی لاش کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ شہد کی سنہری مکھیاں نا صرف اسکی لاش سے چپکی ہوئی ہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد مین اوپر منڈلا رہی ہیں۔

یہ آدمی ڈر گیا اور اس نے سوچا کہ رات کے اندھیرے میں جب یہ مکھیاں لاش کو چھوڑ کر چلی جائیں گی وہ سر کاٹ کر لے جائے گا۔

جس طرح مسلمان مورخین نے لکھا ہے کہ شام ہوتے اور اندھیرا چھاتے ہی اس قدر موسلا دھار بارش ہوئی کہ گلیاں سیلاب کا منظر پیش کرنے لگیں۔ پانی کا بہاؤ لاش کو بہا کر کسی نامعلوم مقام پر لے گیا۔

دوسرے مسلمان کو مکہ والے شہر سے باہر ایک جگہ تنعیم پر لے گئے اور سولی پر لٹکا دیا۔ پہلے انہوں نے سولی زمین پر رکھی، مسلمان کو اس پر چت لٹایا اور اس کے ہاتھوں میں میخیں گاڑ دیں۔

marfat.com

شدید درد کے باوجود اس مسلمان کے منہ سے سوائے لا الہ الا اللہ کے اور کچھ نہ نکلا۔

دونوں ہاتھوں میں میخیں گاڑنے کے بعد اس کے دونوں پاؤں کو باندھ کر لمبائی کے رخ میں ٹھونک دیا گیا۔ پھر سولی کو سیدھا کیا گیا اور عورتیں اور بچے اسے سنگسار کرنے لگے۔ اس کے جسم کو تیروں سے چھلنی کر دیا گیا۔ مکہ والوں نے سولی دینے کا یہ طریقہ یہودیوں سے سیکھا تھا اور جب کبھی کوئی مسلمان ان کے ہاتھ لگا انہوں نے اسی طریقہ سے اسے سولی پر لٹکا دیا۔

جون ۶۲۵ء میں ستر آدمیوں پر مشتمل مسلمانوں کا ایک گروہ مدینہ سے ایک صحرائی قبیلے کو اسلام کی تبلیغ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ سن ہجری کے مطابق یہ واقعہ ۳ھ کا ہے۔ ماعونہ نامی ایک کنویں پر کچھ بدوؤں نے ان پر دھاوا بول دیا۔ مسلمانوں کو علم تھا کہ پکڑے جانے کا مطلب خوفناک اور تکلیف دہ موت ہے اس لئے انہوں نے مرتے دم تک مزاحمت کی۔

جس طرح پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ غزدہ احد کے خاتمے پر ابوسفیان نے مسلمانوں کو اگلے سال بدر کے میلے میں لڑائی کا چیلنج دیا تھا۔ بدر کا میلہ سال میں ایک بار ایک ہفتے تک جاری رہتا تھا۔ اگلے سال اپریل ۶۲۶ء میں حضور ﷺ پندرہ سو مسلمانوں کے ساتھ میلے کی جگہ پر پہنچ گئے۔ اس بار فوج میں پچاس گھوڑے شامل تھے۔

حضور ﷺ ابوسفیان کو یہ دکھانا چاہتے تھے کہ مسلمان اس کی طاقت اور جنگی بالا دستی سے مرعوب نہیں ہیں۔ ابوسفیان جو دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ پہنچا تھا لڑائی میں پہل کرنے کی جرات نہ کر سکا۔ وہ یہ بہانہ بنا کر واپس لوٹ گیا کہ خشک سالی کی وجہ سے بدر اور ارد گرد کے علاقوں میں اونٹوں کے چارے کی کمی ہے۔ اس لئے جنگ شروع نہیں کی جا سکتی۔

جنگ سے ابوسفیان کا احتراز مسلمانوں کے لئے سیاسی طور پر فائدے مند ثابت ہوا۔ ہر کوئی جانتا تھا کہ فوجی بالادستی کے باوجود ابوسفیان مسلمانوں کا سامنا کرنے سے گھبرا رہا ہے۔ اس واقعہ سے علاقے میں مسلمانوں کا مزید رعب اور دبدبہ بیٹھ گیا نیز مسلمانوں نے بدر کے میلے میں تجارتی فوائد بھی نسبتاً زیادہ حاصل کر لئے۔

اس کے باوجود قریش نے سیاسی طور پر مدینہ کا محاصرہ کرنے کی کوشش کی۔ قریش مکہ جو

marfat.com

مدینہ کے جنوب میں چار سو کلومیٹر کے فاصلے پر رہتے تھے خیبر کے یہودیوں سے جنگی معاہدہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔خیبر مدینہ کے شمال میں دو سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ایک شہر تھا جس کی آبادی زیادہ تر یہودیوں پر مشتمل تھی۔قریش نے نا صرف خیبر کے یہودیوں سے معاہدہ کیا بلکہ بنو فزارہ اور غطفان کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی کوششیں کیں۔

یہ دونوں قبیلے مدینہ کے شمالی صحراؤں میں آباد تھے۔خیبر کے یہودیوں نے ان قبیلوں کے ساتھ قریش کی بات چیت بڑھائی۔معاہدہ اس شرط پر قرار پایا کہ قریش کھجور کی ساری پیداوار ان قبیلوں کو دیں گے اور وہ مسلمانوں کے خلاف قریش اور یہودیوں کا ساتھ دینے پر پابند ہوں گے۔دونوں قبیلوں نے یہ پیش کش قبول کر لی۔

marfat.com

مدینہ سے معاشی مقاطعہ

مدینہ کے مشرق میں بنو سالم نامی قبیلہ آباد تھا جو قریش کا ساتھ دینے پر آمادہ تھا۔ دو دوسرے قبیلے کنانہ اور ثقافی بھی قریش کے ساتھ مل چکے تھے۔ اس طرح مدینہ سیاسی طور پر غیر اسلامی قوتوں کے نرغے میں تھا۔ جلد ہی یہ سیاسی نرغہ معاشی مقاطعہ کی شکل اختیار کر گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدینے کے قافلے نہ تو شمال کی طرف جا سکتے تھے اور نہ مشرق یا جنوب کی طرف۔ شمال میں بنو فزارہ اور غطفان تھے اور جنوب میں قریش کنانہ اور ثقافی جبکہ مشرق میں بنو سالم۔ ان کے علاوہ دومتہ الجندل میں آباد ایک اور قبیلہ جس کی رسائی شام کی سرحدوں تک تھی اور جو مسلمان قافلوں کو شام اور بین النہرین سے گزرنے میں مدد دیتا تھا مسلمانوں کے خلاف قریش سے روابط بڑھانے لگا۔ شام جانے والے تمام تجارتی قافلے اس شہر سے گزرنے پر مجبور تھے۔ اس شہر کے حاکم نے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ آئندہ ان کے قافلوں کو اس علاقے سے گزرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ مسلمان ہر طرف سے دشمنوں میں گھر چکے تھے۔

اگرچہ مدینہ زرعی طور پر خود کفیل تھا کیونکہ سالانہ بارشیں کافی ہو جاتی تھیں اس کے باوجود مدینہ کے شہری صرف گھریلو ذرائع سے اپنی ضروریات پوری نہیں کر سکتے تھے۔ عام طور پر انہیں شام اور بین النہرین کے علاقوں سے اپنی اشیاء درآمد و برآمد کرنی پڑتی تھیں۔

مدینہ کا سیاسی اور معاشی محاصرہ کرنے کے بعد دیگر قبائل اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی مدد سے قریش نے حضور ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف ایک اور سازش تیار کی۔ انہوں نے حضور ﷺ کو مدینہ سے باہر لے جانے کا منصوبہ بنایا۔ ان کا خیال تھا کہ حضور ﷺ کی غیر موجودگی میں مسلمان اپنا دفاع نہیں کر پائیں گے۔ وہ حضور ﷺ کی غیر موجودگی میں مسلمانوں پر جھپٹنا چاہتے تھے۔

marfat.com

بحیرہ احمر کے ساحلوں کے قریب بنو مصطلق نامی ایک قبیلہ آباد تھا جس کے سردار کا نام حارث تھا۔ قریش نے اس قبیلے کو مسلمانوں پر حملہ کرنے پر اکسایا۔ جب حضورﷺ کو اپنے خاص ذرائع سے بنو مصطلق کے مسلمانوں پر حملے کی اطلاع پہنچی تو آپؐ نے اس قبیلے کے خلاف کوئی عملی قدم اٹھانے کا فیصلہ کرلیا۔ مدینہ سے روانگی کے وقت حضورﷺ نے عبداللہ بن ابی کو مسلمانوں کے ایک مختصر سے دستے کی قیادت کرنے اور سفر پر ساتھ جانے کی تجویز پیش کی۔ عبداللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار تھا اور کسی نہ کسی طرح سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے درپے تھے اس پیشکش کو رد نہ کرسکا۔ ایک چھوٹے سے فوجی دستے کی قیادت کے بہانے حضورﷺ عبداللہ بن ابی کو میدان جنگ میں لے آئے۔ جس کے بعد منافقوں کا کوئی سردار پیچھے باقی نہ رہا۔ اس طرح قریش اور یہودیوں کا حضورﷺ کی غیر موجودگی میں مسلمانوں پر حملہ کرنے کا منصوبہ عملی شکل اختیار نہ کرسکا۔ انہیں منافقوں کی مدد کا کوئی اعتبار نہیں تھا۔ اس سفر میں مسلمانوں کی تعداد کافی مختصر تھی جبکہ بنو مصطلق کی فوج دو سو سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ دونوں فوجیں مدینہ کے مغربی جانب آٹھ میل کے فاصلے پر ایک دوسرے کے مدمقابل آئیں۔ اگرچہ بنو مصطلق کے سپاہیوں کی تعداد مسلمانوں سے سات گنا زیادہ تھی اس کے باوجود مسلمانوں نے ان کے دس سپاہی مار گرائے۔ نتیجتاً سارے قبیلے نے مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ اس غزوہ میں صرف ایک مسلمان شہید ہوا۔ تاریخ میں اس غزوہ کو غزوہ مریزی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

مسلمانوں کا سامنا کرنے سے پہلے یہ قبیلہ قریش سے وابستہ تھا۔ یہ بھی حربی کافر تھے۔ حربی کافر وہ لوگ تھے جو جان بوجھ کر اسلام کے خلاف نبرد آزما ہوئے۔ اس قبیلے کی تمام عورتیں اور مرد جن میں ان کا سردار بھی شامل تھا غلام بنا لئے گئے۔ رواج کے مطابق تمام قیدی مسلمانوں میں تقسیم کردیئے گئے۔ قبیلے کے سردار کی بیٹی برّہ حضورﷺ کے حصے میں آئی۔ وہ ایک بیوہ خاتون تھی۔ اسیری کے بعد وہ حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی، 'میں نے سنا ہے کہ تم اللہ کے نبیؐ اور ایمان دار آدمی ہو۔ اب جبکہ میں تمہاری غلام ہوں کوئی ایسا راستہ بتاؤ جس سے میں پھر آزاد ہو جاؤں۔'

marfat.com

حضورﷺ نے ارشاد فرمایا' ہم نے تمھیں زبردستی قید نہیں کیا۔ یہ تمھارے باپ کی ہمارے ساتھ مخاصمت کا نتیجہ ہے۔ اگر تمھارا باپ ہم سے دشمنی مول نہ لیتا اور حملہ کرنے کی غلطی نہ کرتا تو نہ خود قید ہوتا نہ تم میں سے کوئی اور'۔

برّہ بے بسی سے رونے لگی۔ اس نے کہا کہ وہ زندگی میں کبھی کسی کی غلام نہیں بنی اور یہ کہ اس نے نہ کبھی غلاموں والا کوئی کام کیا ہے اور نہ ہی کر سکتی ہے۔ یہ سنتے ہی حضورﷺ گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ اسے مخاطب کرتے ہوئے آپؐ نے پوچھا' نبی کی بیوی بننا پسند کرو گی؟'

قریب کھڑے لوگ یہ سن کر حیران رہ گئے۔ انہیں اس شادی کی کوئی وجہ سمجھ نہ آئی۔ وہ رضامند ہو گئی اور شادی کے وقت اس کا نام برّہ سے بدل کر جویریہ رکھ دیا گیا۔

اس شادی کے بعد مسلمانوں کو احساس ہوا کہ حضرت جویریہؓ کے باپ حضورﷺ کے سسر سمجھے جائیں گے اس لئے ان کو قید رکھنا کوئی اچھی بات نہیں۔ اس طرح حارث کے حضورﷺ کے سسر ہونے کے لحاظ سے اس کے مالک نے اسے آزاد کرنے کا اعلان کر دیا۔ عرب میں کسی قبیلے کے تمام لوگ آپس میں خون کے رشتہ میں بندھے ہوتے ہیں اور اس طرح ایک خاندان کی شکل میں رہتے ہیں چنانچہ وہ تمام لوگ جو مسلمانوں نے قید کر رکھے تھے حضرت جویریہؓ کے رشتے کی وجہ سے حضورﷺ کے رشتہ دار سمجھے جانے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آہستہ آہستہ بنو مصطلق کے تمام لوگ آزاد ہو گئے۔ جب بنو مصطلق نے مسلمانوں کی یہ مہربانی اور دریا دلی دیکھی تو سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ یہ وہی قبیلہ ہے جس کے لوگوں نے بعد میں دوسری اسلامی جنگوں میں بہادری کے حیران کن جوہر دکھائے۔

جب اس قبیلے کے تمام مرد و زن نے اسلام قبول کر لیا تب عام مسلمانوں کو حضورﷺ کی شادی کی حکمت سمجھ آئی۔ کیونکہ اس تعلق کے ذریعے حضورﷺ نے سارے مشرک قبیلے کو مسلمان کر لیا۔

عبداللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار تھا اس جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ وہ مسلمانوں میں افواہیں پھیلانے سے باز نہ رہ سکا۔ وہ مہاجروں کے پاس گیا اور انہیں ایک طرف لے جا کر

marfat.com

کہنے لگا، 'تم نے دیکھا اللہ کے نبیؐ نے کس طرح تمھیں تمھارے حق سے محروم کر دیا۔' پھر بولا 'بھائیو تم نے اپنے گھروں کو چھوڑا، مشکل سے یہاں پہنچے، سفر کی سختیاں برداشت کیں اور اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالا۔ تمھیں مال غنیمت کی توقع تھی لیکن جنگ کے بعد نبیؐ قبیلے کے سردار سے رشتے داری کر بیٹھا اور تمھیں سارے قیدی چھوڑنے پڑے۔ مدینہ واپس پہنچنے تک تم خالی ہاتھ رہ جاؤ گے اور تمھارے خلوص کا تمھیں کوئی صلہ نہیں ملے گا۔' پھر وہ انصار کے پاس گیا اور ہمدردانہ لہجے میں بولا، 'اس بار تمھیں اس خطرناک سفر میں نقصان ہی نقصان اٹھانا پڑا۔ میں تو کہوں گا تمھیں دھوکہ دیا گیا ہے۔' انصار نے انتہائی حیران ہو کر پوچھا 'دھوکہ؟ وہ کیسے؟' عبداللہ بن ابی کہنے لگا 'تمھیں مال غنیمت سے محروم کر دیا۔ یہ دھوکہ نہیں تو اور کیا ہے۔ تم بھلا اپنے قیدیوں کو کیوں چھوڑتے۔ میری تو سمجھ سے باہر ہے۔ انہیں حاصل کرنے کے لئے تم نے اپنے آپ کو خطرے میں نہیں ڈالا تھا؟ اگر نبیؐ کا حارث سے کوئی رشتہ بن گیا ہے تو اس سے تمھارا کیا تعلق؟ تمھیں مال غنیمت سے کیوں محروم ہونا پڑے؟'

انصار نے جواب دیا کہ حضرت جویریہؓ سے حضور ﷺ کے رشتے کے باعث اسلام کو مزید پھیلنے کا موقع ملا اور یہ کہ ایک اور قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ اس لئے انہیں تو مال غنیمت سے محروم ہونے کا کوئی گلہ نہیں ہے۔ وہ تو دنیاوی فائدوں کے لئے لڑے ہی نہیں۔ وہ تو اسلام کے لئے لڑے ہیں۔ اگر مال غنیمت چھوڑنے سے اسلام کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو انہیں نقصان کی کیا پرواہ۔

جب عبداللہ بن ابی کو اپنی سازشیں ناکام ہوتی نظر آئیں تو اس نے انصار اور مہاجرین میں پھوٹ ڈالنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ وہ مہاجروں کے پاس جاتا اور اپنی دوغلی گفتگو سے ان میں تفرقے کے بیج بوتا۔ ممکن ہے ان سازشوں سے مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جاتی لیکن عبداللہ بن ابی کے نوجوان لڑکے نے حضور ﷺ کو تمام معاملات سے آگاہ کر دیا۔ اور کہا کہ اگر فی الفور کوئی تدبیر نہ کی گئی تو مسلمان ایک دوسرے سے لڑ پڑیں گے۔ اپنی سیاسی بصیرت اور موثر گفتگو سے حضور ﷺ نے اس قضیے کو بہت حد تک رفع کر دیا اور مسلمانوں کو فوراً مدینہ واپسی کا حکم دیا۔ مزید

marfat.com

برآں آپؐ نے حکم دیا کہ سفر کی رفتار تیز سے تیز تر رکھی جائے۔ کیونکہ آپؐ کو علم تھا کہ فراغت آدمی کو فضول سوچوں اور بے معنی محسوسات میں ڈال دیتی ہے۔

راستے میں عبداللہ بن ابی کا بیٹا حضورﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا 'یا رسولؐ اللہ! جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ میرا باپ آپؐ اور مسلمانوں کے درمیان نزاع پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ خدانخواستہ آپؐ کو ختم کر سکے۔ اس نے آپؐ کی زندگی سے کھیلنے کی کوشش بھی کی ہے۔ میری مانیں تو اسے موت کے گھاٹ اتار دیں۔ میں خود یہ کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اگرچہ وہ میرا باپ ہے لیکن میں اس کا سر قلم کر کے آپؐ کے قدموں میں ڈال دینا چاہتا ہوں۔ آپؐ جو کہیں میں کرنے کے لئے تیار ہوں'۔ حضورﷺ نے جواب دیا کہ نہ تو وہ اسے اپنے باپ کو مارنے کا حکم دیتے ہیں اور نہ کسی اور ذریعے سے اس کی موت کا بندوبست کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ آپؐ کی خواہش تو یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی مسلمانوں کے درمیان زندگی بسر کرتا رہے۔ شاید کسی دن اللہ اسے سیدھا راستہ دکھا دے۔ حضورﷺ نے اپنے دشمنوں سے کبھی انتقام نہیں لیا تھا۔ یہاں بھی آپؐ نے انتہائی شفقت اور درگزر سے کام لیا۔

حضورﷺ کی عادت تھی کہ سفر میں اپنی ایک بیوی ساتھ لے جاتے تھے۔ اس بار سفر پر جانے کی باری حضرت عائشہؓ کی تھی۔ آپؓ اونٹ پر سوار ہوئیں اور مسلمان قافلے کے ہمراہ محاذ تک پہنچ گئیں۔ محاذ سے مدینہ واپسی کے دوران حضرت عائشہؓ کسی ضرورت کے تحت اونٹ سے نیچے اتریں لیکن جب واپس آئیں تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ قافلہ کوچ کر چکا ہے۔ چونکہ حضرت عائشہؓ کے ہودے کا پردہ گرا ہوا تھا اس لئے لوگوں نے سمجھا کہ شاید وہ اندر سو رہی ہیں اور وہ اونٹ لے کر آگے بڑھ گئے۔

جب حضرت عائشہؓ نے دیکھا کہ قافلے والے جا چکے ہیں اور وہ تنہا رہ گئی ہیں تو وہ گھبرا گئیں اور مدد کے لئے ادھر اُدھر بھاگنا اور پکارنا شروع کر دیا۔ آخر کار وہ تھک کر بیٹھ گئیں اور ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگیں 'یا اللہ! کسی طرح مجھے اس پریشانی سے نکال'۔

marfat.com

کچھ دیر بعد تیز رفتار اونٹ پر سوار ایک نوجوان وہاں پہنچا۔ اس کا نام صفوان بن معطل سہمی تھا صفوان اسلامی قافلے کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ اس کی ذمہ داری تھی کہ وہ گری پڑی چیزوں کو اٹھا کر مالکوں تک پہنچا دے۔ جب صفوان وہاں پہنچا تو اس نے حضرت عائشہؓ کو وہاں بیٹھے دیکھ کر پہچان لیا اور پوچھا 'اے ام المومنین! آپؓ یہاں اکیلی بیٹھی رو کیوں رہی ہیں؟' حضرت عائشہؓ نے قافلے سے بچھڑنے کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ صفوان نے آپؓ کو اپنے اونٹ پر سوار کیا اور خود مہار تھامے پا پیادہ مدینہ کی جانب چل دیا۔ حضرت عائشہؓ اور صفوان قافلے کے ایک دن بعد مدینہ پہنچے۔

جب عبداللہ بن ابی کو خبر ہوئی کہ صفوان حضرت عائشہؓ کو لے کر مدینہ پہنچا ہے تو اس نے سوچا کہ حضورﷺ کے وقار کو مجروح کرنے کا یہ اچھا موقع ہے۔ کچھ دوسرے آدمی بھی اس کے ساتھ مل گئے جن میں حضورﷺ کے مدح خوان حضرت حسانؓ بن ثابت اور حضرت عائشہؓ کے ایک رشتہ دار مسطح بن اثاثہ بھی شامل تھے۔

عبداللہ بن ابی اور اس کے گروہ نے حضرت عائشہؓ اور صفوان بن معطل کے بارے میں تہمتیں اور بہتان تراشنا شروع کر دیئے۔ یہودی جو پہلے ہی مسلمانوں کے خلاف کھول رہے تھے اس واقعہ کو ہوا دینے لگے یہاں تک کہ ان کے ایک شاعر نے اسے اس قدر مبالغہ آمیزی سے بیان کیا کہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ حضورﷺ کی بھی انتہائی زیادہ دل آزاری ہوئی۔

مسلمان مورخین نے لکھا ہے کہ یہ صورتحال تقریباً ایک مہینہ تک برقرار رہی۔ دریں اثناء حضرت عائشہؓ کو انتہائی کرب اور اذیت سے گزرنا پڑا۔ ایک دن تو حضورﷺ خود ان کے پاس آئے اور فرمایا 'تمھیں پتہ ہے لوگ کیسی باتیں بنا رہے ہیں؟' حضرت عائشہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور وہ انتہائی مشکل سے صرف اتنا کہہ پائیں، 'یا رسولؐ اللہ! میرے بارے میں جو کچھ بھی کہا جا رہا ہے سب جھوٹ اور غلط ہے۔ اللہ کی قسم میں نے کچھ نہیں کیا۔' اسی لمحے ان کی معصومیت اور پاکبازی کی تصدیق کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔

جن لوگوں نے یہ طوفان (حضرت صدیقہؓ کی نسبت) برپا کیا ہے (اے

marfat.com

مسلمانو) وہ تمھارے میں کاایک (چھوٹا سا) گروہ ہے تم اس (طوفان بندی) کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو (بلکہ یہ باعتبار انجام کے) تمھارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے۔ان میں سے ہر شخص کو جتنا کسی نے کچھ کیا تھا گناہ ہوااوران میں جس نے اس (طوفان) میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کو سخت سزا ہو گی۔ (آگے ان قاذفین مومنین کو ناصحانہ ملامت ہے) جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ گمان نیک کیوں نہ کیا۔ اور (زبان سے) یوں کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے (آگے اس حسن ظن کے وجوب کی وجہ ہے ارشاد ہے) یہ (قاذف) لوگ اس (اپنے قول) پر چار گواہ کیوں نہ لائے ۔سو جس صورت میں یہ لوگ (موافق قاعدہ کے) گواہ نہیں لائے تو بس اللہ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں۔

سورۃ نور ۱۳-۱۱:۲۴

اسلام میں اگر کسی مرد یا عورت پر بدکاری کا الزام لگایا جائے تو قرآن پاک کے حکم کے مطابق چار گواہ جنہوں نے سب کچھ ہوتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو پیش کرنا انتہائی ضروری ہے۔اگر وہ آدمی اپنے الزام کو ثابت کرنے کے لئے چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اس پر تہمت لگانے کی سزا عائد ہوتی ہے۔

اس طرح مندرجہ بالا آیات کے نازل ہونے سے مسلمانوں کو اطمینان نصیب ہوا۔دوسری طرف عبداللہ بن ابی جو اپنے آپ کو اس سازش میں کامیاب سمجھ رہا تھا اپنا بھرم کھو بیٹھا اور اس کی مسلمانوں اور حضورﷺ کو ستانے کی کوشش ہمیشہ کے لئے ناکام ہو گئی۔

marfat.com

غزوہ خندق

مسلمانوں کے ایک گروہ سے جو قریش کی حرکات و سکنات پر نظر رکھنے کے لئے مقرر کئے گئے تھے، حضورﷺ کو پتہ چلا کہ قریش دس ہزار سپاہیوں کی فوج لے کر مسلمانوں کو مٹانے کا عزم کئے ہوئے نکل پڑے ہیں۔ آپؐ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ آپؐ کے مدینہ سے باہر جانے کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ یہودیوں اور منافقوں کی مدد سے آپؐ کی غیر موجودگی میں حملہ کر سکیں۔

ان کا خیال تھا کہ حضورﷺ سرحدی علاقے دومتہ الجندل پر حملہ کرنے جائیں گے جہاں کے لوگ خیبر کے یہودیوں، مکہ کے قریشیوں اور شامیوں سے تہرا اتحاد کر چکے تھے۔ یہ لوگ شام اور بین النہرین سے گزرنے والے مدنی قافلوں کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے اور معاشی محاصرے کی کوشش کرتے۔

ان کی جنگی تیاریوں کے باوجود حضورﷺ نے دومتہ الجندل جا کر مدنی قافلوں کے لئے تجارتی راستوں کو حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپؐ یہ مقصد پہلے تو گفت و شنید سے حاصل کرنا چاہتے تھے دوسری صورت میں بذریعہ جنگ۔

حضورﷺ نے دو وجوہات کی بناء پر مدینہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ ایک تو یہ کہ مدینہ سے دومتہ الجندل کا فاصلہ اتنا زیادہ نہیں تھا۔ دوسری یہ کہ مسلمان پیغام رساں آپؐ کو مطلع کر چکے تھے کہ مکہ والوں کی تیاری ابھی مکمل نہیں۔ اس لئے حضورﷺ ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ مدینہ سے نکل آئے۔ راستے میں غطفان کے علاقے سے گزرتے ہوئے آپؐ اس کے سردار سے گفت و شنید کرنے لگے۔ آپؐ نے اسے جنگ کے دوران غیر جانبدار رہنے کے قول کی یاددہانی کرائی۔

marfat.com

عسفان کے سردار نے صاف صاف اقرار کیا کہ وہ مکہ کے قریشیوں اور خیبر کے یہودیوں سے اتحاد کر چکا ہے۔ اس لئے کہ اس کے بدلے میں اسے یہودیوں سے کھجوروں کی پیداوار ملنے کی توقع تھی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر مسلمان زیادہ کھجوروں کی پیشکش کریں تو وہ غیر جانبدار رہنے کے لئے تیار ہے۔ گفت وشنید کے درمیان اس نے مزید کہا 'اے محمدؐ! میرے پاس وقت تھوڑا رہ گیا ہے۔ میں اپنے آدمی لے کر قریش سے ملنے جا رہا ہوں کیونکہ وہ عنقریب مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔' اس بیان کی تصدیق بہت جلد ہوگئی۔ حضورﷺ نے فوراً مدینہ واپسی کا فیصلہ کر لیا۔ یہودی اور منافق حیران تھے کہ حضورﷺ تو کبھی کسی جنگی مہم پر جاتے ہوئے راستے سے واپس نہیں لوٹے۔ آپؐ کی واپسی کے بعد خزاعہ قبیلے کے کچھ لوگوں نے آکر یہ اطلاع دی کہ قریش مدینہ روانہ ہو چکے ہیں۔ اطلاع دینے والے خود چار دنوں میں مدینہ پہنچ گئے تھے کیونکہ وہ اس خبر کو جلد از جلد پہنچانا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے دن رات سفر کیا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ قریش کے دس ہزار سپاہی سرتاپا اسلحے سے لیس ہیں۔ قریش نے تہیہ کر رکھا ہے کہ اسلام کو مٹائے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔

اس خبر کے ملتے ہی حضورﷺ نے مسلمانوں کو بغیر کسی تاخیر کے جنگ کی تیاری شروع کرنے کا حکم دیا۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ دشمن کی بھاری تعداد کو سامنے رکھتے ہوئے اس بار دفاعی حکمت عملی اپنانا پڑے گی۔ دشمن کا مقابلہ کرنے کی یہ دفاعی حکمت عملی شہر کے گرد ایک بہت بڑی خندق کھودنے پر منحصر تھی۔ یہ جنگ جو ۶۲۷ء میں لڑی گئی غزوہ خندق کے نام سے مشہور ہے۔ چونکہ بہت سے گروہ اور قبیلے مسلمانوں کے خلاف اکٹھے ہو چکے تھے اس لئے اس غزوہ کو غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں۔

شہر کے گرد خندق کھود کر لڑنے کا تصور بھی عربوں کے لئے اتنا ہی اجنبی تھا جتنا جنگ بدر اور احد میں میمنہ اور میسرہ بنا کر لڑنے کی تدبیر۔ خندق کھودنے کا مشورہ حضرت سلمانؓ فارسی نے دیا تھا۔ آپؓ نے حضورﷺ کو بتایا تھا کہ فارس میں کسی شہر یا قلعے کا دفاع کرنے کے لئے اس کے گرد خندق کھودنا ایک عام بات ہے۔ خندق کی گہرائی اور چوڑائی اتنی زیادہ ہونی چاہئے کہ کوئی سپاہی یا

marfat.com

گھوڑا اسے عبور نہ کر سکے۔ حضرت سلمانؓ فارسی دراز قد اور کشادہ سینے والے ایک تنومند آدمی تھے۔ آپؓ نے جانی اور مالی ہر دو لحاظ سے اسلام کی مدد کی۔ آپؓ کی تجویز کو حضور ﷺ نے فوراً پسند فرمایا۔ خندق کھودتے ہوئے حضور ﷺ نے مدینے کے اردگرد اگی ہوئی فصلیں اور باغات بھی خندق میں شامل کرنے کا حکم دیا تاکہ مدینہ پہنچ کر دشمن انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ ایسی ہی جنگی حکمت عملی دوسری جنگ عظیم میں روسیوں نے جرمنوں کے خلاف اپنائی تھی۔ روسیوں نے جرمنوں کے راستے میں آنی والی ہر فصل کو اجاڑ کر رکھ دیا تاکہ دشمن کے کسی کام نہ آسکے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے حضور ﷺ نے یہی حکمت عملی اپنائی اور تمام زرعی پیداوار مدینہ میں منتقل کر لی۔ بعد میں مکہ والوں کی فوج سہولیات کے نہ ہونے کی وجہ سے کھانے کی کمی کا بری طرح شکار ہوئی۔

تمام مرد اور عورتیں یہاں تک کہ بچے اور بچیاں جو تھوڑا بہت بھی پھاؤڑا یا بیلچہ اٹھا سکتے تھے خندق کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ یہ خندق مدینہ کے شمال مغرب اور مغرب میں تو بہت اچھی طرح کھود لی گئی تھی لیکن جنوب کے کچھ حصوں میں خندق کی کھدائی اچھی طرح نہیں ہو سکی تھی۔ مدینہ کے شمال سے شروع ہو کر یہ خندق وادی قبا کے گردونواح تک چلی جاتی تھی۔ خندق کی کھدائی میں یہ احتیاط بھی برتی گئی تھی کہ قدرتی سہولتیں ہر ممکن حد تک شہر میں موجود رہیں تاکہ لوگ جنگ کے دوران انہیں اپنی حفاظت اور فائدے کے لئے استعمال کر سکیں۔ مدینہ کی پیائش ذراع پر مبنی تھی۔ ایک ذراع ہاتھ سے لیکر کہنی تک کی لمبائی شمار ہوتا ہے یعنی مدینہ کا ایک ذراع آج کی پیائش کے تقریباً آدھے میٹر کے برابر ہے۔

کھدائی کے لئے حضور ﷺ نے ہر مسلمان کے ذمہ چالیس ذراع خندق کھودنے کا کام مقرر کیا یعنی تقریباً بیس میٹر۔ خندق کی مجموعی لمبائی تقریباً چار ہزار ذراع تھی یعنی تقریباً دو کلومیٹر۔ خندق کی گہرائی تقریباً پانچ ذراع یعنی ڈھائی میٹر اور چوڑائی تقریباً چھ ذراع یعنی تین میٹر تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خندق کافی گہری اور کشادہ تھی۔ نیز اس کی دیواریں اچھی خاصی عمودی شکل میں تھیں۔ اگر اسکی چوڑائی کم ہوتی تو گھڑ سوار اسے آسانی سے عبور کر لیتے۔ اسی طرح اگر اس کی دیواریں عمودی نہ ہوتیں تو سپاہی شہر تک پہنچنے کے لئے انہیں آسانی سے چڑھ لیتے۔

marfat.com

شہر کے گرد دو کلو میٹر لمبی خندق کھودنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ہر کسی نے دن رات کام کیا۔

کچھ مسلمان کھدائی کے دوران باری باری نگرانی کا فرض بھی انجام دیتے رہے۔ حضورﷺ خود اس کھدائی میں دن رات شامل رہے۔ وہ کبھی بیلچے سے مٹی نکالتے اور کبھی وہ مٹی کسی دوسری جگہ پھینکنے جاتے۔ جذبہ اسلام کا یہ حال تھا کہ اگر مٹی اٹھانے کے لئے بوریوں کی کمی ہو جاتی تو حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ مٹی اپنی جھولیوں میں اٹھا لے جاتے۔ یہ خندق شیخین سے لے کر مغربی ہرہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ مدینہ کے مشرق، شمال مشرق اور جنوب مشرق کی جانب خندق نہیں کھودی گئی تھی۔ ان اطراف میں دشمن کو روکنے کے لئے اور بہت سی رکاوٹیں موجود تھیں۔ باغیچے اور بل کھاتی ہوئی گلیاں دشمن کو اس راستہ پر آنے سے روک سکتی تھیں۔ مزید برآں اس طرف سے آنے پر اونچی جگہوں پر بیٹھے ہوئے مسلمان تیر انداز دشمن کا بآسانی نشانہ لے سکتے تھے۔

خندق کی کھدائی کے دوران حضورﷺ نے لوگوں کو رجزیہ شاعری پڑھنے کی اجازت تک دے دی۔ شاعروں نے مسلمانوں میں حوصلہ اور جذبہ پیدا کرنے کے لئے بڑی جذباتی اور ہمت افروز شاعری لکھی۔

خندق کی کھدائی کے دوران مسلمانوں میں قربانی کا عظیم جذبہ دیکھنے میں آیا۔ جب ایک گروہ اپنا کام مکمل کر لیتا تو آرام کرنے کی بجائے دوسرے گروہ کی مدد کرنے لگ جاتا۔ ایسی اجتماعی لگن، تعاون اور ہمت کی مثال پرانے زمانے میں شاید ہی کہیں نظر آتی ہو۔ موجودہ زمانے میں ایسی مثال لینن گراڈ کے لوگوں نے ضرور پیش کی ہے جو دوسری جنگ عظیم کے دوران بلا امتیاز عمر و جنس اپنے شہر کو دشمن سے بچانے کے لئے اس کے گرد خندق کھودنے گھروں سے نکل آئے۔

مکہ کی فوج اس وقت مدینہ پہنچی جب مسلمان خندق مکمل کر چکے تھے اور شہر کی حفاظت کے لئے اسلحہ لے کر تیار بیٹھے تھے۔ جنوب میں واقع پہاڑی سلسلہ دشمن کو مدینہ کی طرف پیش قدمی سے روک رہا تھا۔ مکی فوج نے مدینہ کے گرد چکر لگا کر پہاڑ کے دامن سے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ابو سفیان جو مکی فوج کی قیادت کر رہا تھا مسلمانوں کو پہاڑ کے دامن میں پانے کی توقع میں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنے دس ہزار سپاہیوں سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دے گا۔ بنو فزارہ، بنو غطفان،

marfat.com

کنعانہ، احابیش، تہامہ کے قبیلے ابو سفیان کے ساتھ تھے۔ ابو سفیان کو یقین تھا کہ اگر اس نے مسلمانوں کا گھیراؤ کر لیا تو ایک ہی حملے میں انہیں شکست سے دوچار کر دے گا۔ جب اس نے متوقع جگہ پر مسلمان فوج نہ دیکھی تو اپنے سپاہیوں کو مدینہ پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔

جب قریش کے سپاہی اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے مدینہ کی طرف بڑھ رہے تھے اچانک اپنے سامنے خندق پا کر انہیں رکنا پڑا۔ انہوں نے حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ خندق کسی شہر کی فصیل کا کام دے سکتی ہے۔

جب ابو سفیان نے خندق کو دیکھا تو اپنے سپاہیوں کی طرح وہ بھی حیران ہوا۔ اسے یہ کھائی عبور کرنا انتہائی دشوار لگا۔ اگر مکی فوج کی قیادت کوئی رومی یا فارسی سپہ سالار کر رہا ہوتا تو بالکل حیران نہ ہوتا۔ ابو سفیان پیشے کے اعتبار سے تاجر تھا اور مکہ والے اس دفاعی تدبیر سے نابلد تھے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دس ہزار سپاہی اس خندق کے سامنے بے بس نظر آنے لگے۔ انہیں یہ کام اس قدر مشکل نظر آ رہا تھا کہ اپنے سپہ سالار کے حکم کے بغیر ہی وہ اس کے قریب خیمے لگانے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ مدینہ کا محاصرہ کر لینا بہتر ہے شاید کبھی مسلمان مجبور ہو کر شہر سے باہر نکل آئیں۔

اس وقت مسلمانوں اور مکہ کی فوج کے درمیان صرف ایک خندق حائل تھی۔ وہ ایک دوسرے کو بآسانی دیکھ اور سن سکتے تھے۔ مکہ کے سپاہی مسلمانوں کو چھیڑنے اور بھڑکانے کی کوشش کرتے، 'تم عرب نہیں ہو سکتے۔ اگر عرب ہوتے تو اپنے آپ کو اس طرح کھائی کے پیچھے نہ چھپاتے۔ کبھی سنا ہمارے کسی باپ دادا نے ایسا کیا ہو؟ اگر عرب ہو تو تلوار نکال کر سامنے آؤ' مسلمان یہ الفاظ سنتے اور چپ رہتے۔ انہیں معلوم تھا کہ ان الفاظ کی کوئی حقیقت نہیں تاہم وہ ہر لمحے چوکس رہتے کہ کہیں کوئی موقع پا کر قریش اس خندق کو عبور نہ کر لیں۔

جب مکی فوج مدینہ پہنچی تو موسم کسی حد تک سرد ہو چکا تھا۔ جو مسلمان نگرانی نہیں کر رہے تھے انہیں اپنے گھر جانے کی اجازت تھی۔ لیکن حضور ﷺ ساری رات پہرہ دیتے رہتے۔

دونوں فوجوں کے درمیان حائل خندق کی وجہ سے سپاہی دست بدست لڑائی نہیں کر سکتے تھے۔ جنگ کی صورتحال دونوں جانب سے تیروں کی بوچھاڑ تک منحصر تھی۔ ایک دوسرے کے

marfat.com

خلاف ہجویہ شاعری بھی پڑھی جاتی۔

تیروں کی بوچھاڑ اور ہجویہ شاعری کے ساتھ ساتھ لین دین بھی جاری تھا۔ ایک دن مسلمانوں نے بنو غطفان سے کہا کہ اگر وہ مکہ والوں کو چھوڑ کر مسلمانوں سے مل جائیں تو انہیں کھجور کی ساری پیداوار دے دی جائے گی۔ جنگ کے دوران ایسی سودے بازی ذرا عجیب سی لگتی ہے کیونکہ ایسے کام رازداری سے سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ لیکن عرب اپنے اعمال اور الفاظ میں اتنے محتاط واقع نہیں ہوئے تھے۔

دن گزرتے گئے اور مکی فوج خندق عبور کر کے مدینہ میں داخل نہ ہو سکی۔ ان حالات میں ابو سفیان نے یہودیوں سے گفت وشنید کرنے اور پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ مدینہ میں رہنے والے تین یہودی قبیلوں میں سے اب صرف بنو قریضہ باقی بچے تھے۔

ابو سفیان اگرچہ خندق عبور نہ کر سکا پھر بھی یہودیوں کے ساتھ بات چیت کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ حضورﷺ کو اپنے ذرائع سے اس بات کی فوراً خبر ہو گئی۔ حضورﷺ نے اسی وقت دو سفیر یہودیوں کے پاس اس یاد دہانی کے لئے بھیجے کہ میثاق مدینہ کی رو سے یہودی نہ تو خود مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھائیں گے اور نہ کسی غیر مسلم قوت کا ساتھ دیں گے۔

صاف صاف جواب دینے کی بجائے یہودیوں نے ایک غیر واضح سا جواب بھیجا جس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ ان کے عزائم مکی فوجوں کا ساتھ دینے کے ہیں۔ جب مسلمانوں کو اس منصوبے کی خبر ہوئی تو وہ حضورﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے اور کہنے لگے، 'یا رسولؐ اللہ! ہم تو ہر طرف سے خطرے میں گھر چکے ہیں۔ اگر بنو قریضہ نے پیچھے سے اور قریش نے سامنے سے حملہ کر دیا تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے یا ممکن ہے ختم ہو جائیں۔'

حضورﷺ نے انتہائی متانت اور اعتماد سے جواب دیا 'قریش کو یہودیوں پر یقین ہے اور مجھے اللہ پر۔ اللہ ہمیں کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ اگرچہ جنگ احد میں تمھیں کچھ نقصان اٹھانا پڑا ہے لیکن وہ اس لئے کہ تم نے میری ہدائت کو پس پشت ڈال دیا۔' جو کچھ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا جلد ہی حقیقت بن کر رونما ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ اور اس کے ماننے والوں کے

marfat.com

لئے اپنی نصرت واعانت کے دروازے کھول دیئے۔ واقعہ کچھ اس طرح ہوا کہ جب مسلمان اپنے آپ کو اندرونی اور بیرونی دشمنوں میں گھرے ہوئے محسوس کر رہے تھے، بنو غطفان کا ایک آدمی نعیم بن مسعود جو یہودیوں اور غیر مسلموں کے درمیان بات چیت کروایا کرتا تھا پوشیدہ طور پر مسلمان ہو چکا تھا، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، 'یا رسول اللہ مجھے بنو قریضہ اور مکہ والوں کے درمیان مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کرنے کا منصوبہ بنانے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ لیکن میں مسلمان اور آپ لوگوں کا خیر خواہ ہوں۔' اس نے حضور ﷺ سے عرض کی کہ وہ اسے ایسا کام کرنے کی اجازت دیں جو مسلمانوں اور اسلام کے لئے فائدہ مند ہو۔ حضور ﷺ نے اسے اجازت دے دی۔ حضرت نعیمؓ بن مسعود نے یہودیوں اور مکہ والوں کو ایک دوسرے کی حوصلہ شکنی پر اکسایا۔

نعیمؓ کا مسلمانوں کی مدد کے لئے اس طرح اچانک آنا انتہائی فائدہ مند ثابت ہوا۔ نعیم کی حکمت عملی سے یہودیوں اور کافروں کا اتحاد بکھر گیا۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ نعیم کا لفظی مطلب بھی خدائی نعمت یا مہربانی ہے۔ اسی نام کا ایک اور آدمی نعیم بن عبداللہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا سبب بنا تھا۔

حضرت نعیمؓ بن مسعود نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، 'نعیم! تمھیں پتہ ہے ہم شدید خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے دشمن اور اس کے منصوبوں پر نظر رکھیں۔ اگر ہم کوئی اطلاع تھوڑے بہت ردوبدل سے دشمن کے کانوں تک پہنچاتے ہیں تو یہ دھوکہ نہیں جنگی حکمت عملی ہے۔ جنگ صرف طاقت کا مظاہرہ ہی نہیں بلکہ حکمت عملی کا استعمال بھی ہے۔'

حضرت نعیمؓ بن مسعود نے آپؐ کے سامنے سر جھکا دیا اور کچھ ضروری ہدایات لے کر بنو قریضہ کے یہودیوں کے پاس جا پہنچے۔ کہنے لگے 'بھائیو! تم تو جانتے ہو میں کتنی مدت سے تمھارے ساتھ ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم مجھے اپنا خیر خواہ سمجھتے ہو۔' یہودی سرداروں نے اثبات میں سر ہلایا۔ نعیمؓ بن مسعود اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے گویا ہوئے 'تم مکی فوج کو خندق کے دوسری طرف دیکھ کر اتنا فخر محسوس نہ کرو۔ وہ کون سا مدینے کے رہنے والے ہیں۔ کیا پتہ کب چلے

marfat.com

جائیں۔ اور جو لوگ ان کا ساتھ دے رہے ہیں ان کا بھی کیا بھروسہ۔ یہ سب اپنے گھروں کو لوٹ جائیں گے۔ مسلمانوں کا سامنا تو ہمیں کرنا پڑے گا۔' یہ الفاظ سنتے ہی یہودی سرداروں کا ماتھا ٹھنکا اور ان کے چہروں پر پریشانی کے آثار نمودار ہو گئے۔ اپنی بات کو تیر بہدف ثابت ہوتے دیکھ کر نعیمؓ بن مسعود پھر کہنے لگے، 'فرض کرو مکہ والے واپس نہیں لوٹتے۔ پڑاؤ ڈالے بیٹھے رہتے ہیں۔ کسے پتہ جیت کس کی ہو۔ جنگ احد میں دیکھ ہی لیا۔ ابوسفیان کے راستے میں کون سی خندق تھی؟ اس کی فوج مسلمانوں سے چار گنا زیادہ تھی۔ اس کے باوجود وہ ان کا بال بھی بیکا نہ کر سکا۔ اگر میری مانو تو مسلمانوں سے تعلق توڑنے سے پہلے سوچ سمجھ لو۔ مسلمانوں سے دشمنی مول لینا کوئی عقل کی بات نہیں۔ ایک خیر خواہ کے طور پر میں تو کہتا ہوں ابوسفیان اور دوسرے قریشی سرداروں پر یقین کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ تو وہ لوگ ہیں کہ اگر انہیں ذرا سا بھی خطرہ محسوس ہوا یہ تمھیں میدان جنگ میں تنہا چھوڑ بھاگیں گے۔ مسلمانوں سے ٹکر لینے کی بجائے تم لوگ قریش کے سرداروں کو بلاؤ اور ان سے ساتھ دینے کا وعدہ لو۔ ورنہ یاد رکھو خطرے کی گھنٹی بجتے ہی وہ تمھیں مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ بھاگیں گے۔'

حضرت نعیمؓ بن مسعود کے الفاظ یہودیوں کو انتہائی منطقی اور مدلل محسوس ہوئے۔ انہوں نے قریش کا ساتھ دینے کے بارے میں از سرِ نو غور کرنا شروع کر دیا۔

یہودیوں سے بات چیت کر کے حضرت نعیمؓ بن مسعود ابوسفیان کے پاس پہنچے اور کہنے لگے، 'تم تو جانتے ہو میں تمھارا اور مکہ والوں کا کتنا خیر خواہ ہوں۔ میں نہیں چاہتا تمھیں اس جنگ میں شکست کا سامنا ہو۔۔۔ لیکن۔۔۔'

'لیکن کیا؟' ابوسفیان نے انتہائی بے چینی سے پوچھا۔

'لیکن یہ کہ بنو قریظہ مسلمانوں سے کوئی خفیہ معاہدہ کر رہے ہیں۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ قریش کے کچھ سرداروں کو اپنے ساتھ وفاداری کے وعدے کی یقین دہانی کے لئے بلا کر مسلمانوں کے حوالے کرنے والے ہیں۔'

ابوسفیان یہ سن کر ششدر رہ گیا۔ لیکن اس کے بولنے سے پہلے حضرت نعیمؓ بن مسعود

marfat.com

بولے اے سردار! میری مانو تو یہودیوں کو کہلا بھیجو کہ اس ہفتے مسلمانوں پر حملہ کر دیں۔ اگر وہ کسی پس و پیش کا مظاہرہ کریں تو سمجھ لینا کہ وہ مسلمانوں کا سامنا کرنے سے گھبرا رہے ہیں اور یونہی وقت ضائع کر رہے ہیں۔

ابوسفیان سوچوں میں گم ہو گیا۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ شک اس کے دماغ میں سرایت کر چکا ہے۔ مدینہ کے عام لوگ بھی انہی افواہوں کا ذکر کر رہے تھے کہ بنو قریظہ قریش کے معتبر سرداروں کو دعوت پر بلا کے مسلمانوں کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان افواہوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے انکار میں سر ہلا دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جواب واقعی سچ تھا۔ جو کوئی چاہتا اپنا مطلب نکال لیتا۔ ایسے حالات میں یہودیوں اور ابوسفیان کے دلوں میں شکوک و شبہات گھر کر گئے۔

آخر کار افواہوں کے اس ماحول میں یہودیوں نے ابوسفیان کو پیغام بھیجا کہ اگر وہ چاہتا ہے کہ بنو قریظہ مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کریں تو اسے اپنی فوج کے کچھ سردار بطور تصدیق بھیجنے چاہئیں جو یہ یقین دہانی کرائیں کہ مکہ والے میدان جنگ میں انہیں اکیلا چھوڑ کر بھاگ نہیں اٹھیں گے۔ یہودیوں کے اس تقاضے نے حضرت نعیمؓ بن مسعود کے بیانات کی تصدیق کر دی۔

اس پر ابوسفیان نے یہودیوں کے پاس اپنے سردار بھیجنے سے انکار کر دیا بلکہ الٹا یہ کہلا بھیجا کہ وہ ہفتے کو مسلمانوں پر حملہ کر دیں کیونکہ دونوں فوجوں کے مدمقابل آنے میں کافی تاخیر ہو چکی ہے اور یہ بات کسی طرح بھی لشکر کشی میں فائدہ مند نہیں۔ ابوسفیان نے پر زور الفاظ میں کہلا بھیجا کہ مزید تاخیر کے بغیر یہودی ہفتے کو مسلمانوں پر حملہ کر دیں۔ مزید یہ کہ مکہ والے بھی پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کرنے اور بغیر بھاری نقصان کے شہر میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔

یہودیوں نے جواب دیا کہ وہ ہفتے کو نہیں لڑیں گے کیونکہ ان کا یقین ہے کہ اگر کسی یہودی نے ہفتے کو کسی بھی طرح کی خون ریزی میں حصہ لیا تو نا صرف اس دنیا بلکہ اگلی دنیا میں بھی بدقسمت ٹھہرایا جائے گا۔ یہودیوں کا یہ جواب سن کر ابوسفیان کے شکوک و شبہات اور بھی مستحکم ہو گئے۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہودی اسے مسلمانوں کے حوالے کرنے کے لئے پھانسنا چاہتے ہیں۔ اس طرح

marfat.com

ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔

جب دس ہزار آدمیوں پر مشتمل فوج دو ہفتے تک بے کار بیٹھی رہی تو سپاہیوں کا کھانا اور مویشیوں کا چارہ ایک مسئلہ بننے لگا۔ مدینہ والوں کو تو خوراک کی کمی نہیں تھی لیکن ابوسفیان کے سپاہیوں پر بھوک کا پنجہ تنگ ہونے لگا۔ مزید یہ کہ بڑھتی ہوئی سردی اور خنک ہوا ان کے لئے انتہائی اذیت کا باعث بن گئیں۔ مکہ کے سپاہی گرم علاقوں کے رہائشی تھے۔ مدینہ کے سرد موسم میں وہ اچھی طرح سو بھی نہ سکتے اور صبح تک اپنے خیموں میں ٹھٹھرتے رہتے۔ علاوہ ازیں شوال کا مہینہ ختم ہو رہا تھا اور ذیقعد کا شروع۔ ذیقعد اور ذوالحجہ میں ہر طرح کی جنگ ممنوع تھی کیونکہ عرب رواج کے مطابق یہ مہینے مقدس تھے اس لئے مکی فوج یہ محسوس کرنے لگی کہ وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔ اگر انہوں نے اگلے کچھ دنوں میں حملہ نہ کیا تو ہو سکتا ہے آنے والے تین مہینوں تک وہ اسی طرح ٹھٹھرتے رہیں۔ اور بالفرض وہ اس سردی سے بچ بھی جائیں تو تین مہینوں تک دس ہزار سپاہیوں کو کھانا فراہم کرنا ایک ناممکن سی بات تھی۔

ان پندرہ دنوں کے درمیان جب مکی فوج خندق کے دوسری طرف مفلوج پڑی تھی کئی بار قریشیوں اور مسلمانوں کے درمیان انفرادی لڑائی کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا۔ ان مقابلوں میں قریش کے دو مشہور سردار عمرو بن عبدود اور نوفل بن مخزومی حضرت علیؓ کے ہاتھوں جہنم رسید ہوئے۔

نوفل مخزومی نے ایک جگہ سے خندق عبور کرنے کی کوشش کی لیکن اپنے گھوڑے سمیت اس میں گر گیا۔ اگلے ہی لمحے حضرت علیؓ نے بھی خندق میں چھلانگ لگا دی۔ اگرچہ حضرت علیؓ کے پاس نوفل کو مارنے کا یہ نادر موقع تھا پھر بھی آپؓ نے اسے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے اور تلوار سنبھالنے کی مہلت دی۔ جب نوفل خندق میں گرا تو سورج غروب ہو رہا تھا اور اس کی تیز شعاعوں میں حضرت علیؓ اچھی طرح نہیں دیکھ پا رہے تھے جبکہ نوفل کی پشت سورج کی جانب تھی اور وہ حضرت علیؓ کو اچھی طرح دیکھ سکتا تھا۔ ایسے ناموافق حالات میں بھی حضرت علیؓ نے نوفل بن مخزومی کو سورج غروب ہونے سے پہلے مار گرایا۔

کیونکہ جنگ احد میں قریش کی عورتوں نے مسلمانوں کی لاشوں کا مثلہ کیا تھا اس لئے ابو

marfat.com

سفیان کو خطرہ تھا کہ کہیں مسلمان عورتیں قریش کے نام آور سردار نوفل بن مخزومی کی لاش کے ساتھ وہی سلوک نہ کریں۔

اس نے حضرت علیؓ کو پیغام بھیجا کہ اگر وہ نوفل کا مثلہ نہ کریں اور اس کا سر تن سے جدا نہ کریں تو وہ انہیں ایک سو اونٹ عوضانہ دے گا۔ حضرت علیؓ جن کی ایسے وحشیانہ کام کرنے کی کوئی نیت نہیں تھی نے ابوسفیان کا عوضانہ موڑ بھیجا اور نوفل کا جسم جس طرح تھا قریش کو لے جانے کی اجازت دے دی۔

قریش کا ایک اور سردار جو حضرت علیؓ کے ہاتھوں مارا گیا عمرو بن عبدود تھا۔ یہ شخص بہادر اور حوصلہ مند ہونے کے ساتھ ساتھ سارے عرب کا جانا پہچانا پہلوان تھا۔ وہ دو بار حضرت علیؓ کو زخمی کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن حضرت علیؓ ایسے نہیں تھے جو دو زخموں سے گھبرا کر لڑائی چھوڑ دیں۔ آپؓ ثابت قدمی سے وار پر وار کرتے گئے یہاں تک کہ ایک وار میں عمرو کی تلوار اسکے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ بے حوصلہ ہو کر نیچے بیٹھ گیا۔

حضرت علیؓ آگے بڑھے اور اسکی تلوار پر قدم رکھتے ہوئے بولے 'عمرو! اگر تم اب بھی مسلمان ہو جاؤ تو تمھاری زندگی بخش دوں۔ کوئی جواب دینے کی بجائے عمرو بن عبدود نے حضرت علیؓ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا اور چیخ کر بولا 'میں کبھی مسلمان نہیں ہوں گا۔'

حضرت علیؓ نے اپنی آستین سے چہرہ صاف کیا اور کچھ دیر تک بے حس و حرکت کھڑے رہے۔ جب عمرو نے یہ سب کچھ دیکھا تو بولا 'علیؓ! میں نے کہا میں مسلمان نہیں ہوں گا۔ تم قتل کیوں نہیں کرتے مجھے۔'

حضرت علیؓ نے جواب دیا 'جب تو نے میرے منہ پر تھوکا تو مجھ پر غصہ طاری ہو گیا۔ اگر میں اس لمحے تمھیں مارتا تو یہ ایک ذاتی انتقام ہوتا۔ میں تمھیں اپنے غصے یا ذاتی انتقام کی بھینٹ نہیں چڑھانا چاہتا۔ ہم مسلمان صرف اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور اگر خون بہاتے ہیں تو صرف اسی کی راہ میں۔ کسی ذاتی انتقام میں نہیں۔'

پھر حضرت علیؓ نے اسے مخاطب کیا اور کہا 'عمرو! چاہے تو نے میرے منہ پر تھوکا ہے میں

marfat.com

تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر مان لو تو تمھاری زندگی بچ سکتی ہے۔' عمرو اپنی ضد پر اڑا رہا اور کسی طرح مسلمان ہونے پر راضی نہ ہوا۔ اس پر تلوار کے ایک ہی وار سے حضرت علیؓ نے اس کا سر قلم کر دیا۔

یہ بات یاد رہے کہ حضرت علیؓ سے جنگ کے دوران عمرو نے ایک انتہائی قیمتی زرہ پہن رکھی تھی جس پر سونے کے کڑے لگے ہوئے تھے۔ حضرت علیؓ نے زرہ عمرو کی بہن کو بھیج دی کہ کہیں کوئی یہ نہ سمجھے کہ حضرت علیؓ نے عمرو کو قیمتی زرہ کی خاطر مارا ہے۔

مکی فوج کو سردی اور بھوک کا تو پہلے ہی سامنا تھا اب ایک طوفان نے بھی آلیا۔ جب ان کا زاد راہ تند و تیز آندھی میں اڑ گیا تو ان کی بہادری جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ ایک رات تو ہوا اس قدر تیز چلی کہ ان کے خیمے تک اکھڑ گئے، آگ بجھ گئی اور موسلا دھار بارش نے سیلاب کی شکل اختیار کر لی۔ ابوسفیان اس قدر گھبرایا کہ بغیر کسی تاخیر کے لشکر کو واپسی کا حکم دے دیا۔

کہا جاتا ہے کہ اپنے اونٹ پر سوار ہوتے ہوئے وہ اس قدر بوکھلایا ہوا تھا کہ اسے یہ بھی نہ پتہ چل سکا کہ اونٹ بندھا ہوا ہے یا کھلا ہوا۔ وہ اونٹ پر چھانٹے برساتا رہا اور اسے اتنی خبر نہ ہوئی کہ بیچارہ اونٹ کھونٹے سے بندھا ہوا ہے۔

اس رات کافروں کی اس فوج نے محاصرہ توڑا اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس طرح غزوہ خندق جو غزوہ احزاب بھی کہلاتا ہے انجام پذیر ہوا۔ اس غزوہ میں آٹھ کافر مارے گئے اور چھ مسلمان شہید ہوئے۔ یہ سب لوگ دست بدست لڑائی میں مارے گئے۔ جبکہ دونوں فوجوں کو حقیقی معنوں میں ایک دوسرے کے سامنے آنے کا موقع نہ ملا۔ اگرچہ جنگ ختم ہو چکی تھی اور مکی فوج واپس جا چکی تھی پھر بھی مدینے کا معاشی محاصرہ جاری تھا۔ سارا شہر ایک طرف مکہ والوں کی دشمنی کا شکار تھا اور دوسری طرف سے خیبر کے یہودیوں کی۔ یہ دونوں شہر مدنی قافلوں کی راہ میں پڑتے تھے اور یہ شہر غیر اسلامی قوتوں کے قلعے بھی تھے۔ خیبر کے لوگ زیادہ تر یہودیوں پر مشتمل تھے اور یہودیوں کے پاس اتنی دولت تھی کہ ہزاروں کی فوج تیار کر سکتے تھے۔ دوسری طرف قریش کے زیر اثر مکہ والے اسلام کے خلاف شدید نفرت کا اظہار کرتے۔ مزید برآں یہودیوں اور مکہ والوں میں

marfat.com

ایک معاہدہ ہو چکا تھا جس کی رو سے اگر مسلمان خیبر پر حملہ کریں تو مکہ والے فوراً مدینہ پر حملہ کریں گے۔ جبکہ اگر مسلمان مکہ پر حملہ کریں تو یہودی مدینہ پر حملہ کریں گے۔ اس صورتحال میں مسلمان کسی ایک پر حملہ کرنے کے قابل نہیں تھے۔

خود مدینہ میں مسلمانوں کے دو دشمن تھے۔ ایک یہودی اور دوسرے منافق۔ منافق وہ لوگ تھے جنہوں نے دوہری حکمت عملی سے کام لیا۔ وہ بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھے لیکن در پردہ ان کے خلاف۔ ان سب کا سرخیل عبداللہ بن ابی تھا۔ اس نے کبھی کسی ایک سے جانبداری کا اظہار نہیں کیا تھا۔ غزوہ خندق میں تو منافق مکہ والوں کا ساتھ دینے پر تلے بیٹھے تھے کیونکہ یہ وعدہ زبانی کلامی تھا اس لئے حضور ﷺ نے انہیں کسی قسم کی سزا نہ دی۔

دوسری طرف بنو قریضہ نے میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کی اور مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کرنے کے لئے قریش سے دوران جنگ ساز باز کرنے کی کوشش کی۔ غزوہ احد میں حضور ﷺ یہودیوں کو مطلع کر چکے تھے کہ مسلمان مکہ والوں کے ساتھ ایک مذہبی لڑائی لڑ رہے ہیں اس لئے یہودیوں کو جنگ میں کودنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے یہودیوں کو واپس جانے کا حکم اس لئے دیا کہ وہ ان پر اعتبار نہیں کرتے تھے۔ غزوہ خندق میں یہ ثابت ہو گیا کہ حضور ﷺ کے شکوک وشبہات بے بنیاد نہیں تھے۔ یہودیوں نے انتہائی کڑے وقت میں نا صرف معاہدے کی خلاف ورزی کی بلکہ مسلمانوں سے کئے ہوئے سب وعدے فراموش کر دیئے۔

چونکہ بنو قریضہ محسوس کر چکے تھے کہ انہوں نے وعدہ شکنی سے کام لیا ہے اس لئے انہیں توقع تھی کہ مسلمان اس بات کا بدلہ ضرور لیں گے۔ اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو گھروں میں مقید کر لیا۔

قریضہ عربی میں ببول کے درخت کا نام ہے۔ چونکہ اس درخت کے کچھ حصے چمڑا رنگنے میں کام آتے ہیں اس لئے اس پیشے سے وابستہ یہودی بنو قریضہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ حالانکہ بہت سے یہودی سنار اور کاشت کار بھی تھے۔ وہ اس قدر امیر تھے کہ ان کے گھر قلعوں کے طور پر

marfat.com

استعمال ہو سکتے تھے۔ جب مکہ کی فوج چلی گئی تو انہوں نے اپنے آپ کو ان گھروں میں بند کر لیا اور اسلام کی مخالفت برقرار رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

مسلمان فوج نے بنو قریضہ کے علاقے کا محاصرہ کر لیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ لیکن انہوں نے جواب دیا کہ وہ محمدؐ کو نبی نہیں مانتے کیونکہ ان کا تعلق عربوں سے ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق نبی صرف بنی اسرائیل میں پیدا ہو سکتا اور کہیں نہیں۔ جب سارے انبیاء بنی اسرائیل میں پیدا ہوئے ہیں تو محمدؐ کسی اور قوم میں کیسے پیدا ہو سکتے ہیں۔ تاہم مسلمانوں نے یہ محاصرہ چار ہفتے تک جاری رکھا۔ جب یہودیوں کی خوراک کم ہونے لگی تو ان کا سردار کعب بن اسد قلعے کی دیوار پر آیا اور کہنے لگا 'اے مسلمانو! ہمارے شیر خوار دودھ کو ترس رہے ہیں۔ ان کی ماؤں کی چھاتیاں سوکھ چکی ہیں۔ انہیں کھانے کو اتنا نہیں ملتا کہ چھاتیوں میں دودھ پیدا ہو۔ ہمارے بچے بلک بلک کر رو رہے ہیں۔' مسلمانوں نے جواب دیا 'اے کعب! ہم جو تمہیں گھیرا ڈالے کھڑے ہیں۔ ہمارے بھی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ ہمیں پتہ ہے بچے بھوک سے کیسے بلکتے ہیں۔ ہمیں تمہارے بچوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ اپنی اس حالت کے تم خود ذمہ دار ہو۔ معاہدہ مدینہ کی خلاف ورزی تم نے کی تھی۔ مکہ والوں سے گٹھ جوڑ کر کے ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپنے کی سازش تم نے کی تھی۔ اور اب اپنے آپ کو اس طرح گھروں میں بند تم نے کیا ہے۔ ہم کیسے تم پر یقین کر لیں اور چھوڑ دیں۔ پھر بھی ایک تجویز ہے۔ اپنا کوئی ثالث چن لو۔ جو کچھ وہ فیصلہ کرے مان لو۔'

کعب بن اسد نے جواب دیا کہ فی الوقت کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس نے اپنے قبیلے کے سرکردہ لوگوں سے مشورہ کرنے کے لئے کچھ وقت مانگا۔ میثاق مدینہ کے مطابق کسی قانون کو جاری کر دینے کا اختیار صرف اور صرف حضورﷺ کو حاصل تھا اور ساتھ ہی اس قانون کے نفاذ کا اختیار بھی۔ حضورﷺ مسلمانوں اور بنو قریضہ کے درمیان اختلافات کو حل کرنے کے لئے کسی ثالث کو قبول کرنے کے پابند نہیں تھے۔ حضورﷺ کے مشورہ سے ہی مسلمانوں نے یہودیوں کو تجویز دی تھی کہ وہ چاہیں تو اپنے لئے کسی ثالث کا انتخاب کر سکتے ہیں۔

marfat.com

کچھ دیر بعد کعب بن اسد قلعے کی دیوار پر دوبارہ نمودار ہوا اور کہنے لگا کہ اس کے قبیلے کو کسی غیر جانبدار آدمی کی ثالثی قبول ہے۔ مسلمانوں نے جواب دیا 'اے کعب بن اسد! یاد رکھنا ہمارا مقصد تم پر دباؤ ڈالنا نہیں ہے۔ تمھیں پورا اختیار ہے جس کو چاہو اپنا ثالث مقرر کرلو۔ جب تم ایسا کرلو گے تو ہماری طرف سے دو نمائندے تمھارے پاس پہنچ جائیں گے۔ تم بھی اپنی طرف سے دو نمائندے بھیجنا۔ ہمارے نمائندے باہمی معاہدے توڑنے اور میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کرنے پر بات چیت کریں گے۔ تمھارے نمائندے بھی گفتگو میں آزاد ہیں۔ لیکن جب بات چیت ہو جائے تو ثالث کو اپنا فیصلہ دینے کا اختیار ہے۔ کیا تم یہ فیصلہ قبول کرو گے۔' یہودیوں نے جواب دیا 'ہاں کریں گے۔' مسلمانوں نے کہا، 'ہم بھی کریں گے۔'

اگرچہ جنگ ختم نہیں ہوئی تھی اور یہودی اب بھی محاصرے میں تھے، مسلمانوں نے یہودیوں کو ایک ہفتے تک کی خوراک اندر لے جانے دی۔ انہوں نے یہ بھی احکامات دیئے کہ یہودی جو کچھ مانگتے ہیں انہیں دے دیا جائے تا کہ ان کے بچے بھوک سے بلکتے نہ رہیں۔

بنو قریضہ کے یہودیوں نے ایک بار پھر صلاح مشورہ کیا اور یہ پیغام بھیجا، 'ہم سعد بن معاذ کو اپنا ثالث مقرر کرتے ہیں۔' سعد بن معاذ اوس قبیلے کا سردار تھا اور یہودیوں سے اس کے تعلقات انتہائی دوستانہ تھے۔ مسلمانوں نے یہودیوں کے خلاف اپنی شکایات اسکے سامنے پیش کیں۔ اور اسے میثاق مدینہ کی مختلف شرائط کے بارے میں آگاہ کیا۔ انہوں نے بتایا کہ تمام قبیلے مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کی مدد کرنے کے پابند تھے لیکن بنو قریضہ نے مسلمانوں کی مدد کرنے کی بجائے ان کے دشمنوں سے ساز باز جاری رکھی تھی۔ بنو قریضہ کے نمائندوں نے اپنے حق میں صفائی بیان کرنے کی کوشش کی اور غزوہ احد کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ مسلمانوں کی مدد کرنا چاہتے تھے لیکن مسلمانوں نے اس پیشکش کو جھٹلا دیا تھا۔ اس بار بھی انہیں یقین تھا کہ مسلمان ان کی پیشکش کو قبول نہیں کریں گے۔ مسلمانوں نے جواب دیا کہ یہودیوں کی مدد قبول کرنے سے انکار کر کے انہوں نے معاہدے کی کوئی خلاف ورزی نہیں کی تھی جبکہ غزوہ خندق میں یہودیوں نے کھلم کھلا معاہدے کی خلاف ورزی کی اور دشمن کے اکسانے پر مسلمانوں کی پیٹھ میں

marfat.com

چھرا گھونپنے کی کوشش کی تھی۔

بنو قریضہ کے نمائندوں نے یہ سب کچھ جھٹلا دیا اور کہنے لگے کہ انہوں نے نہ تو مکہ والوں سے کوئی رابطہ کیا تھا اور نہ ان کے ساتھ کسی منصوبے میں شریک ہوئے تھے۔ اس موقع پر مسلمانوں نے فوراً حضرت نعیمؓ بن مسعود کو گواہ کے طور پر پیش کیا جنہوں نے سارا ماجرا صاف صاف کہہ سنایا۔ مزید برآں انہوں نے ان یہودیوں کے نام بھی گنوائے جو انہیں اپنی طرف سے کچھ ہدایات جاری کر چکے تھے۔

یہ کارروائی کئی روز تک جاری رہی۔ سعد بن معاذ طرفین کے دلائل اور گواہ بڑی توجہ سے ملاحظہ کرتا رہا۔ اپنا فیصلہ سناتے وقت اس نے کہا' چونکہ بنو قریضہ نے اپنا وعدہ توڑا، میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کی اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے آئے ہوئے دشمن سے سازش کرنے کی کوشش کی اس لئے وہ سب سزائے موت کے مستحق ہیں۔

یاد رہے کہ یہ فیصلہ مسلمانوں کی طرف سے نہیں بلکہ ایک ایسے آدمی کی طرف سے تھا جسے یہودی اپنا خیر خواہ سمجھتے تھے اور جسے انہوں نے خود اپنا ثالث مقرر کیا تھا۔ تاہم یہ فیصلہ جاری ہوتے ہی مسلمانوں نے عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو سزا سے مستثنیٰ قرار دیا اور دوسرے لوگوں کو بھی یہ موقع دیا کہ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو سزا سے بچ سکتے ہیں۔ اس طرح بنو قریضہ کے کچھ یہودیوں نے اسلام قبول کر لیا لیکن باقی یہودیوں کو دستور کے مطابق سزا دی گئی۔

marfat.com

حج بیت اللہ کی موقوفی

ہجرت کے چھٹے سال حضورﷺ نے ایک خواب دیکھا کہ آپؐ خانہ کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں اور عمرہ ادا کر رہے ہیں۔اس پر حضورﷺ نے مسلمانوں کو مکہ سفر کرنے کی تیاری کا حکم دیا۔آپؐ خانہ کعبہ کے عمرہ کا ارادہ کر چکے تھے۔

قرآن شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا جو مطابق واقع کے ہے کہ تم لوگ مسجد حرام (یعنی مکہ) میں ان شاء اللہ ضرور جاؤ گے امن و امان کے ساتھ کہ تم میں کوئی سر منڈھاتا ہوگا اور کوئی بال کتراتا ہوگا تم کو کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا سو اللہ تعالیٰ کو وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں پھر اس سے پہلے لگتے ہاتھ ایک فتح دے دی۔

سورۃ فتح ۲۷:۴۸

مسلمانوں کا خیال تھا کہ حضورﷺ جنگ کے ارادے سے مکہ روانہ ہو رہے ہیں۔جب آپؐ سے پوچھا گیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا،'نہیں۔ہم تو صرف عمرہ کرنے جا رہے ہیں۔' اس طرح ۶۲۸ء بمطابق ۶ھ حضورﷺ اپنے ایک ہزار چار سو صحابیوں کے ساتھ مکہ روانہ ہو گئے۔اس بار مسلمانوں کے قافلے میں ستر اونٹ شامل تھے۔اگرچہ مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار چار سو سے زیادہ تھی لیکن کچھ بدو مسلمان حضورﷺ کے ساتھ سفر پر روانہ نہ ہوئے۔انہیں پتہ تھا کہ مسلمانوں اور قریش کی دشمنی چلی آ رہی ہے۔ان کا خیال تھا کہ حضورﷺ نے قریش سے نبرد آزمائی کا فیصلہ کیا ہے۔اس لئے وہ ساتھ جانے سے کتراتے رہے۔وہ اس مقدس شہر پر حملہ نہیں کرنا

marfat.com

چاہتے تھے جہاں خون خرابہ منع تھا۔ وہ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ ان کا ایمان ابھی اتنا گہرا اور مضبوط نہیں تھا کہ وہ حضورﷺ کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دیتے۔ سردیوں کا موسم تھا اور متبرک مہینوں کے دن تھے۔ ان دنوں میں ویسے بھی بدو کسی سے لڑائی مول نہیں لیا کرتے تھے۔ دوسری طرف حضورﷺ کے ساتھ مکہ جانے کی توقع میں مہاجر خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ جب چھ سال پہلے وہ حضورﷺ کے ساتھ مدینہ ہجرت کر آئے تھے تو اپنے شہر، خاندان والوں اور گھروں کو الوداع کہہ کر نکلے تھے۔ مکہ تمام عربوں کے لئے متبرک شہر تھا۔ حضرت آدمؑ نے زمین پر پہلی عبادت گاہ اسی جگہ تعمیر کی تھی۔ آپؑ نے خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی تا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جا سکے۔ مکہ مہاجروں کا آبائی شہر بھی تھا۔ دل ہی دل میں وہ واپس لوٹنے کے لئے بہت بے تاب تھے۔ نہ جانے کب سے وہ اپنے رشتہ داروں کے درمیان اپنے گھروں میں آرام کرنے کی خواہش لئے بیٹھے تھے۔ عربوں کی سب سے بڑی قسم کسی کو اپنے قبیلے سے دور موت آنے کی بد دعا دینا تھی۔ مذہبی طور پر مکہ ایک بین الاقوامی شہر تھا۔ جس کے قرب و جوار میں تمام مذاہب کے ماننے والے اپنے اپنے بتوں، مجسموں اور دیوتاؤں کے ساتھ آباد تھے۔ ہر کوئی خانہ کعبہ کا طواف کرنے کی اجازت رکھتا تھا چاہے اس کا مذہب کوئی بھی ہو۔ اسلام بھی دوسرے مذہبوں کی طرح ایک مذہب تھا۔ قریش والے مسلمانوں کو مکہ داخل ہونے اور حج کرنے سے روک نہیں سکتے تھے۔ اگر حضورﷺ بت پرستی کی مخالفت نہ کرتے اور اسے باطل قرار نہ دیتے تو قریش کبھی آپ کی اتنی مخالفت نہ کرتے۔ قریش اور حضورﷺ کے درمیان دشمنی دراصل اس وقت پیدا ہوئی جب آپؐ نے ان کے بتوں کو جھٹلانا شروع کر دیا۔

جب حضورﷺ مکہ روانہ ہوئے تو ابوسفیان شہر میں موجود نہیں تھا اور دوسرے سردار حواس باختہ ہو رہے تھے۔ انہیں کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ حضورﷺ اور مسلمانوں سے کیسا سلوک کریں۔ انہیں یہ بھی پتہ تھا کہ مکہ والوں کی روایت ہے کہ حج کے لئے آئے ہوئے لوگوں کو بلا امتیاز مذہب و نسل شہر میں پھرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ یہ زائر عام طور پر اپنی قربانیوں کا گوشت اپنے دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھاتے تھے۔ ان مہینوں میں لڑائی منع تھی اس لئے ڈیڑھ ہزار

marfat.com

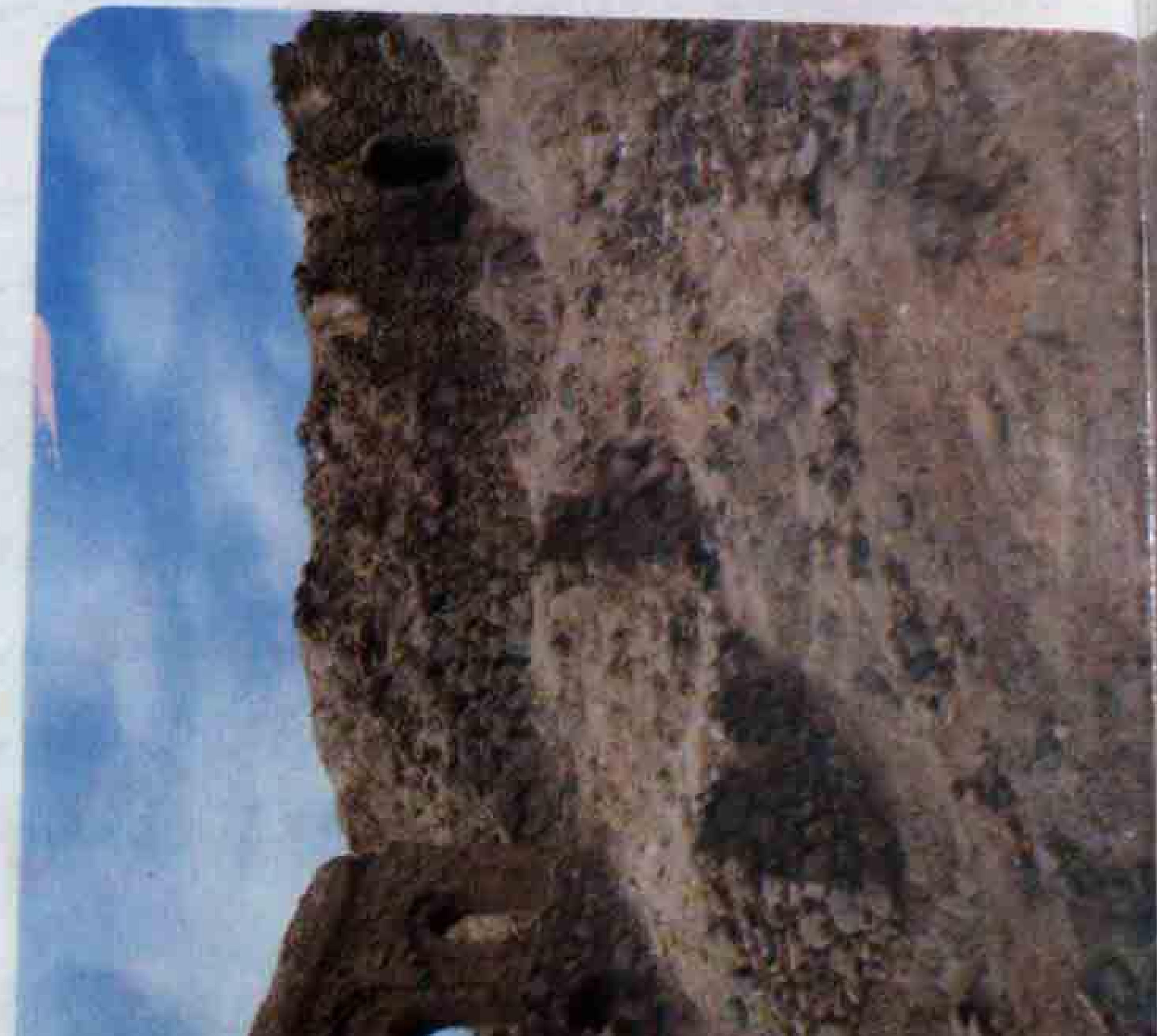

کوہ احد کے گرد و نواح میں واقع ایک قدیم گاؤں کے کھنڈرات۔

marfat.com

مسلمانوں کے داخلے کی مزاحمت کرنا معاشی طور پر کوئی فائدہ مند کام نہیں تھا۔علاوہ ازیں مقدس مہینوں میں ہر کوئی مکہ آ جا سکتا تھا۔مسلمانوں کو اس حق سے محروم کرنے کا مطلب حالیہ معاہدے کی کھلم کھلا خلاف ورزی تھی۔ایسا عمل یقیناً دوسرے عربوں کی نگاہ میں انہیں کم تر ثابت کر سکتا ہے۔

دوسری طرف قریش مسلمانوں کو شہر میں گھومنے پھرنے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے کیونکہ کئی جنگوں میں وہ مسلمانوں کے ہاتھوں ذلت وخواری کا سامنا کر چکے تھے۔تاہم قریش کے سردار کسی فیصلے پر نہیں پہنچ پا رہے تھے۔اگر وہ مسلمانوں کو مکہ داخل ہونے سے روک کر انہیں دوسرے مذہبوں کے ماننے والوں سے کوئی علیحدہ مقام دیتے تو مکہ کی آفاقی حیثیت خطرے میں پڑ جاتی اور مکہ کی تجارت نیز اس کے بین الاقوامی مذہبی شہر ہونے کی شہرت داغدار ہو جاتی۔دوسری طرف اگر مسلمانوں کو سینکڑوں اونٹوں اور ہزاروں آدمیوں کے ساتھ شہر میں داخل ہونے دیا جاتا تو ہو سکتا تھا وہ مکہ پر قبضہ کر لیتے۔دوسرا اگر مسلمان مکہ میں داخل ہو جاتے تو ان کی تعداد دو ہزار سے بھی زیادہ ہو جاتی کیونکہ بعد میں مدینہ سے اور مسلمان بھی آ ملتے۔

شکوک وشبہات کی اس فضا میں قریش نے آپس میں صلاح مشورہ کیا۔ان کی اسلام دشمنی غالب آئی اور انہوں نے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔انکی طرف سے چالیس گھڑ سوار مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لئے سامنے آئے۔مسلمانوں نے انہیں گرفتار کر لیا اور انکے ہتھیار چھین لئے۔حضور ﷺ نے حکم دیا کہ ان آدمیوں کو بغیر فدیہ لئے چھوڑ دیا جائے اور ان کے ہتھیار بھی واپس کر دیئے جائیں۔عربوں میں دستور تھا کہ جنگی قیدی یا تو فدیہ لے کر چھوڑا جاتا یا کسی اور قیدی کے بدلے میں۔اسی لئے کچھ مسلمانوں نے پوچھا 'یا رسول اللہ آپ نے ان قیدیوں کو چھوڑ کیوں دیا اور ان کے ہتھیار واپس کیوں کر دیئے حالانکہ ان سے کوئی فدیہ بھی نہیں لیا گیا' حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا 'ہم تو خانہ کعبہ کا حج کرنے جا رہے ہیں۔اور جو حج کرنے جاتا ہے کسی کو قیدی نہیں بناتا۔اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد دو سو گھڑ سواروں کا ایک اور دستہ مسلمانوں کے تعاقب میں ادھر آ نکلا۔انہیں بھی قریش نے اسی مقصد کے لئے بھیجا تھا۔ان کی سرکردگی ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کے سپرد تھی۔جب وہ مسلمانوں کے خیموں کے قریب آیا تو اس نے

marfat.com

دیکھا کہ مسلمان نماز پڑھ رہے ہیں۔اس نے یہ بھی دیکھا کہ مسلمان صف در صف خانہ کعبہ کی طرف منہ کئے کھڑے ہیں۔

یہ منظر اتنا عظیم الشان تھا کہ عکرمہ حملہ کرنے کی جرات نہ کر سکا۔تاہم وہ ان کے خیموں کے قریب کھڑا ہو گیا تا کہ نماز ختم ہونے پر ان سے مزاحم ہو سکے۔

مکہ والوں کے شکوک شبہات ختم کرنے کے لئے اور ان کو بتانے کے لئے کہ مسلمان صرف حج کرنے آئے ہیں اپنے ساتھ کوئی ہتھیار لے کر نہیں آئے حضور ﷺ نے اہل قریش کے پاس ایک سفارتکار مکہ بھیجا۔اگر مسلمان جنگ کے لئے آئے ہوتے تو اپنے ساتھ ہتھیار لاتے۔وہ سفارتکار مکہ نہ پہنچ پایا کیونکہ عکرمہ اس کے راستے میں مزاحم ہوا اور اسکے اونٹوں کی ٹانگیں کاٹ دیں۔وہ سفارت کار اور اسکے ساتھی صحرا میں راستہ بھول گئے لیکن کسی نہ کسی طرح مسلمانوں سے دوبارہ آملنے میں کامیاب ہو گئے۔

سفارتکار کا تعاقب کرنے کی کوشش میں عکرمہ مسلمانوں سے دور نکل گیا۔اس دوران مسلمانوں کو بغیر کسی مزاحمت کے اپنا سفر جاری رکھنے کا موقع ہاتھ آیا۔جب مسلمانوں کا قافلہ اس جگہ پہنچا جسے مکہ کی حدود سمجھا جاتا تھا اور جہاں قربانی کے اونٹوں پر نشان لگانے کی رسمیں ادا ہوتی تھیں تو مسلمانوں نے پڑاؤ ڈال لیا۔قربانی کے جانوروں کو نشان لگانا عربوں کی روائت تھی اور اس موقع پر حضور ﷺ کا یہ رسم ادا کرنا یہ ظاہر کرتا تھا کہ مسلمان صرف حج ادا کرنے آئے ہیں مکہ پر قبضہ کرنے یا لڑنے نہیں۔ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ حج اور عمرہ کی کچھ رسوم آج بھی وہی ہیں جو زمانہ جاہلیت میں عربوں کے اندر رائج تھیں۔حضور ﷺ کا ان رسوم کے ادا کرنے سے صرف اتنا مطلب تھا کہ عربوں کو اسلام سے خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔انہیں تسلی رکھنی چاہئے کہ اسلام نہ تو حج کی پرانی رسمیں منسوخ کرتا ہے اور نہ مکہ کی مرکزی حیثیت ختم کرنے کی نیت رکھتا ہے۔حضور ﷺ عربوں پر واضح کرنا چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی نظر میں بھی خانہ کعبہ کی اتنی ہی عزت وتکریم ہے جتنی دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی نظر میں۔حضور ﷺ جانتے تھے کہ قریش کی بتوں سے رغبت ان کے ایمان کا حصہ نہیں ہے۔نہ ہی ان کے دل ودماغ ان بتوں کے

marfat.com

ساتھ ہیں۔ بتوں سے وابستگی صرف معاشی فائدے کی خاطر ہے۔ اگر مکہ کی مرکزی حیثیت بدل جاتی تو قریش کی زندگی بری طرح متاثر ہوتی۔ حضورﷺ کو علم تھا کہ مذہبی رسوم کی ادائیگی مکہ والوں کے لئے انتہائی اہم ہے۔ جب تک یہ رسمیں ادا ہوتی رہیں گی، مکہ ایک بین الاقوامی شہر کی حیثیت اختیار کئے رکھے گا۔ بین الاقوامی شہر ہونے کی حیثیت سے اس کی تجارت پھلتی پھولتی رہے گی اور یہ چیز قریش کے لئے مستقل آمدنی اور منافع کی ضمانت تھی۔

مسلمان مورخین جیسے ابن ہشام، ڈاکٹر حمید اللہ، سرخسی، طبری، ابو داؤد اور سُہیلی لکھتے ہیں کہ جب اونٹ قربانی کے لئے نشان لگائے اور تیار کئے جارہے تھے تو حضورﷺ نے کچھ مسلمانوں کو اردگرد سے بدو اکٹھے کرنے کے لئے بھیجا تاکہ وہ سارا معاملہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا جارہا تھا کہ قریش کو یقین آجائے کہ مسلمان صرف حج ادا کرنے آئے ہیں کسی اور مقصد کے لئے نہیں۔ وہ جگہ جہاں مسلمانوں نے اونٹوں کو نشان لگانے کی رسم ادا کی ذوالحلیفہ کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اس جگہ مسلمانوں نے احرام باندھے اور مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اونٹوں کو نشان لگانے کی رسم جسے عرب شعار کہتے ہیں اونٹ کی گردن میں رسی ڈال کر ادا کی جاتی تھی۔ جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ یہ اونٹ قربانی کے لئے چن لیا گیا ہے۔

شعار وہ نشان یا علامت ہے جو اونٹ کے جسم پر چمڑے کی رسیاں یا لکڑی کی کاٹھی گھسنے سے بن جاتا ہے۔ اس طرح جب کبھی کسی اونٹ کو نشان لگایا جاتا تو اس کے نشان کو شعار کہا جاتا کیونکہ یہ نشان اونٹ کے جسم پر بنے ہوئے رگڑ کے نشان جیسا ہوتا تھا۔

سفید اونٹنی مکہ کا ایک قیمتی جانور سمجھا جاتا تھا۔ دوڑ میں حصہ لینے والی اونٹنی انتہائی عزیز رکھی جاتی تھی اور اسے شاہانہ کہا جاتا تھا۔ اس حج کے دوران حضورﷺ نے بہت سی شاہانہ اونٹنیاں قربانی کے لئے وقف کر دیں۔ اس کا مقصد بدو عربوں کو یہ دکھانا تھا کہ حج کی رسوم ادا کرنے میں مسلمان ان سے سبقت لے جاسکتے ہیں۔

اونٹوں پر شعار کی رسم ادا کرنے کے بعد مسلمانوں کا قافلہ مکہ کی طرف بڑھنے لگا۔ ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے اس قافلے کو روکنے کی کوشش کی۔

marfat.com

مشہور مورخ ابن ہشام عکرمہ کے الفاظ میں لکھتا ہے:

'جب ہم مسلمانوں کے قریب پہنچے مسلمان اپنی تلواریں نیاموں سے نکال چکے تھے۔'

عکرمہ کے اس بیان اور دوسری روائتوں سے لگتا ہے جیسے مکہ جاتے ہوئے مسلمانوں کے پاس انکی تلواریں تھیں۔ لیکن یاد رہے کہ ان دنوں تلوار جنگ کا اسلحہ نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ ایک ایسا ہتھیار تھا جو اس دور کے ہر آدمی کے پاس موجود تھا۔ آج بھی کچھ عرب اور شیخ اپنی کمر سے خنجر باندھ کر فخر محسوس کرتے ہیں۔ یہ خنجر ان کے لباس کا حصہ ہوتا ہے۔

اگر مسلمانوں نے اپنی تلواریں نیاموں سے نکال رکھی تھیں تو ضرور عکرمہ اور اسکے آدمیوں کو دیکھ کر ایسا کیا ہوگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کو استعمال کرنے کا کوئی موقع پیدا ہوسکتا تھا حالانکہ حضور ﷺ سفر کے دوران خون کا ایک قطرہ تک بہانا گوارا نہیں کرتے تھے۔ ہر طرح کی لڑائی سے گریز کرتے ہوئے حضور ﷺ نے اونٹوں کو نشان لگانے کے لئے ذوالحلیفہ کا پہاڑی علاقہ منتخب کیا۔ اس طرح مسلمان مکہ کی طرف سفر کرتے رہے۔ اس علاقے کے بعد مسلمان ایک ایسے تنگ اور دشوار گزار درے میں داخل ہوئے کہ اونٹوں کا آگے بڑھنا اور آسانی سے گزرنا دشوار ہوگیا۔ بھوکے پیاسے گرمی کے ستائے مسلمان کسی نہ کسی طرح یہ درہ عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ایک ایسے علاقے میں پہنچے جس کا نام حدیبیہ تھا۔

حدیبیہ مکہ سے گیارہ کلومیٹر دور واقع ہے۔ اس مقام سے شہر کے اونچے اونچے برج اور چوبارے بآسانی نظر آتے تھے۔ مکہ کو اتنے تھوڑے فاصلے پر دیکھ کر فرط جذبات سے مہاجر مسلمانوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ان کے دل پنجروں میں پھنسے پرندوں کی طرح پھڑ کنے لگے۔ کچھ کا تو دل چاہا کہ کسی طرح اڑ کر مکہ پہنچ جائیں۔ اسی اثناء میں حضور ﷺ کی اونٹنی جس کا نام قصویٰ تھا ایک جگہ اچانک رکی اور آرام سے بیٹھ گئی۔

حضور ﷺ نے اپنی اونٹنی کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن آگے بڑھنے کی بجائے اونٹنی ایک قدم اور پیچھے ہٹی اور بیٹھ گئی۔ اس بار حضور ﷺ اپنی اونٹنی سے نیچے اترے اور مسلمانوں سے فرمایا، 'اللہ کی مرضی یہی ہے کہ ہم یہاں قیام کریں۔ اس پر دوسرے مسلمان بھی اپنے اونٹوں سے نیچے اتر

marfat.com

آئے۔ وہ انتہائی رنجیدہ اور مایوس تھے۔ انہیں توقع نہیں تھی کہ انہیں مکہ کے دروازوں پر اچانک رکنا پڑے گا۔

جس جگہ انہوں نے اپنے خیمے لگائے وہ حدیبیہ کے قرب و جوار میں واقع تھی اور اس کا نام غدیر الاشتات تھا۔ موسم بہار میں پانی کی فراوانی تھی لیکن جب مسلمانوں نے قیام کیا تو پانی کا نام و نشان نظر نہ آیا۔ مسلمان حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی 'یا رسولؐ اللہ ہماری تعداد ایک ہزار چار سو ہے اور ہمارے ساتھ کئی سو اونٹ ہیں لیکن جس جگہ ہم نے قیام کیا ہے وہاں پانی کا قطرہ تک نہیں۔ آپؐ تو جانتے ہیں ایسے بیابان میں پانی کے بغیر ایک لمحہ نہیں گزارا جا سکتا۔ ہماری درخواست ہے کہ آگے روانہ ہوں اور کسی ایسی جگہ پر قیام کریں جہاں کم از کم پانی ضرور ہو۔

حضورﷺ کو اندازہ تھا کہ اگر ایک قدم بھی آگے بڑھے تو ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں اور مکہ والوں کے درمیان لڑائی چھڑ جائے اور مکہ کی متبرک زمین پر خون خرابہ ہو نیز آپ کو حج کی حرمت خراب ہونے کا بھی اندیشہ تھا۔ حضورﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ وہ اس جگہ سے آگے نہیں بڑھیں گے کیونکہ اللہ کا حکم یہی ہے کہ وہ اس جگہ پر قیام کریں۔

مسلمانوں نے عرض کی 'یا رسولؐ اللہ! پانی کے بغیر کیسے گزارہ ممکن ہے؟'

کہا جاتا ہے کہ حضورﷺ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انتہائی عاجزی سے پانی کی درخواست کی۔ ابھی آپؐ نے اپنے ہاتھ نیچے کئے ہی تھے کہ ایک مسلمان جو زیر زمین چشمے ڈھونڈنے کا ماہر تھا کہنے لگا، 'یا رسولؐ اللہ! پانی آپؐ کے پاؤں تلے ہے۔' مسلمانوں نے فوراً اس جگہ کی کھدائی شروع کر دی جہاں حضورﷺ قیام فرما تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پانی کا ایک بہت بڑا چشمہ بہہ نکلا۔

جب پانی کا مسئلہ حل ہو گیا اور مسلمانوں کے دل مطمئن ہو گئے تو حضورﷺ نے حضرت عمرؓ کو سفارتکار بنا کر مکہ والوں کے پاس بھیجا تاکہ آپؓ انہیں بتائیں کہ مسلمان صرف حج کے ارادے سے آئے ہیں جنگ کرنے نہیں اور یہ کہ انہیں مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے۔

حضرت عمرؓ انتہائی حیران ہوئے۔ کہنے لگے 'یا رسولؐ اللہ! میرے یہ سب کرنے کی کیا

marfat.com

ضرورت ہے؟ آپؐ یقیناً مکہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔اور حج ادا کر سکتے ہیں۔آپؐ قریش سے اجازت کیوں مانگ رہے ہیں؟'

حضرت عمرؓ دراز قد، صحت منداور وجیہ الصورت آدمی تھے۔آپؓ انتہائی سچے اور کھرے انسان تھے۔آپؓ معاملے کی نزاکت کو نہ جان پائے۔آپؓ کا شمار مخلص لوگوں میں ہوتا تھااور عام طور پر لوگ آپؓ کو ذکی النفس سمجھتے تھے۔ذکی النفس عربوں میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جو انتہائی سچااور مخلص ہو۔حضرت عمرؓ کے نزدیک اسلام ایک سچا اور خالص مذہب تھااور یہ کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی حمائت حاصل تھی۔اس لئے آپؓ کے خیال میں مکہ داخل ہونے کے لئے قریش سے اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔اسی لئے آپؓ نے سفارتکار بن کر قریش کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔

تاہم حضورﷺ نے یہ ذمہ داری حضرت عثمانؓ کے سر عائد کی۔آپ حضورﷺ کے داماداور ان لوگوں میں سے ایک تھے جنہوں نے پہلے حبشہ اور پھر مدینہ ہجرت کی۔آپؓ کی شادی حضورﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ سے انجام پائی اور حضرت رقیہؓ کے وصال کے بعد حضورﷺ کی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے قرار پائی۔اسی نسبت سے آپؓ کو ذوالنورین یعنی دونوروں والا کہا جاتا ہے۔حضرت عثمانؓ خوش لباس اور مجلسی آدمی تھے۔آپؓ لوگوں سے میل جول رکھنے میں کافی کامیاب تھے۔گفتگو کے دوران آپؓ کسی کی تردید نہ کرتے بلکہ انتہائی احتیاط سے کام لیتے۔آپؓ کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا۔آپؓ کی گفتگو سے کسی کی دل شکنی ممکن نہیں تھی۔حضورﷺ کا حکم پاتے ہی آپؓ اونٹ پر سوار ہوئے اور مکہ روانہ ہو گئے۔

جب کچھ دنوں تک حضرت عثمانؓ واپس نہ آئے تو آپؓ کے بارے میں یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ مکہ والوں نے آپؓ کو قید کر دیا ہے یا شہید۔جب یہ خبر حضورﷺ تک پہنچی تو آپؐ نے اپنے رویہ کو تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا۔آپ مکہ حج کرنے کی نیت سے آئے تھے اور آپ کی خواہش تھی کہ مسلمانوں اور مکہ والوں کے درمیان دوستانہ تعلقات بحال ہو جائیں۔آپؐ مدینہ کو قریش کی طرف سے عائد کئے گئے معاشی مقاطعہ سے آزاد کرانا چاہتے تھے۔آپؐ یہ بھی باور کرانا چاہتے تھے کہ

marfat.com

اسلام کی عربوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔قریش کی طرح مسلمان بھی خانہ کعبہ کا احترام بجالاتے ہیں۔تاہم جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر حضورﷺ تک پہنچی تو آپؐ نے تمام مسلمانوں کو ایک درخت کے نیچے جمع ہونے کا حکم دیا۔یہ درخت حدیبیہ کے قرب و جوار میں واقع ہے۔ایسے درختوں کی جڑیں گہری اور دور تک پھیلی ہوتی ہیں۔ایسے درختوں کو عام درختوں کی طرح پانی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ان کی جڑیں گہرائی سے پانی وصول کرتی ہیں اور درخت کو ہرا بھرا اور سدا بہار رکھتی ہیں۔

marfat.com

کوہ احد جو حضورؐ کو پناہ دینے کے لئے شق ہو گیا۔ جنگ کے دوران زخمی ہونے پر حضورؐ نے اس جگہ پناہ لی۔

marfat.com

بیعت رضوان

جب تمام مسلمان جمع ہو گئے تو حضور ﷺ نے ان سب سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ آپؐ نے انہیں اس لئے جمع کیا ہے کہ وہ آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کریں کہ آپؐ کے تمام احکامات کا چاہے وہ ان کی مرضی پر پورے اترتے ہوں یا نہ اترتے ہوں بغیر کسی اعتراض کے حکم بجالانے پر مامور ہیں۔ جب حضور ﷺ بیعت مکمل فرما چکے تو ایک مسلمان جس کا نام سعنان الاسعدی تھا اپنی جگہ پر کھڑا ہوا اور کہنے لگا 'یارسولؐ اللہ! میں قسم کھاتا ہوں کہ آپؐ کے تمام احکامات کی ہر صورت میں پابندی کروں گا چاہے وہ مجھے سمجھ آئیں یا نہ آئیں۔'

وہ حضور ﷺ کے پاس گیا اور اپنا ہاتھ آپؐ کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ اطاعت اور فرمانبرداری کا یہ منظر دیکھ کر مسلمانوں میں ایک عجیب ولولہ پیدا ہوا اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ اٹھ کر اپنا ہاتھ حضور ﷺ کے ہاتھ میں دینے لگے۔ ان سب نے بغیر کسی پس و پیش کے حضور ﷺ کی اطاعت کرنے کی قسم کھائی۔

درخت کے نیچے لی جانے والی یہ بیعت اسلامی تاریخ میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس واقعے کو ان الفاظ میں سراہا ہے:

بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپؐ سے درخت (سمرہ) کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا پس اللہ تعالیٰ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو ایک لگے ہاتھ فتح دے دی۔

سورۃ فتح ۱۸:۴۸

چونکہ مسلمانوں نے حضور ﷺ سے اپنی بے مثل وفاداری اور اطاعت کا وعدہ کر لیا تھا اس

marfat.com

لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح خیبر کی صورت میں انعام سے نوازا۔

جب اہل مکہ خصوصاً قریش کو بیعت رضوان کی خبر پہنچی تو وہ چوکنے ہو گئے۔انہیں پتہ چلا کہ اس بیعت کے مطابق تمام مسلمانوں نے حضورﷺ کے احکامات پر سختی سے عمل کرنے اور ان کے ایک اشارے پر اپنی جان تک قربان کرنی کی قسم کھالی ہے۔قریش کا خیال تھا کہ اس بیعت کا مقصد مکہ پر حملہ کرنا اور راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کا قلع قمع کرنا ہے۔ان کا خیال تھا کہ مسلمان تمام اہل مکہ کو ختم کر دیں گے اور رہے سہوں کو قیدی بنا لیں گے۔قریش غزوہ بدر، احد اور خندق میں حضورﷺ کی قائدانہ صلاحیتوں کا اظہار دیکھ ہی چکے تھے۔وہ مسلمانوں کی بہادری اور جانبازی سے خوفزدہ تھے۔ان کا خیال تھا کہ اگر مسلمانوں نے مکہ پر حملہ کیا تو مکہ ضرور فتح ہو جائے گا۔

انہوں نے ایک وفد حضورﷺ کی خدمت میں بھیجنے اور باہمی معاملات پر گفت وشنید کرنے کے لئے تیار کیا۔مکہ کے سردار حضورﷺ سے بات چیت کرنے پر پہلے ہی رضامندی کا اظہار کر چکے تھے۔

عروہ بن معود وہ پہلا شخص تھا جسے مکہ والوں نے حضورﷺ سے گفت وشنید کرنے کے لئے حدیبیہ بھیجا۔اس کا تعلق بنو ثقیف سے تھا اور وہ طائف کے سر برآوردہ لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ تاہم وہ مکہ میں آباد ہو چکا تھا۔جب عروہ بن معود حضورﷺ سے اسی درخت کے نیچے ملاقات کے لئے حاضر ہوا جس کے نیچے بیعت رضوان ہو چکی تھی اس نے حضورﷺ سے مسلمانوں کے مکہ آنے کا سبب پوچھا۔حضورﷺ نے جواب دیا کہ مسلمان صرف حج کے ارادے سے مکہ آئے ہیں لڑائی کے ارادہ سے نہیں۔پھر آپؐ نے عروہ کو قربانی کے لئے نشان لگائے گئے اونٹ ملاحظہ کرنے کا کہا۔

کچھ مسلمانوں کی معیت میں عروہ مسلمانوں کے خیموں تک گیا اور اونٹ دیکھ کر واپس آ گیا۔ایسا لگتا تھا کہ اسے اس بات پر یقین نہیں آ رہا کہ مسلمان صرف حج کرنے کے لئے مکہ آئے ہیں۔اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور انتہائی دلیری سے حضورﷺ کا چہرہ مبارک چھوتے ہوئے

marfat.com

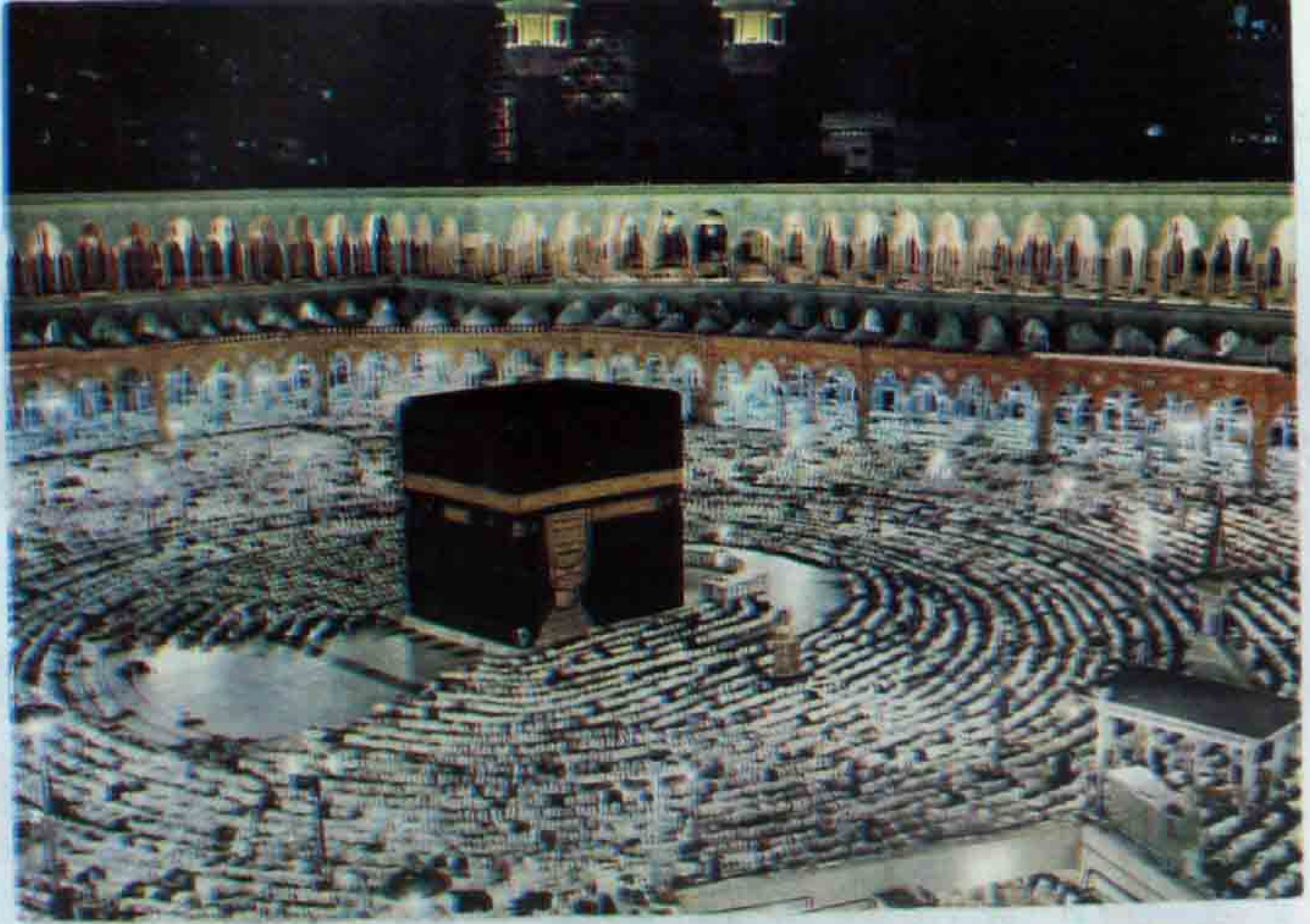

مکہ میں واقع بیت اللہ شریف۔ حجاج کرام بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے۔ کبھی وہ وقت تھا جب اس جگہ تین سو پچاس بت
پڑے ہوئے تھے۔ جن میں برہنہ عورتوں سے لے کر کتوں اور بھیڑیوں کے بت بھی شامل تھے۔

marfat.com

کہنے لگا، 'محمدؐ تمھیں یقین ہے یہ لوگ جنگ میں تمھارا ساتھ دیں گے اور تمھیں اکیلا نہیں چھوڑ جائیں گے؟'

اس پر ایک مسلمان مغیرہ بن شعبہ نے عروہ کے ہاتھ کو تلوار کی نوک سے پرے ہٹایا اور غصے سے بولا 'عروہ! تمیز سے۔ حضورعلیہ کے چہرے کو ہاتھ لگانے کی جرات نہ کرنا۔' عروہ فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ اس سے مخاطب ہوئے اور کہنے لگے 'عروہ! اگر تم سفارت کار کی حیثیت میں نہ ہوتے تو تمھیں قتل کر دیا جاتا۔ سنو! ہم حضورعلیہ کو چھوڑنے والے نہیں۔ اگر تم بدر اور احد میں ہوتے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہمیں اللہ کے رسولؐ سے کتنی محبت ہے۔ شاید تم ایسا سوال کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے۔'

یہ جواب پا کر عروہ بن معود مکہ واپس چلا گیا اور مسلمانوں کی حضورعلیہ کے ساتھ عقیدت و محبت قریش کے گوش گزار کر دی۔ اس نے کہا 'قریش کے داناؤ! میں نے روم کا دربار اور حبشہ کا بادشاہ دیکھا ہے۔ لیکن جو وفاداری مسلمانوں کے دلوں میں محمدؐ کے لئے ہے کہیں نہیں دیکھی۔'

عروہ بن معود کے بعد بنو کنعانہ کا ایک اور آدمی حدیبیہ پہنچا۔ وہ قریش کے نمائندے کے طور پر حضورعلیہ اور مسلمانوں سے ملنے آیا۔ تاکہ ان کی آمد کے مقاصد جان سکے۔

جب حضورعلیہ کو پتہ چلا کہ جو شخص مکہ سے آیا ہے اس کا تعلق بنو کنعانہ سے ہے تو حضورعلیہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ وہ قبیلہ ہے جس کے لوگ قربانی کے اونٹوں کی تکریم بجا لاتے ہیں۔ آپؐ نے حکم دیا کہ قربانی کے اونٹ اس کے سامنے لائے جائیں۔ مسلمانوں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سارے اونٹ اس آدمی کے سامنے کر دیئے۔ جبکہ خود تلبیہ یعنی 'لبیک اللھم لبیک' کی تکرار کرتے ہوئے پیچھے پیچھے چل پڑے۔

مکہ کے نمائندے نے جونہی یہ اونٹ دیکھے اور مسلمانوں کو تلبیہ پڑھتے سنا تو وہ مطمئن ہو کر واپس چلا گیا اور قریش سے کہنے لگا کہ اس نے شعار لگائے ہوئے جانور اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اور مسلمانوں کو حج کی تلبیہ کہتے بھی سنا ہے۔ اس لئے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ کعبۃ اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں اور یہ کہ ان کے راستے میں مزاحم نہ ہوا جائے۔

marfat.com

اس یقین دہانی کے باوجود قریش کی تشویش کم نہ ہوئی۔ وہ کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکے۔ اس لئے انہوں نے اس مقصد کے لئے ایک اور آدمی حدیبیہ بھیجا۔ اس بار یہ ذمہ داری احابیش کے سردار حلیس بن علقمہ کے سپرد تھی۔ حلیس کے قبیلے والے مکہ کے گردونواح میں آباد تھے۔ اور قریش حلیس بن علقمہ سمیت سب کی بہت عزت کرتے تھے۔ وہ اسے انتہائی ایماندار اور سچا انسان سمجھتے تھے۔

حلیس حدیبیہ روانہ ہوگیا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو حضور ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اسے جو چاہے جہاں چاہے دیکھنے دیا جائے۔ حلیس بن علقمہ نے دیکھا کہ تمام مسلمانوں نے احرام باندھ رکھے ہیں اور قربانی کے جانوروں کو نشان لگا رکھے ہیں۔ اسے فوج کشی کی کوئی علامت نظر نہ آئی بلکہ اس نے دیکھا کہ بھوک کے مارے کچھ اونٹ دوسرے اونٹوں کے بال نوچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

یہ سب دیکھ کر حلیس بن علقمہ فوراً مکہ پہنچا اور قریش کے اجتماع سے اپنے مشاہدات بیان کر دیئے: 'قریش کے سردارو! مسلمان صرف اور صرف زیارت کی خاطر سفر پر نکلے ہیں۔ ان کا اور کوئی مقصد نہیں۔ میرے خیال میں انہیں مکہ آنے دیا جائے تاکہ دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی خانہ کعبہ کی زیارت کر سکیں۔'

قریش نے جواب دیا کہ انہیں صرف حضور ﷺ سے خوف آتا ہے۔ اگر وہ مکہ داخل ہوئے تو ہوسکتا ہے شہر پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں۔ اس پر حلیس بن علقمہ نے بڑے اعتماد سے جواب دیا: 'میں اس بات کی ضمانت دینے پر تیار ہوں کہ محمدؐ اور ان کے ساتھی صرف اور صرف حج کرنے آئے ہیں۔ اگر ان کی نیت مکہ پر قبضہ کرنے کی ہوتی تو وہ خالی ہاتھ نہ آتے۔ اپنے ساتھ اسلحہ لاتے۔ ان کے خیموں میں مجھے ایک بھی تیر یا زرہ نظر نہیں آئی۔'

اس وضاحت کے باوجود قریش کے رؤساء نے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ اس پر حلیس غصے میں آگیا اور کہنے لگا: 'تمھارا یہ عمل نا قابل معافی گناہ ہے۔ تمھیں حاجیوں کو روکنے کا حق کس نے دیا ہے۔ تمھیں نہیں پتہ کعبہ کی زیارت دنیا کے ہر آدمی

marfat.com

کا حق ہے؟ ہاں کعبہ پر اس کا یقین ضرور ہو۔ تم کس حیثیت سے مسلمانوں کو روکتے ہو؟ کعبہ پر ان کا بھی اتنا ہی یقین ہے جتنا کہ تمھارا۔ اگر تم نے محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکا تو مجھے اپنے ساتھ نہ سمجھنا۔'

قریش کے کچھ سرداروں نے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی اور کہا: 'حلیس! تم ریگستان کے باشندے ہو۔ ایماندار اور سچے۔ لیکن تم کچھ سادہ طبیعت کے ہو۔ تم دوسروں کی نیت آسانی سے نہیں بھانپ سکتے۔ ہمیں کچھ اور صلاح مشورہ کرنے دو۔ ہم مکہ والوں کی بہتری کا کوئی نہ کوئی راستہ ڈھونڈ نکالیں گے۔'

marfat.com

صلح حدیبیہ

قریش نے ایک بار پھر اپنے سرداروں کو جمع کیا اور دو دن دارالندوۃ میں صلاح مشورہ کرتے رہے۔اسی دوران جو لوگ مسلمانوں کی سُن گن لگانے نکلے تھے واپس آئے اور حضور ﷺ سے مسلمانوں کی بے مثل عقیدت کا تذکرہ کیا۔ان کا کہنا تھا کہ اگر حضور ﷺ کسی کو پانی کا پیالہ لانے کے لئے کہتے ہیں تو سینکڑوں لوگ پانی لینے دوڑ پڑتے ہیں اور اگر کوئی پانی نہیں لا پاتا تو اپنے آپ کو انتہائی بد قسمت سمجھتا ہے۔انہوں نے بتایا کہ مسلمانوں میں جو چیز انہیں نظر آئی ہے کبھی کسی میں نظر نہیں آئی۔وہ خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے دن میں کئی کئی بار نماز پڑھتے ہیں۔اور ان کا نظم و ضبط انتہائی حیران کن ہے۔محمدؐ سے مسلمانوں کی عقیدت اتنی زیادہ ہے کہ وہ اس کے ایک اشارے پر اپنی جان تک قربان کر دیں۔

جب قریش کے سرداروں نے یہ باتیں سنیں تو گھبرا گئے۔دو دن اور دو راتوں کی گفت و شنید کے بعد انہوں نے سہیل بن عمرو کی قیادت میں ایک وفد حدیبیہ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ان کا خیال تھا کہ یہ وفد حضور ﷺ سے ضروری بات چیت کر کے مسلمانوں اور مکہ والوں کے درمیان ایک غیر جارحانہ معاہدہ مرتب کرے۔

جب حضور ﷺ نے سہیل بن عمرو کو آتے دیکھا تو اپنے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ اب معاملہ سہل یعنی آسان ہو گیا ہے۔عربی میں لفظ سہیل سہل سے اخذ کیا گیا ہے۔کئی دن کی گفت و شنید کے بعد آخر وہ دن آن پہنچا جب صلح حدیبیہ مرتب ہونا تھا۔حضور ﷺ نے اپنے داماد حضرت علیؓ کو معاہدے کے کاغذات تیار کرنے کے لئے بلایا۔

حضرت علیؓ نے قلم اٹھایا اور لکھنا شروع کیا۔

'بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'

marfat.com

یہاں سہیل بن عمرو نے مداخلت کی اور بولا: 'میں کسی رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتا۔ علیؓ صرف 'بسم اللہ' لکھے۔ کیونکہ صدیوں سے عربوں کے معاہدے اسی طرح شروع ہوتے آرہے ہیں'۔

حضرت علیؓ نے استفسار فرمایا: 'یارسولؐ اللہ! کیا حکم ہے؟' حضورﷺ نے ارشاد فرمایا: 'علیؓ صرف بسم اللہ لکھو'

حضورﷺ کے داماد نے آپؐ کے ارشاد پر لکھنا شروع کیا۔

'یہ معاہدہ محمدؐ رسول اللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے پاتا ہے'

سہیل بن عمرو نے ایک بار پھر ٹوکا اور حضرت علیؓ کو لکھنے سے منع کرتے ہوئے کہا 'ہم تو تمھیں اللہ کا رسولؐ مانتے ہی نہیں۔ اگر مانتے تو مکہ داخل نہ ہونے دیتے؟ یہ معاہدہ اس طرح لکھو: 'یہ معاہدہ محمدؐ بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے پاتا ہے'

حضرت علیؓ نے حضورﷺ کی جانب دیکھا۔ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا 'علیؓ! جیسے سہیل کہتا ہے لکھ دو تاکہ اس کی بات رہ جائے' سہیل نے اور کوئی اعتراض نہ اٹھایا کیونکہ صلح نامے کی دوسری شرائط پر پہلے سے اتفاق رائے ہو چکا تھا۔ حضرت علیؓ نے جو سمجھدار انسان، شستہ خطاط اور اسلام کے سربرآوردہ لوگوں میں شمار ہوتے تھے، اس طرح لکھنا شروع کیا:

بسم اللہ، یہ معاہدہ محمدؐ بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے پاتا ہے۔ جس کے مطابق اہل قریش اور مسلمانوں کے درمیان دس سال تک کوئی جنگ نہیں ہوگی۔

ان دس سالوں میں اگر قریش کی اجازت کے بغیر کوئی آدمی مسلمانوں سے آملے تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اسے قریش کو واپس کردیں گے۔ لیکن اگر کوئی مسلمانوں کو چھوڑ کر قریش سے جا ملے تو قریش اسے مسلمانوں کو واپس کرنے کے مجاز نہیں ہوں گے۔

ان دس سالوں میں طرفین میں سے کوئی بھی دوسرے کا جانی اور مالی نقصان نہیں کرے گا۔

marfat.com

اس دہائی کے دوران قریش جس سے چاہے اتحاد کر سکیں گے۔ اسی طرح مسلمان بھی اگر کسی اور گروہ سے اتحاد کرنا چاہیں تو کرنے کے حقدار ہوں گے۔

اس سال مسلمانوں کو مکہ داخل ہونے اور حج ادا کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ لیکن اگلے سال انہیں اس مقصد کے لئے آنے کی اجازت ہوگی۔ تاہم شرط یہ ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہیں کریں گے۔ اور تلوار کے علاوہ کوئی اسلحہ ساتھ نہیں لائیں گے۔

یہ صلح نامہ جو مسلمانوں اور قریش مکہ کے درمیان ۶ھ میں طے پایا اسلامی مورخین کے درمیان بحث کا موضوع بنا رہا ہے۔ اس وقت کے مسلمان اس صلح نامے سے بہت رنجیدہ ہوئے تھے۔ کچھ مسلمانوں نے تو اس صلح نامے کو اپنی شکست اور ہتک قرار دیا تھا۔

مسلمان اس وقت حالت احرام میں تھے اور انہوں نے اونٹوں کو شعار لگا رکھے تھے۔ وہ مکہ میں داخل ہونے اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ کچھ مسلمان تو مکہ کے پرانے رہائشی تھے۔ انہیں یقین تھا کہ ان کی امیدیں بر آئیں گی۔ لیکن صلح نامے کی ایک شرط نے انکی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ تمام انصار اور مہاجر اپنے دلوں میں کسی نہ کسی طرح خفا تھے۔ وہ اپنے نبیؐ کی انتہائی زیادہ تکریم بجالاتے تھے اس لئے منہ سے کوئی اظہار نہ کر سکے۔

حضرت عمرؓ اتنے کھرے اور مخلص انسان تھے کہ اپنے جذبات کو چھپا نہیں سکتے تھے۔ جو کچھ آپؓ کے دل میں ہوتا آپؓ اسے زبان پر ضرور لاتے۔ اس بار بھی آپ حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی 'یا رسولؐ اللہ! کیا آپؐ نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم مکہ جائیں گے اور کعبہ کا طواف کریں گے؟' حضورﷺ نے جواب دیا 'اے عمر! یقیناً میں نے کہا تھا۔ لیکن میں نے یہ کب کہا تھا کہ ہم اسی سال مکہ داخل ہوں گے؟'

'تو پھر ہم کب مکہ جائیں گے اور خانہ کعبہ کا طواف کریں گے؟' حضرت عمرؓ نے استفسار فرمایا۔ حضورﷺ نے جواب دیا 'اگر اللہ نے چاہا تو ہم اگلے سال مکہ آئیں گے اور خانہ کعبہ کا طواف کریں گے'

marfat.com

سہیل بن عمرو جو قریش کے وفد کا سردار بن کے انکی طرف سے صلح نامے پر دستخط کرنے آیا تھا اس کا ابو جندل نامی ایک بیٹا تھا۔ وہ اپنے باپ کو خبر کئے بغیر مسلمان ہو چکا تھا۔

صلح حدیبیہ پر دستخط والے دن ابو جندل مکہ سے بھاگ کر مسلمانوں سے آملا۔ اس نے بتایا کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے اور اب ان کا مذہبی بھائی ہے۔ جب وہ مسلمانوں کے پاس آیا تو سہیل بن عمرو نے مسلمانوں سے اسے واپس کرنے کا مطالبہ کیا۔ وہ بولا 'معاہدے کے مطابق اگر کوئی قریش سے بھاگ کر تمھارے پاس پناہ لیتا ہے تو تمھارا فرض ہے کہ تم اسے واپس کرو گے۔ اس لئے میرا بیٹا ابو جندل مجھے واپس کیا جائے۔' حضورﷺ ابو جندل کو اپنے پاس نہ رکھنے اور واپس کرنے پر مجبور تھے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو معاہدہ کالعدم قرار دیا جائے گا۔ آپؐ نے ابو جندل کو اس کے باپ کے حوالے کر دیا۔ ابو جندل نے درخواست کی 'یا رسولؐ اللہ میرا باپ مجھے مار ڈالے گا۔'

اسے تسلی دیتے ہوئے حضورﷺ نے ارشاد فرمایا 'ابو جندل! فکر نہ کرو۔ اللہ تمھاری حفاظت کرے گا اور کوئی رستہ نکالے گا۔' ابو جندل موت سے بچ گیا اور زندہ رہا۔ اس واقعے کے بعد مسلمانوں میں غصے کی ایک لہر سی پھیل گئی۔ پہلے انہیں حج سے محروم کیا گیا اور اب ان کے مذہبی بھائی کو مدد دینے سے انکار کر دیا گیا۔ اگر انہوں نے یہ وعدہ نہ کیا ہوتا کہ چاہے انہیں کچھ سمجھ آئے یا نہ آئے وہ ہر معاملے میں حضورﷺ کی اطاعت بجا لائیں گے تو شاید جذبات میں آکر وہ یہ سارا معاہدہ توڑ دیتے۔ صرف اور صرف بیعت رضوان انہیں ایسا کرنے سے روکتی رہی اور ان کی بیقراری اندرونی غم و غصے سے آگے نہ بڑھ سکی۔

عام مسلمانوں کو حضورﷺ کی سیاسی بصیرت کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ ان بے شمار فوائد کو سمجھ نہ سکے جو دس سالہ صلح حدیبیہ کے دوران انہیں میسر آنے والے تھے۔

اس معاہدے نے مدینہ کو معاشی مقاطعہ سے نجات دلائی اور اس کے قافلے دوبارہ تجارتی مقاصد کے لئے سفر کرنے کے قابل کئے۔ مسلمانوں کو اپنی مرضی سے جس کے ساتھ چاہیں اتحاد کرنے کا موقع ملا۔ مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن قریش تھے۔ اس معاہدے کی وجہ سے

marfat.com

مسلمانوں کو ان سے بھی سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا۔

عام مسلمان حیران تھے کہ حضور ﷺ نے بغیر خون بہائے اور کوئی نقصان اٹھائے اتنے بڑے سیاسی فوائد کیسے حاصل کر لئے۔ لیکن جذباتی طور پر وہ مکہ میں داخل ہونے پر پابندی کو اپنی شکست اور ہتک محسوس کر رہے تھے اور کیونکہ وہ قریش کے مظالم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اس لئے انہیں ابو جندل کی واپسی بہت گراں گزری۔ ان کا اصول تھا کہ وہ زیر پناہ آدمی کی حفاظت چاہے وہ کوئی بھی ہو اپنی جان و مال کی قربانی دے کر بھی کیا کرتے تھے۔

حضور ﷺ نے دیکھا کہ مسلمانوں کو اس بات سے بہت رنج پہنچا ہے۔ اس لئے آپؐ نے انہیں ایک بار پھر حدیبیہ کے مقام پر جمع ہونے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا:

'یہ معاہدہ جو قریش اور ہمارے درمیان طے پایا ہے ایک طرح کی فتح مبین ہے۔ ایک ایسی فتح جو غیر متوقع اور شاندار ہے۔ اس لئے تمہیں رنج کس بات کا ہے؟'

صلح حدیبیہ کے وقت ایک آیت مبارکہ نازل ہوئی جس کے الفاظ تھے:

بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی۔

سورۃ فتح ۱: ۴۸

کچھ اسلامی مفکرین کا خیال ہے کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے بعد واقع ہونے والی فتح مکہ پر نازل ہوئی۔ لیکن کچھ کا خیال ہے کہ اس کا تعلق فتح خیبر سے ہے۔ لیکن ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ آیت حدیبیہ کی کامیاب صلح پر نازل ہوئی۔

حضور ﷺ کے ارشاد مکمل کرنے سے پہلے ایک مسلمان انتہائی غمزدہ لہجے میں بولا 'ہمیں حج سے محروم کر دیا گیا اور اب ہم خانہ کعبہ کا طواف کرنے سے بھی گئے۔' حضور ﷺ نے جواب دیا 'ہم اپنے اونٹ یہیں قربان کریں گے۔ میں اپنا سر منڈھوا کر احرام اتاروں گا۔ تم بھی یہی کرو۔ اپنے سر منڈھواؤ اور احرام اتار دو۔'

ایک اور مسلمان نے مزید وضاحت چاہی 'یا رسول اللہ! ہمیں ابو جندل کو قریش کے حوالے کرنے کی وضاحت فرما دیں اور یہ بھی بتا دیں کہ اگر قریش کا کوئی آدمی ہمارے پاس پناہ لیتا ہے تو

marfat.com

ہم اسے واپس کرنے پر مجبور ہیں لیکن اگر ہمارا کوئی آدمی ان کی طرف بھاگ جائے تو وہ ہمیں واپس نہیں ملے گا۔ کیا وجہ؟' حضورﷺ نے انتہائی تحمل سے جواب دیا' ابو جندل کو حالیہ صلح نامے کی رُو سے واپس کیا گیا ہے اس لئے اس میں مسلمانوں کے لئے کوئی بے عزتی یا ہتک کی بات نہیں۔ علاوہ ازیں مجھے یقین ہے ابو جندل کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔ اللہ کی مشیت اسے زندہ رکھنے میں ہے لیکن اگر اسے قتل کر دیا گیا تو اسے ابدی زندگی سے نوازا جائے گا۔ وہ شہادت کے منصب پر سرفراز ہوگا اور سیدھا جنت میں جائے گا۔ جہاں تک اس شرط کا تعلق ہے کہ جو ہم سے بھاگ کر مکے والوں کے پاس جائے مکہ والے اسے ہمارے حوالے نہ کریں اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص اسلام کو چھوڑ کر جائے گا اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اس کی ہمارے ساتھ کوئی رشتہ داری نہیں۔ ایسا شخص کسی طرح بھی ہمارے لئے موافق اور فائدہ مند نہیں بلکہ وہ شریر اور دھوکے باز ہے۔ یہ معاہدہ ہماری عظیم الشان فتح ہے اسکے ذریعے ہم دس سال تک قریش کی سازشوں سے بچے رہیں گے۔ ان دس سالوں میں ہم قریش سے بے خوف مدینہ کے گردونواح میں آباد دوسرے قبائل کو اسلام کی دعوت دے سکیں گے۔ مزید یہ کہ ہم اپنی مرضی کے مطابق جس سے چاہیں اتحاد کر سکیں گے۔ سب سے بڑا اور فوری فائدہ تو یہ ہے کہ مدینہ جو معاشی مقاطعہ کا شکار تھا دوبارہ آزاد ہو جائے گا اور ہم اپنے آپ کو معاشی طور پر مضبوط کر سکیں گے۔'

ایک اور مسلمان نے انتہائی مودب انداز میں پوچھا' یارسول اللہؐ! آپؐ نے معاہدے پر یہ کیوں لکھوایا کہ یہ معاہدہ محمدؐ رسول اللہ کی بجائے محمدؐ بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے پا رہا ہے؟' حضورﷺ نے ارشاد فرمایا' تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں نے جان بوجھ کر محمدؐ بن عبداللہ لکھوایا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ میں اللہ کا رسولؐ نہیں رہا۔ اگر سمجھو تو ہم مسلمانوں کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ میں نے قریش کی خواہش کے مطابق اپنے آپ کو رسولؐ اللہ نہیں لکھوایا۔ ان کی خواہش ایک بچگانہ خواہش تھی۔ اگر ہم اسے قبول نہ کرتے تو ہمارا انکار ایک بچگانہ انکار ہوتا۔ اس لئے میں نے ان کی خواہش کو مان لیا اور ایسا کرنے سے ہمیں کوئی نقصان بھی نہیں ہوا بلکہ ہم اپنا مقصد حاصل کرنے یعنی قریش کے خطرے سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اب

marfat.com

ہم بغیر کسی مزاحمت کے اسلام کی تبلیغ کر سکتے ہیں۔ دریں اثناء ہمیں اپنے آپ کو مضبوط اور طاقتور بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

حضرت عمرؓ کے اندر ابھی تک کشمکش جاری تھی۔ آپؓ یہ کہنے سے رک نہ سکے'یا رسولؐ اللہ! کیا ہمارا مذہب حق اور کافروں کا باطل نہیں ہے؟ اگر یہ ٹھیک ہے تو سچا مذہب نرم رویہ اختیار کرتے ہوئے جھوٹے مذہب کی ہر بات قبول کیوں کرلے؟'

کچھ عرصہ بعد حضرت عمرؓ بھی صلح حدیبیہ کے فوائد کو محسوس کرنے میں کامیاب ہو گئے اور آپؓ کو علم ہو گیا کہ کس طرح حضور ﷺ نے مسلمانوں کے لئے صلح حدیبیہ کی صورت میں سیاسی فتح حاصل کی ہے۔ اس صلح کے نتیجے میں حاصل ہونے والے امن کے زیر سایہ مسلمانوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ کی اور بہت سے قبیلوں کو حلقہ بگوش اسلام کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

جب مسلمان مدینہ واپس جا رہے تھے ایک اور مسلمان مکہ سے بھاگ کر ان سے آملا۔ وہ بھی مسلمانوں سے پناہ کا خواستگار تھا۔ پہلے پہل حضور ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ ایسا لگتا تھا آپؐ اسے قریش کی ایک چال سمجھ رہے ہیں کہ قریش نے مسلمانوں کے خلوص کا اندازہ لگانے کے لئے جان بوجھ کر اس آدمی کو ان کے پاس بھیجا ہے۔ تھوڑی بہت تحقیق کے بعد ثابت ہوا کہ وہ آدمی واقعی مسلمان ہے اور اس کا نام ابو بصیر ہے۔ قریش کے مظالم سے تنگ آ کر آخر کار وہ مسلمانوں سے آملا تھا۔ اس نے ابھی تک سانس بھی درست نہیں کیا تھا کہ قریش کے دو آدمی اس کے پیچھے آئے اور کہنے لگے 'محمدؐ! حالیہ صلح نامہ کے تحت ابو بصیر ہمارے حوالے کر دو۔'

حضور ﷺ نے ابو بصیر کو ان کے حوالے کر دیا۔ مکہ سے آنے والے ان دو آدمیوں نے ابو بصیر کو اونٹ پر باندھا اور دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گئے۔

ابو بصیر ایک مضبوط اور بہادر آدمی تھا۔ راستے میں اس نے اپنی رسیاں توڑیں اور اپنے آپ کو آزاد کر لیا۔ وہ اپنے اونٹ سے نیچے اترا اور دونوں میں سے ایک محرس کو مار گرایا۔ دوسرا بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ ابو بصیر مسلمانوں سے دوبارہ آملا۔ اس بار نا صرف وہ قریش کی حراست سے بھاگا تھا بلکہ ایک آدمی کو بھی مار آیا تھا۔ اب اس کے ذمہ مقتول کا تاوان بھی واجب

marfat.com

الا دا تھا۔

اگلے دن جو آدمی بھاگ نکلا تھا دوبارہ مسلمانوں کے پاس آیا اور ابو بصیر کو حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضورﷺ نے ابو بصیر کو اس کے ساتھ جانے کا حکم دیا لیکن اس سے پہلے کہ قریش کا نمائندہ اسے اپنے قبضے میں لیتا، ابو بصیر پھر بھاگ کھڑا ہوا۔

مکہ واپس جانے کی بجائے اس بار ابو بصیر نے صحرا میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا۔ وہ ایک قتل کر چکا تھا اور مکہ جانے کا مطلب اپنی زندگی کو موت کے منہ میں دھکیلنے کے مترادف تھا۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ مدینہ بھی نہیں جا سکتا تھا۔ مسلمان صلح حدیبیہ سے مجبور تھے اور قریش کے تقاضے پر انہوں نے پھر اسے ان کے حوالے کر دینا تھا۔ ایک عرب شاعر صنفرہ نے ابو بصیر کی سوچوں کو اس طرح شعروں کی شکل دی ہے:

'بھائیو! میرے پیچھے نہ آؤ۔ اب میں ویرانوں کی پناہ اور نئے دوستوں کا ساتھ ڈھونڈنے جا رہا ہوں۔

دوستو! مجھے تلاش نہ کرو کیونکہ تنہائی میرا مقدر ہے۔ میرا راستہ اندھیرے سے ہو کر گزرتا ہے۔ اور آج سے میرے دوست صحرا میں شکاری کتوں اور بھیڑیوں کی طرح مجھے ڈھونڈتے پھریں گے۔'

بہر حال قریش سے بھاگ کر ابو بصیر ذوالمروۃ نامی علاقے میں چلا گیا۔ اس نے یہیں قیام کرنے اور زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔ کچھ دنوں بعد ابو جندل بھی بھاگ کر ابو بصیر کے پاس ذوالمروۃ آ گیا۔ ایک اور مسلمان عتبہ بن سعد بھی مکے سے بھاگ کر وہاں پہنچ گیا۔ آہستہ آہستہ دوسرے مسلمان بھی مکے سے بھاگ کر اس جگہ پہنچنے لگے۔ ان لوگوں نے ایک علیحدہ سا اسلامی گروہ تشکیل دے لیا۔ ان لوگوں کی سرگرمیاں حالیہ صلح حدیبیہ کی شرائط کے زیر اثر نہیں آتی تھیں کیونکہ ذوالمروۃ نہ مکہ کا حصہ تھا اور نہ اسلامی سلطنت کا۔ ان کی ذمہ داری کسی طرح بھی حضورﷺ پر عائد نہیں ہوتی تھی۔ ایک سال بھی نہیں گزرا ہوگا کہ ذوالمروۃ میں مسلمانوں کی تعداد اچھی خاصی ہو گئی۔ انہوں نے اپنی فوج تشکیل دی اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے مکی

marfat.com

قافلوں کے راستے میں مزاحم ہونے لگے۔ان مسلمانوں نے قریش کو اتنا تنگ کیا کہ آہستہ آہستہ قریش نے ہتھیار ڈال دیئے۔ انہوں نے حضورﷺ سے درخواست کی کہ وہ ذوالمروۃ میں مقیم لوگوں کو مدینہ بلالیں۔وہ صلح نامہ کی رو سے ان کا مطالبہ نہیں کریں گے۔حضورﷺ نے قریش سے کہا کہ وہ اپنی یہ بات لکھ کر پیش کریں۔اس طرح صلح حدیبیہ کی وہ شرط جسے مسلمان اپنے لئے بے عزتی محسوس کرتے تھے اپنے آپ کالعدم قرار پاگئی۔

قریش نے تحریری طور پر اقرار کیا کہ مکہ سے بھاگ کر مسلمانوں سے ملنے والا شخص انہیں واپس نہیں کیا جائے گا۔یہاں مسلمانوں کو احساس ہوا کہ وہ کس قدر غلطی پر تھے۔صلح حدیبیہ واقعی ایک عظیم الشان فتح تھی۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب حضورﷺ مدینہ واپس ہوئے تو مکہ کو شدید خشک سالی نے آلیا۔سارے عرب میں صرف ایک قبیلہ تھا جس کے علاقے اشیائے خوردونوش کے گودام سمجھے جاتے تھے۔اس قبیلے کے نام یمامہ تھا اور اس کا سردار مسلمان ہو چکا تھا۔اس بناء پر اس نے مکہ والوں کو اشیائے خوردونوش بیچنے پر پابندی لگادی۔خشک سالی کے آتے ہی مکے والے حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے قبیلے کے سردار کو اشیائے خوردونوش بیچنے کے معاملے میں پڑنے کی درخواست کرنے لگے۔حضورﷺ نے ان کی درخواست قبول کر لی اور یمامہ کے سردار کو ہدائت کی کہ وہ مکے والوں کو اشیائے خوردونوش بیچنے کے معاملے میں لگائی گئی پابندی اٹھا لے۔ساتھ ساتھ حضورﷺ نے خود پانچ سو سونے کے سکے مکے والوں کو بھیجے تاکہ وہ انہیں غریبوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیں۔

جب ابوسفیان کو معلوم ہوا کہ حضورﷺ نے سونے کے سکے بھیجے ہیں تو اس نے سمجھا کہ شاید حضورﷺ ایسا کر کے مکہ والوں کے دل جیتنا چاہتے ہیں۔پانچ سو سونے کے سکوں کے علاوہ حضورﷺ نے ابوسفیان کو بہت زیادہ مقدار میں کھجوروں کی پیداوار بھیجی اور یہ پیغام دیا کہ کھجوروں کے بدلے میں وہ انہیں چمڑا اور کھالیں بھیجے۔ابوسفیان کے پاس کچھ چمڑا اور کھالیں تھیں۔قحط زدہ شہر میں جہاں ہر ایک اپنی بھوک مٹانے کے لئے کھجوروں یا روٹی کے ٹکڑوں کی تلاش میں تھا ابو

marfat.com

سفیان سے چمڑہ خریدنے میں کسی کو دلچسپی نہیں تھی۔ ابو سفیان نے کھجوریں واپس بھیجنے کی کوشش کی لیکن ایسا نہ کر سکا کیونکہ مکے والوں کو اس سارے معاملے کا علم ہو چکا تھا۔ وہ بھوک سے مر رہے تھے وہ ابو سفیان کو کس طرح ایسا کرنے کی اجازت دے سکتے تھے۔ ابو سفیان کو کھجوریں قبول کرنا پڑیں اور ان کے بدلے میں چمڑہ بیچنا پڑا۔

جب مکے والوں کو علم ہوا کہ کھجوریں حضور ﷺ نے بھیجی تھیں تو ان کے دل حضور ﷺ کی محبت سے بھر گئے۔ قریش جو مکہ کے طبقہ امراء میں سے تھے اور حضور ﷺ سے کئی بار اپنی دشمنی کا اظہار کر چکے تھے آپؐ کے اس فعل سے متعصبانہ طور پر مرعوب نہ ہوئے۔

حضور ﷺ کو یہ علم تھا کہ قریش والے ان کے دشمن ہیں اس کے باوجود آپؐ نے ان کے ساتھ صحت مندانہ روابط پیدا کرنے کی کوشش کی۔ آپؐ اسلام کی اشاعت کے لئے ایسے تعلقات بہت ضروری خیال کرتے تھے۔ نبیؐ کو ویسے بھی اللہ سے اتنی محبت ہوتی ہے کہ وہ اس کی خاطر کچھ بھی دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ یہودیوں کی کتاب تالمود میں لکھا ہے کہ اللہ اپنے نبیؐ سے توقع کرتا ہے کہ وہ اسے اپنے دل و جان سے اتنا عزیز رکھے کہ اس کے لئے اپنے نام سے لے کر اپنی زندگی تک ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

اسی دوران حضور ﷺ کو ابو سفیان کی بیٹی اور عبید اللہ بن جحش کی بیوی ام حبیبہ کے بیوہ ہونے کی اطلاع موصول ہوئی۔ عبید اللہ بن جحش پہلے حنیف تھا پھر دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ حبشہ ہجرت کی۔ حبشہ قیام کے دوران وہ اسلام سے مرتد ہو گیا لیکن ام حبیبہؓ اسلام پر قائم رہیں۔ جب وہ ام حبیبہؓ کو بیوہ چھوڑ کر فوت ہوا تو حضور ﷺ نے آپؓ سے نکاح کا فیصلہ کر لیا۔ آپؐ کو معلوم تھا کہ اس شادی کے بعد آپؐ ابو سفیان کے داماد بن جائیں گے۔ ایک بار حضور ﷺ کے ساتھ یہ رشتہ استوار ہو گیا تو بنو امیہ کے تمام لوگ حضور ﷺ کے رشتہ دار شمار ہوں گے۔ وہ آپؐ کے خلاف اپنی دشمنی کا برملا اظہار نہیں کر سکیں گے۔ حضرت ام حبیبہؓ حبشہ میں جبکہ حضور ﷺ مدینہ میں قیام پذیر تھے۔ حضور ﷺ کا خیال تھا کہ مکہ واپسی پر ابو سفیان اور بنو امیہ کے دوسرے لوگ اس شادی پر رضامندی کا اظہار نہیں کریں گے اس لئے آپؐ نے اپنی طرف سے

marfat.com

شادی کا پیغام دے کر ایک آدمی کو حبشہ روانہ کیا۔

حضور ﷺ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے نام ایک خط لکھا جس میں درج تھا کہ ایک قاصد حضرت ام حبیبہؓ سے شادی کی رضامندی معلوم کرنے آئے گا۔ اگر جواب ہاں ہو تو وہ حضرت ام حبیبہؓ کی شادی کے خطبات پڑھے کیونکہ وہ اس کے ملک میں مقیم ہیں۔

حضرت ام حبیبہؓ نے شادی پر رضامندی کا اظہار کیا۔ نجاشی نے حضور ﷺ کی ہدایات کے مطابق حضور ﷺ کی حضرت ام حبیبہؓ سے شادی کے خطبات پڑھے۔ کچھ دنوں بعد ابوسفیان کی بیٹی جو حضور ﷺ کی بیوی بن چکی تھیں حبشہ سے مدینہ روانہ ہو گئیں۔

قریش کو اس شادی کی اطلاع پہنچ گئی لیکن وہ حضرت ام حبیبہؓ کو مدینہ جانے سے روک نہیں سکتے تھے۔ وہ حضور ﷺ کی بیوی بن چکی تھیں۔ سارے عربوں کو پتہ تھا کہ بیوی کو اپنے شوہر کے پاس جانے سے نہیں روکا جا سکتا۔

اس شادی نے قریش کے قبول اسلام میں کلیدی کردار ادا کیا۔ چونکہ ام حبیبہؓ ابوسفیان کی بیٹی تھیں اس لئے قریش کے تمام معتبر خاندانوں سے آپؓ کے تعلقات تھے۔ جب کبھی ابوسفیان نے اسلام کے خلاف منہ کھولنا چاہا اسے یہ یاد کرنے پر مجبور کیا گیا کہ وہ کسی ایسے آدمی کی مخالفت کرنے والا ہے جو اس کے خاندان سے منسلک ہے۔ اس طرح ابوسفیان کو ہر بار خاموشی کے گھونٹ پینے پڑے۔

دوسری طرف صلح حدیبیہ نے حضور ﷺ کو یہودیوں کی مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا جواب دینے کے مواقع فراہم کئے۔ مکہ کے لوگ مسلمانوں کی دشمنی یا دوستی میں غیر جانبدار رہنے پر مجبور تھے۔ اس لئے مسلمان مکہ والوں سے مرعوب ہوئے بغیر یہودیوں سے اپنی شرائط منوا سکتے تھے۔ یہ صلح حدیبیہ سے حاصل ہونے والا ایک اور فائدہ تھا۔

marfat.com

غزوہ خیبر

خیبر کا شہر مدینہ سے شمال کی طرف ۱۲۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا۔ مسلمانوں اور مکہ والوں کے درمیان معاہدہ امن کے باوجود خیبر کے یہودی بدستور اپنی سازشوں میں مصروف رہے۔ وہ ابھی تک مسلمانوں کے تجارتی قافلوں کو خیبر کے علاقوں سے نہیں گزرنے دیتے تھے جس کی وجہ سے مسلمان شمال کے ممالک سے تجارتی تعلقات قائم نہیں کر پائے تھے۔

مسلمان اگر قریش کی مدد کے بغیر انفرادی طور پر یہودیوں کے مقابلے پر آتے تو انکا سامنا کرنے کے لئے یہودیوں کے پاس خاصی فوجی طاقت تھی۔

حضور ﷺ مشرکینِ مکہ کے ساتھ امن معاہدہ کی طرز پر خیبر کے یہودیوں کے ساتھ بھی کسی امن معاہدہ کے خواہاں تھے لیکن یہودی کسی بھی طرح اس پر آمادہ نہیں تھے۔ وہ یہودی جنہیں مدینہ سے نکال دیا گیا تھا بعد ازاں خیبر میں جمع ہو گئے اور مسلمانوں کے کھلے دشمن بن گئے۔ خیبر میں نہ صرف پانی کی فراوانی تھی بلکہ خیبر کی زمین بھی خطے کی زرخیز ترین زمینوں میں شمار ہوتی تھی۔ خیبر سے باہر کی زمین بے آب و گیاہ پہاڑی ٹیلوں پر مشتمل تھی۔ ایسے علاقے سے گزرنا خاصا مشکل کام تھا۔

عربی لغت میں خیبر کا مطلب قلعہ ہے۔ اس علاقے میں آٹھ قلعے تھے۔ جنگ کی صورت میں خیبر کے لوگ خاصی بڑی فوج جمع کر سکتے تھے۔ خیبر کا شہر ایک قدیم شہر تھا۔ ۵۳۰ عیسوی تک اس علاقے پر عربوں کا خاصا اثر و رسوخ تھا۔ ۵۳۰ عیسوی میں خیبر کے باشندوں نے ابونواس کے ساتھ ایک معاہدہ کر لیا تھا جس کے بعد یہودیوں کا عمل دخل بڑھنے لگا۔ یہودیوں نے اس علاقے کی ترقی میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور رفتہ رفتہ یہاں کی اکثریت بن گئے۔ جب حضور ﷺ نے خیبر کو فتح کرنے کا فیصلہ کیا تو خیبر کے شہر میں ایک بھی عرب باشندہ نہیں تھا۔

marfat.com

خیبر کے یہودی بہت امیر تھے۔ یہ شہر ایک بڑا تجارتی مرکز تھا۔ خیبر کے سناروں کو عرب میں بہت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ عرب کے امراء کو زیورات فروخت کرتے اور ضمانت کے تحت عاریتاً پہننے کے لئے بھی دے دیتے۔ یہودیوں نے اس تجارت میں اچھی خاصی ساکھ بنائی تھی۔ اگرچہ خطے کے شمال اور جنوب میں اور بھی بہت سے سنار تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی یہودیوں کے پائے کا نہیں تھا۔ خیبر کا علاقہ بہت گرم مرطوب تھا اور باہر سے آنے والے اکثر یہاں کے پانی سے بیمار ہو جاتے تھے۔

اصل میں یہ ملیریا کی بیماری تھی اور اس وقت کے لوگ اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ اس بیماری کا اصل سبب مچھر تھے۔ یہودی مقامی بدوؤں سے کہا کرتے تھے کہ خیبر میں بیماری سے محفوظ رہنے کے لئے ہر کسی کو شہر میں داخل ہونے سے پہلے سجدہ کرنا چاہئے۔

اس زمانے میں لوگ اس بیماری سے محفوظ رہنے کے لئے یہی طریقہ کار اختیار کرتے تھے۔ وہ کبھی گدلا پانی نہیں پیتے تھے۔ اگر صاف پانی دستیاب نہ ہوتا تو شراب استعمال کرتے۔ وہ لہسن استعمال کیا کرتے تھے جس کے بارے میں جدید تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ اس میں جراثیم کش خصوصیات ہوتی ہیں۔ وہ اونچے مقامات پر رہائش اختیار کرتے اور سمجھتے کہ وہاں بیماری ان پر حملہ نہیں کرے گی۔ موسم گرما میں وہ خیبر سے چلے جاتے اور خزاں کے موسم میں واپس آ جاتے جب وہاں مچھروں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہوتی۔ اس بیماری کا سبب مچھر ہونے کی حقیقت سے بے خبر ہونے کے باوجود وہ یہ تمام اقدامات کرتے تھے۔

جب یہودیوں کو مسلمانوں اور قریش مکہ کے درمیان دس سالہ معاہدہ امن کی اطلاع ملی تو وہ خوفزدہ ہو گئے۔ اس سے پہلے انہیں اطمینان تھا کہ ان کے اور مکہ والوں کے درمیان یہ معاہدہ ہے کہ اگر دونوں میں سے کسی بھی فریق پر مسلمان حملہ کریں گے تو دونوں ایک دوسرے کی فوجی مدد کریں گے۔ صلح حدیبیہ کے بعد یہودیوں اور مشرکین مکہ کے درمیان معاہدہ خود بخود ختم ہو گیا۔ اس طرح یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ اب ان کے لئے مسلمانوں سے مقابلہ ناگزیر تھا۔ انہوں نے اپنے آٹھوں قلعوں میں ضروریات زندگی جمع کر لیں اور ان کے ہزاروں فوجی سر سے پاؤں تک مسلح ہو

marfat.com

کر حضورﷺ کی معیت میں روانہ ہونے والے چودہ سو مسلمان مجاہدین کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس دوران اسلامی فوج بنو خفتان اور بنو فزارہ کے علاقوں سے گزری۔ دونوں قبیلے قریش کے حلیف تھے۔ جب حضورﷺ خیبر کی طرف پیش قدمی فرما رہے تھے تو معاہدہ کے مطابق ان دونوں قبیلوں کو یہودیوں کی مدد کرنی چاہئے تھی، لیکن وہ مسلم فوج کے ولولے سے خوفزدہ ہو گئے اور غیر جانبدار رہنے کا وعدہ کر لیا۔ انہوں نے قریش سے اپنی وفاداری کو شک میں ڈالے بغیر مسلمانوں سے سمجھوتہ کر لیا۔ وہ بدر، احد اور خندق کے غزوات میں مسلمانوں کی بہادری سے بخوبی آگاہ ہو چکے تھے۔ ایسے بہادر آدمیوں سے لڑائی چھیڑنا ان کے حق میں بہتر نہیں تھا۔

جب اسلامی فوج خیبر پہنچی تو حضورﷺ مسلمانوں سے اس طرح مخاطب ہوئے:

'ہمارے پاس ان عظیم اور مضبوط قلعوں کو فتح کرنے کے لئے ضروری اسباب میسر نہیں ہیں۔ ہمارے پاس صرف تلواریں، کمانیں اور تیر ہیں۔ ان ہتھیاروں سے پتھروں کے بنے ہوئے یہ قلعے ڈھائے نہیں جا سکتے نہ ہم یہودیوں کو سرنگوں ہونے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ ہم صرف محاصرہ کر سکتے ہیں اور ان کے قلعوں سے گزرنے والی نہروں پر پشتے ڈال سکتے ہیں۔ اگر یہودیوں کو پانی نہ ملا تو وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائیں گے؛

مسلمانوں نے قلعوں پر ایک ایک کر کے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب انہوں نے محاصرے کا آغاز کیا تو یہودیوں نے منجنیقوں کے ذریعے پتھر پھینکنے شروع کر دیئے۔ (منجنیق ایک غلیل نما ہتھیار تھا جو دشمن پر پتھر پھینکنے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔)

خیبر کے یہودی پتھروں کو گول شکل دینے اور منجنیق سے نیچے پھینکنے کے فن سے آگاہ تھے۔ انہوں نے مسلمانوں پر شدید گولہ باری کی یہاں تک کہ لگتا تھا مسلمان اس کا سامنا نہیں کر سکیں گے۔ یہاں ایک بار پھر حضورﷺ کی جنگی حکمت عملی کام آئی۔ آپؐ نے قلعوں کی دیواروں تک پہنچنے کے لئے متحرک قسم کے چبوترے بنانے کا حکم دیا۔ ان متحرک چبوتروں نے مسلح گاڑیوں کا کام دیا۔ اس طرح قلعے کی دیواروں تک پہنچ کر مسلمان محفوظ ہو جاتے۔ منجنیقیں کچھ فاصلے پر

marfat.com

موجود چیزوں کو تو نقصان پہنچا سکتی تھیں لیکن دیواروں کے عین نیچے کھڑے ہوئے مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتی تھیں۔ دیواروں کے نیچے کھڑے ہوئے مسلمانوں کو صرف اسی صورت میں خطرہ تھا جب ان پر پتھر قلعے کے برجوں سے پھینکے جاتے اور وہ بھی ان چھوٹے چھوٹے سوراخوں سے جو غالباً اسی مقصد کے لئے بنائے ہوئے تھے۔ دوسری ہر صورت میں دیوار ایک مفید پناہ گاہ تھی۔

جہاں تک اسلامی فوجوں کے علم جنگ کا تعلق تھا حضورﷺ نے فرمایا کہ آپ علم جنگ اس شخص کو دیں گے جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسولؐ اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ تمام مسلمان حاضر ہوئے لیکن آپؐ نے حضرت علیؓ کو بلایا۔ حضرت علیؓ کی آنکھیں دکھ رہی تھیں لیکن آپؐ نے علم جنگ ان کے ہاتھ میں تھما دیا۔

جب حضرت علیؓ کو یہ ذمہ داری سونپی گئی وہ ہلکے بخار میں بھی مبتلا تھے۔ اپنی سرکردگی کے پہلے ہی دن انہوں نے قلعہ نعام کا محاصرہ کر لیا۔ ابنِ ہشام کے مطابق ایک آدمی لوہے کا خود پہنے ہوئے قلعے کی دیوار پر آیا اور بولا، 'تمہارا سپہ سالار کون ہے؟'

حضرت علیؓ قلعہ کی دیوار کے سامنے سے بولے، 'میں ہوں مسلم افواج کا سپہ سالار! میرا نام علی بن ابی طالب ہے'۔ وہ آدمی بولا، 'اے علیؓ میرا نام مرحب ہے۔ یہ جو آٹھ قلعے تمہیں نظر آرہے ہیں ان میں سے ایک قلعہ میرے نام پر ہے۔ کیا تم میں میرا سامنا کرنے کی جرأت ہے؟'

حضرت علیؓ نے جواب دیا، 'میں نے آج تک کسی للکار کو نہیں ٹھکرایا۔ اس لئے تمہاری للکار بھی قبول ہے۔' مرحب بولا، 'لو میں تمہاری طاقت کو دیکھنے قلعے سے باہر آیا۔' یہ کہنے کے بعد مرحب نے قلعے کی دیوار سے نیچے چھلانگ لگا دی۔

اگرچہ حضرت علیؓ کی آنکھیں دکھ رہی تھیں اور ان کے جسم پر صرف ایک زرہ تھی جبکہ مرحب لوہے کا خود اور مضبوط زرہ پہنے ہوئے تھا اس کے باوجود آپؓ نے مرحب کا جم کر مقابلہ کیا اور ایک لمبی خون ریز لڑائی کے بعد اسے جہنم رسید کر دیا۔ جب مسلمان قلعے کا دروازہ توڑنے میں مصروف

marfat.com

تھے، حضرت علیؓ نے کچھ مسلمانوں کو سیڑھی لگا کر قلعے کی دیواروں پر چڑھنے کا حکم دیا۔ مسلمان قلعے کی دیواروں تک آئے اور سیڑھی کے ذریعے اندر چلے گئے۔ مسلمانوں نے قلعے کا مضبوط دروازہ توڑ ڈالا اور اندر موجود یہودیوں کو قید کر لیا۔ مسلمانوں کو اس قلعے سے بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔

نعام کا قلعہ فتح کرنے کے بعد مسلم افواج نے حضرت حبابؓ بن منذر کی سرکردگی میں صعاب نامی قلعے پر حملے کا فیصلہ کیا۔ غزوہء خیبر میں مسلمانوں نے دس دنوں میں چار قلعے فتح کر لئے۔ بقیہ چار قلعوں کے رہائش پذیروں نے بغیر کسی مزاحمت کے مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

اس غزوہ میں مسلمانوں کو کثیر سامانِ جنگ اور مالِ غنیمت میسر آیا۔ خیبر کی فتح کے بعد حضورﷺ نے یہودیوں کے ساتھ انتہائی شفقت کا برتاؤ رکھا۔ انہیں خیبر چھوڑنے اور اپنے ساتھ غلہ، بھیڑیں اور کھجوروں کے علاوہ سب کچھ لے جانے کی اجازت تھی۔ وہ یہودی جو خیبر نہیں چھوڑنا چاہتے تھے انہیں بدستور رہائش کی اجازت دے دی گئی اور یہ رعائت بھی کہ وہ اپنے گزشتہ کاروبار جاری رکھ سکتے تھے۔ ان سے بس اتنا تقاضہ کیا گیا کہ وہ اس حفاظت کے بدلے جو مسلمان دوسرے قبیلوں سے انہیں بچانے کے لئے کریں گے، جزیہ ادا کرتے رہیں۔ حضورﷺ نے یہودیوں پر ایک اور عنائت یہ کی کہ مسلمانوں کا یہودی عورتوں سے متعہ منع فرما دیا۔ متعہ اصل میں مفتوح قوموں کی عورتوں کے ساتھ ایک عارضی سی شادی تھی جس کا عرب میں عام رواج تھا۔ بعد میں حضورﷺ نے اس روائت کا مکمل خاتمہ فرما دیا۔ اس حکم کی نوعیت بھی اسی طرح ہے جس طرح بعض دیگر احکام کی۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی احکامات کا نزول اور نفاذ اپنے اندر ایک تدریجی حیثیت رکھتے ہیں۔ مزید برآں حضورﷺ نے مسلمان سپاہیوں کا یہودی باغوں اور باغیچوں میں داخلہ بھی منع فرما دیا تا کہ ان کی املاک کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ آپؐ نے ایک یہودی عورت صفیہ سے نکاح بھی فرمایا۔ حضرت صفیہؓ کی پہلی شادی میں انہیں طلاق ہو گئی تھی۔ ان کے پہلے شوہر کا نام کنعانہ بن ابوالحقیق تھا۔ یہ شخص غزوہ خیبر میں مارا گیا۔ آپؓ اسیری کے دوران حضرت دیاہہ کلبیؓ کے حصے میں آئیں۔ آپؓ کے باپ کے مرتبے کو مدنظر رکھتے ہوئے حضورﷺ نے

marfat.com

آپؓ کا تاوان ادا کیا اور آپؓ کو اپنے نکاح میں لے آئے۔ آپؓ کا باپ خیبر کا سردار تھا۔ حضرت صفیہؓ بعد میں مسلمان عورتوں کے لئے عقل و دانش کا عظیم سرمایہ ثابت ہوئیں۔

ایک دن خیبر کے قلعوں سے گزرتے ہوئے ایک مسلمان سپاہی کو کسی نامعلوم آدمی نے حملہ کر کے شہید کر دیا۔ مسلمانوں نے یہودیوں کو اکٹھا کیا اور تحقیق شروع کر دی۔ یہودیوں نے قسم کھائی کہ قاتل خیبر کے یہودیوں میں سے نہیں ہے اور یہ کہ وہ معصوم ہیں۔ مسلمانوں نے یہ معاملہ حضورﷺ کے سامنے پیش کیا اور عرض کی کہ یہودی اس قتل سے اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دے چکے ہیں، اب قصاص کس سے لیا جائے؟ حضورﷺ نے فرمایا' چونکہ وہ لوگ قسم کھا چکے ہیں کہ قتل انہوں نے نہیں کیا اس لئے میں ان کے بیان کو درست مانتا ہوں'۔ حضورﷺ مقتول کا قصاص خود ادا کرنے پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے ادا بھی کیا۔

خیبر کی فتح کے بعد دو یہودی قبیلے جو وادیٔ قریٰ میں رہائش پذیر تھے اور دوسرے دو قبیلے جو فدک اور تائمہ میں رہتے تھے مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ روابط رکھنے اور جزیہ دینے پر آمادہ ہو گئے۔

جب غزوہ خیبر اپنے عروج پر تھا، حبشہ سے دو مسافر خیبر پہنچے۔ ان میں سے ایک حضورﷺ کے رضاعی بھائی حضرت جعفرؓ بن ابو طالب اور دوسرے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ تھے۔ ان دونوں اصحاب کا شمار حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے اولین مسلمانوں میں ہوتا ہے۔ ان کی واپسی کے بعد عربوں کا کوئی آدمی حبشہ میں باقی نہیں رہا تھا۔

خیبر کے یہودیوں کو جنگ کے بعد بہت سی مراعات حاصل ہو گئیں۔ وہ پہلے کی طرح اپنی عبادت گاہوں کو کھولنے اور نمازیں ادا کرنے میں مشغول ہو گئے۔ ان کی تمام مقدس کتابیں اور اہم دستاویزات جو مسلمانوں کے ہاتھ لگیں انہیں لوٹا دی گئیں۔ مسلمانوں کے ساتھ انکے تعلقات اس قدر استوار ہو گئے کہ ایک یہودی عورت نے اپنے ہاتھوں سے کھانا پکا کر حضورﷺ کو پیش کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

marfat.com

اس عورت کا نام زینب بنت حارث تھا اور وہ سلام بن مشکم کی بیوی تھی۔ اس کے پاس ایک دنبہ تھا۔ جب اسے پتہ چلا کہ حضورﷺ کو دنبے کی ران بہت مرغوب ہے تو اس نے اس دنبے کو ذبح کرنے کا فیصلہ کیا۔ پھر اس نے دونوں رانوں پر زہر چھڑکا، انہیں بھونا اور حضورﷺ کو پیش کر دیا۔ جب یہ گوشت حضورﷺ کے سامنے آیا تو بشر بن براء بن معرور نامی ایک صحابی بھی موجود تھے۔ چونکہ حضورﷺ اپنا کھانا سب سے پہلے مہمانوں اور غریبوں کو پیش کرنے کے عادی تھے اس لئے آپؐ نے ایک ران انہیں پیش کی اور دوسری سے گوشت کا تھوڑا سا حصہ خود تناول فرمایا۔ حضرت بشرؓ بن براء نے ایک لقمہ کاٹا، اسے چبایا اور نگل گئے لیکن حضورﷺ نے پہلا لقمہ ہی چبا کر تھوک ڈالا۔ آپؐ نے حضرت بشرؓ بن براء سے فوراً فرمایا، 'یہ گوشت مت کھاؤ۔ اس میں زہر ملا ہے۔' حضرت بشرؓ بن براء نے بوکھلا کر ران پھینک دی لیکن جو لقمہ آپؓ نگل چکے تھے اس نے اپنا اثر دکھایا اور آپؓ موقع پر ہی جان بحق ہو گئے۔

زینب بنت حارث کو گرفتار کر لیا گیا اور گوشت میں زہر ملانے کی وجہ پوچھی گئی۔ اس نے یہ کہتے ہوئے اعتراف کیا، 'میں نے گوشت میں زہر یہ سوچ کر ملایا تھا کہ اگر حضورﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں تو زہر ان پر اثر نہیں کرے گا۔ جس طرح حضورﷺ نے زہر بھرا لقمہ پھینک دیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ اللہ کے سچے نبیؐ ہیں۔'

مسعودی، ابن ہشام، اسد بیگ، طبری اور ابنِ ابوالحدید وغیرہ نے اس بات کا کوئی ذکر نہیں کیا کہ مسلمانوں نے اس عورت کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا۔

کچھ اسلامی مفکرین کا خیال ہے کہ وصال سے پہلے آپؐ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا کہ آپؐ کی وفات کا سبب وہی زہر ہے جو خیبر میں آپؐ کو دیا گیا تھا۔ ہمیں علم ہے کہ حضورﷺ کوئی زہر ہضم نہیں کر سکتے لیکن ہو سکتا ہے جو لقمہ آپؐ نے چبا کر تھوک ڈالا تھا اس کا ذائقہ آپؐ کے جسمانی نظام پر اثر کرتا رہا ہو اور بعد میں آپؐ کی بیماری اور وصال کا سبب بنا ہو۔

marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرہ مبارک

۶ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کا ارادہ کیا لیکن کفارِ مکہ کی مداخلت کی وجہ سے سرانجام نہ دے سکے۔ صلح حدیبیہ کا واقعہ اسی کے بعد پیش آیا۔ صلح کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مسلمان اگلے سال عمرہ ادا کرنے کے مجاز ہوں گے لیکن مکہ میں تین دن سے زیادہ قیام نہیں کریں گے۔ ۷ھ بمطابق ۶۲۹ء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ ادا کرنے کی غرض سے مکہ روانہ ہوئے۔ آپؐ کے ساتھ دو ہزار صحابہ کرام عازم سفر ہوئے۔

عمرہ پر روانہ ہونے والے مسلمانوں کے پاس تلواروں کے سوا اور کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ تلوار تو ان کے لباس کا جزو لاینفک تھی۔ جب مسلمان مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو قریش انکے شان وشکوہ سے اتنے خوفزدہ ہوئے کہ اپنے گھروں سے بھاگ کر خانہ کعبہ کے سامنے واقع پہاڑیوں میں چھپ گئے۔ وہ مسلمانوں پر دور سے نگاہ رکھنا چاہتے تھے۔ انہیں خدشہ تھا کہ مسلمان ان پر حملہ کر دیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے کچھ ضروری اقدامات تجویز فرمائے۔ آپؐ نے مکہ کے نواح میں مرہ الزہران کے مقام پر حضرت محمد بن مسلمہؓ کی قیادت میں ایک دستہ تعنیات فرمایا اور اسے ہر وقت چوکس رہنے کا حکم دیا۔

حضرت محمد بن مسلمہؓ اور انکے ساتھی مرہ الزہران میں واقع ایک پہاڑی پر چڑھ گئے۔ اس مقام سے شہر مکہ بڑا واضح نظر آتا تھا۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ کو آخری ہدایت دیتے ہوئے آپؐ نے فرمایا، 'اگر تم کفار کو ہم پر حملہ آور دیکھو تو ہماری مدد کو آنا ورنہ ہماری واپسی تک وہیں ٹھہرنا'

جب حضرت بلالؓ کی آواز مکہ کی پہاڑیوں میں گونجی ــــــ اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ ــــــ تو قریبی پہاڑیوں میں چھپے ہوئے کفار غصے سے تلملا اٹھے۔ ان کا خیال تھا کہ خانہ

marfat.com

کعبہ میں پڑے ہوئے بڑے بڑے بت مسلمانوں پر آسمان گرادیں گے یاان پر پتھروں کا مینہ برسا کران کا بھرکس نکال دیں گے۔ لیکن ایسا کوئی واقعہ نہ ہوا۔ آسمان سے ایک کنکر تک نہ گرا بلکہ مکہ کی فضا اللہ اکبر کی باطل شکن صداؤں سے معطر ہوگئی۔

جب مسلمانوں نے حضور ﷺ کی معیت میں کعبہ کا طواف شروع کیا تو جذبات سے انکی آنکھیں نمناک ہوگئیں حتیٰ کہ حضرت عمرؓ جو انتہائی مضبوط دل اور پر عزم انسان تھے وہ بھی زاروقطار رونے لگے۔ مسلمانوں کی آنکھیں تو کعبہ دیکھنے کو مدت سے ترس رہی تھیں۔ انہیں وہ دن یاد آئے جب اسلام قبول کرنے پر کفار نے انہیں مکہ سے نکال دیا تھا۔ اس لیے تو انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ ایک بار پھر خانہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہیں۔

عمرہ کے فرائض انجام دینے کے بعد حضور ﷺ نے مکہ کی ایک معتبر خاتون میمونہ بنت حارث سے نکاح کا ارادہ فرمایا۔ جس وقت آپؓ حضور ﷺ سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئیں آپؓ کی ایک بہن حضور ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کے نکاح میں تھیں۔ حضرت میمونہؓ کی آٹھ بہنیں تھیں جو اسی طرح مکہ کی معتبر اور اہم شخصیات کے نکاح میں تھیں۔ حضور ﷺ کا یہ اقدام قریش کے ساتھ تعلقات بڑھانے کی ایک کڑی تھا۔

ابن ہشام اور دوسرے مورخین کا خیال ہے کہ جو کوئی بھی حضرت میمونہؓ سے شادی کرتا اسی طرح اپنے آپ تمام مکے والوں کا رشتے دار بن جاتا۔ ابن ہشام لکھتا ہے کہ حضرت میمونہؓ کی ماں ہند عرب کی عورتوں میں ایک ممتاز مقام رکھتیں تھیں۔

عمرے کے دوسرے دن بھی مکہ والے قریبی پہاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے۔ ان کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ نیچے آکر شہر میں داخل ہوں۔ ان پر ایک عجیب احساس طاری تھا۔ مسلمانوں کا جوش و ولولہ، حضرت بلالؓ کی اذان اور اوقات نماز میں نظم و ضبط کا مظاہرہ انکے ذہن پر غالب آچکا تھا۔

اسکا اثر یہ ہوا کہ خالد بن ولید جو پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے تھے کہنے لگے، 'یہ مذہب جس کے ماننے والے اتنے مخلص اور بے غرض ہیں جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ اگر ان کے مذہب میں ایک ذرہ برابر

marfat.com

حجاج کرام عمرہ اور حج کے دوران سعی کی ادائیگی کرنے کے لیے کوہ صفا و مروہ کے درمیان چلتے ہوئے۔ حضرت ابراہیمؑ کی
زوجہ محترمہ حضرت حاجرہ حضورؐ کے جد امجد حضرت اسماعیلؑ کی شیر خوارگی کے زمانہ میں پانی کی تلاش میں ان پہاڑوں کے

marfat.com

جھوٹ ہوتا تو یہ لوگ اپنے مذہب سے اس قدر لگن کے ساتھ منسلک نہ ہوتے۔'

مکہ میں قیام کے تیسرے دن قریش کا ایک وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عبدالعزیٰ اس وفد کا سردار تھا۔

عزیٰ مشرکین مکہ کے تین بڑے بتوں میں سے ایک بت کا نام تھا۔ عبدالعزیٰ، عبداللات اور عبدالمنات عربوں کے عام نام تھے۔ اہل مکہ اللہ کو مانتے تھے لیکن لات اور منات کی عبادت بھی کرتے تھے۔ اسلام سے پہلے حضور ﷺ کے والد ماجد کا نام بھی عبداللہ تھا۔ مکہ والوں کے نزدیک اللہ ایک خالق اور اعلیٰ ذات تو تھی لیکن دوسرے خداؤں کو چھوڑ کر اس تک پہنچنے کا کوئی اور ذریعہ انکی سمجھ سے باہر تھا۔ وہ اللہ کو حضرت ابراہیمؑ والا اللہ ہی مانتے تھے اور اسی طرح ان کی عزت وتکریم بھی کرتے تھے۔

عبدالعزیٰ نے کہا، 'اے محمدؐ! تم اور تمھارے ساتھی فوراً مکہ چھوڑ دیں کیونکہ معاہدے کے مطابق آج تم لوگوں کے قیام کا آخری دن ہے۔'

حضور ﷺ معاہدے کا لحاظ کرتے ہوئے اسی دن مدینہ روانہ ہو گئے۔ اسی سال حضرت خالد بن ولیدؓ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ انکا دل مسلمانوں کے اتحاد، ایمان اور نظم وضبط سے بہت متاثر ہوا تھا۔ انکے اندر بھی مسلمان ہونے اور اسلام میں داخل ہونے کی خواہش پیدا ہو چکی تھی۔ بعدازاں بطور مسلم سپہ سالار انہوں نے بہادری اور جوانمردی کے وہ جوہر دکھائے کہ حضور ﷺ نے انہیں سیف اللہ کا خطاب عطا کیا۔

غزوہ خیبر کے بعد حضرت علیؓ کو اسد اللہ کا خطاب عطا ہوا تھا لیکن کسی مسلمان کو سیف اللہ کے خطاب سے پہلی بار نوازا گیا تھا۔ یہ منفرد اعزاز صرف اور صرف حضرت خالدؓ بن ولید کے حصے میں آیا۔

جب حضرت خالدؓ بن ولید مسلمان ہونے کی غرض سے مسلم قافلے کے پیچھے جارہے تھے تو ان کی ملاقات حبشہ سے آنے والے ایک شخص سے ہوئی۔ اس شخص کا نام امر بن انس تھا۔ وہ بھی ایمان لانے کے لئے مسلم قافلے کی تلاش میں تھا۔

marfat.com

صلح حدیبیہ کی رو سے اگر مکہ کا کوئی آدمی قریش کی اجازت کے بغیر مسلمانوں سے آملے تو مسلمان اسے واپس کرنے کے روادار تھے۔ جب حضرت خالدؓ بن ولید جیسے جری آدمی نے مسلمانوں میں شمولیت اختیار کی تو قریش کو انہیں واپس بلانے کی ہمت نہ ہوئی۔ انہیں محسوس ہو چکا تھا کہ اسلام پہلے سے زیادہ مضبوط اور ہر دلعزیز ہو رہا ہے۔

marfat.com

جنگ موتہ

صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں کو اپنا اسلامی شعار پختہ بنانے کا موقع ملا۔ وہ پر سکون ماحول میں اسلام کی تبلیغ کا کام سرانجام دینے کے قابل ہو گئے۔ اس لئے حضور ﷺ نے بہت سے بادشاہوں کے نام خطوط ارسال کئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ یہ خطوط بازنطینیہ کے شہنشاہ، شاہ ایران، شاہ حبشہ اور شاہ مصر کے نام تھے۔

عرب کے نواحی علاقوں میں شہنشاہ بازنطینیہ کی حکومت تھی۔ اس کا نام حارث بن ابوشمیر تھا۔ حضور ﷺ نے ایک خط لکھوایا اور اپنے قاصد حضرت حارثؓ بن عمیر کو دیتے ہوئے ہدایت کی کہ وہ یہ خط سیدھا شہنشاہ بازنطیہ کو پہنچائے اور واپس آکر اس کا جواب بیان کرے۔

جب حضور ﷺ کا قاصد حارث بن ابوشمیر کے علاقوں میں داخل ہوا تو اس کے ایک گورنر نے انہیں پکڑا اور قتل کر دیا۔ مسلمانوں پر یہ واقعہ بہت گراں گزرا اور وہ ان کی وفات سے برانگیختہ ہو گئے۔ قاصد کی حفاظت دنیا کی تمام قوموں میں ایک متصدقہ امر تھا۔

حضور ﷺ نے حارث بن ابوشمیر کے نام ایک خط میں لکھوایا: تمہارے گورنر شرابیل بن امرالغسانی نے ایک معصوم آدمی کو جو تمہارے لیے صرف ایک خط لے کر آرہا تھا قتل کر دیا ہے۔ وہ آدمی اکیلا اور غیر مسلح تھا اور اس کا سفر کسی دشمنی کی بنیاد پر نہیں تھا، پھر بھی اسے مار دیا گیا۔ سفیر کو قتل کرنے کی اجازت کسی قبیلے، قوم یا مذہب نے نہیں دے رکھی۔ چونکہ تمہارے گورنر نے حارث بن عمیر کو قتل کیا ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اس کے قتل کی نوعیت واضح کی جائے کہ آیا اسے گورنر نے خود قتل کیا ہے یا تمہارے حکم اور ایماء پر۔ اگر ہمارے قاصد کو تمہارے گورنر نے تمہاری اجازت کے بغیر قتل کیا ہے تو تم اسے ہمارے حوالے کر دو تا کہ ہم اسے اس کے جرم کی سزا دے سکیں۔ لیکن اگر اس قتل میں تمہاری مرضی شامل تھی تو تم بھی اس کے ذمہ دار ہو اور تمہیں بھی سزا کے لئے تیار ہو

marfat.com

جانا چاہئے۔

حارث بن ابوشمیر نے جواب میں لکھا، میں اپنے ملک کا مطلق العنان حکمران ہوں اور کسی کے قتل یا رہائی کے احکامات میری مرضی پر منحصر ہیں۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ میرا احتساب کرے۔ یہ بات واضح رہے کہ قاصد کا قتل میرے حکم سے کیا گیا ہے۔

جب حضورﷺ کو یہ غیر ذمہ دارانہ اور گستاخانہ جواب موصول ہوا تو انہوں نے فوراً حارث بن ابوشمیر کی سرکوبی کا فیصلہ کیا اور تین ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک دستہ غسان روانہ کیا۔ اتفاق سے ایشیائے کوچک کا بادشاہ ایران پر حملہ کرنے کا سوچ رہا تھا۔ اس نے ایک لاکھ سواروں پر مشتمل فوج اکٹھی کر رکھی تھی۔ حارث بن ابوشمیر کی درخواست پر یہ فوج اسکی مدد کو آ پہنچی۔ حارث کے اپنے سپاہیوں کی اصل تعداد معلوم نہیں لیکن کچھ مورخین کے مطابق اس کے فوجیوں کی تعداد دس ہزار تھی۔

ان افواج سے اسلامی فوجوں کا سامنا موتہ کے مقام پر ہوا۔ یہ علاقہ صوبہ غسان میں واقع تھا۔ جب اسلامی فوج مدینہ سے روانہ ہوئی تو حضورﷺ نے دستے کی قیادت اپنے آزاد کردہ غلام زیدؓ بن حارثہ کے سپرد فرمائی۔

شہنشاہ روم کے بھیجے ہوئے ایک لاکھ رومی سپاہی سرتاپا جنگی اسلحہ سے لیس تھے۔ وہ فنون جنگ میں بھی کمال مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے چھ چھ ہزار سپاہیوں پر مشتمل فوجی لشکر تشکیل دیئے۔ یہ لشکر تیس صفوں پر مشتمل تھے۔ ہر صف میں دو سو سپاہی تھے۔ یہ دو سو سپاہی مزید سو سو سپاہیوں کے جتھوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر جتھہ ایک سینکڑہ کہلاتا تھا۔ تمام رومی فوجوں نے لوہے کے خود اور زرہ بکتر پہن رکھے تھے۔ ان کی ڈھالیں بڑی بڑی اور نیزے وتلواریں خاصے لمبے تھے۔ انہیں حربی داؤ پیچ میں بھی کمال حاصل تھا۔ جب مسلمانوں کی مختصر سی فوج رومیوں کے سامنے آئی تو کچھ مسلمانوں نے کہا کہ جنگ شروع کرنے سے پہلے فتح کے امکانات پر غور کر لینا چاہیئے۔ اگرچہ پچھلی جنگوں میں بھی دشمن کی تعداد زیادہ ہوا کرتی تھی لیکن اس بار تو تعداد چالیس پچاس گنا زیادہ تھی اور وہ بھی انتہائی جدید اور اعلیٰ معیار کے اسلحہ سے لیس۔ ادھر یہ حال تھا کہ کچھ

marfat.com

مسلمانوں کے پاس تلوار اور زرہ تک نہیں تھی۔

مسلم فوج کے سپہ سالار حضرت زیدؓ بن حارثہ نے انتہائی ولولہ انگیز انداز میں کہا، 'ہم اللہ کے راستے میں لڑنے نکلے ہیں۔ اگر ہم دشمن کو مار گراتے ہیں تو جنت ہمارا صلہ ہے اور اگر ہم شکست کھاتے یا شہید ہوتے ہیں تب بھی ہمارا انعام یہی ہے۔ دشمن کی تعداد سے صرف وہی خوفزدہ ہوتے ہیں جنہیں آخرت پر یقین نہیں ہوتا۔ ہم دشمن کی تعداد سے خوفزدہ کیوں ہوں؟'

حضرت زیدؓ بن حارثہ کے یہ الفاظ مسلمانوں کے دلوں میں عزم و حوصلے کی نئی روح بن کر اتر گئے اور انہوں نے اپنے آپ کو جنگ کے لئے تیار کر لیا۔ جنگ شروع کرنے سے پہلے مسلمانوں نے وہی حکمت عملی اختیار کی جو پہلی جنگوں میں کر چکے تھے۔ انہوں نے اپنی فوج کو میسرہ اور میمنہ کی شکل دی۔ لیکن اس بار متوقع نتائج برآمد نہ ہوئے کیونکہ رومی خود یہ حکمت عملی جانتے تھے۔ مزید برآں ان کا اسلحہ مسلمانوں سے کہیں زیادہ بہتر اور موثر تھا۔ وہ نیزہ بازی میں بھی انتہائی مشاق تھے۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ جنگ کے آغاز میں ہی شہید ہو گئے۔ ان کے بعد قیادت حضرت جعفرؓ طیار نے سنبھال لی۔ آپؓ تلوار کے مسلسل واروں کے ساتھ ساتھ فوج کو ہدایات بھی جاری کرتے جاتے۔ آپؓ کی قیادت میں جنگ میں گھری اسلامی فوج موتہ تک پہنچ گئی۔ اس مقام پر حضرت جعفرؓ طیار شہید ہو گئے۔ انہوں نے تمام جنگ انتہائی بے جگری سے لڑی۔ حتیٰ کہ جب ان کے دونوں بازوں شہید بھی ہو گئے وہ اپنی ٹانگوں کے زور پر لڑتے رہے یہاں تک کہ پیانہ شہادت نوش فرما لیا۔

حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہؓ بن رواحہ جن کا تعلق انصار سے تھا مسلمانوں کی فوج کے سپہ سالار مقرر ہوئے۔ سپاہیوں کا حوصلہ بڑھانے اور جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے قرآنی آیات کی تلاوت شروع کر دی۔ آپؓ جہاد اور جنت کے انعام سے متعلق آیات تلاوت فرما رہے تھے۔ آپؓ تلوار چلانے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو اپنی صفیں برقرار رکھنے اور مکمل اتحاد سے دشمن کا مقابلہ کرنے کی تلقین بھی کر رہے تھے۔

marfat.com

موتہ کی اس جنگ میں اگر مسلمانوں نے اپنی صفوں کو برقرار نہ رکھا ہوتا تو شاید سب شہید ہو جاتے۔ یہ ان کا اتحاد اور میسرہ اور میمنہ کو باقاعدہ اور فعال رکھنے کی حکمت عملی تھی جو اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن کا شام تک مقابلہ کرنے میں کام آئی۔

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کی شہادت کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید نے مسلم افواج کی کمان سنبھال لی۔ کچھ روایات کے مطابق یہ جنگ ایک ہی دن میں ختم ہو گئی۔ دو حقائق نے مسلمانوں کو شام تک جھکنے سے بچائے رکھا ایک حضرت خالدؓ بن ولید کی بے مثال قیادت اور جنگی مہارت اور دوسرا رات کی تاریکی۔ ان دنوں اندھیرا چھاتے ہی جنگ موخر ہو جاتی تھی۔

مسلم افواج کی کمان سنبھالنے سے پہلے حضرت خالدؓ بن ولید پانچ سو سپاہیوں کے دستے کی قیادت کر رہے تھے۔ آپؓ کی بے مثل طاقت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جنگ کے خاتمے تک آپؓ کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں۔ آپؓ نے نو بار اپنی تلوار بدلی۔ کمان سنبھالتے ہی آپؓ نے مسلم افواج کو از سر نو منظم کیا اور انہیں ایک بھرپور اور لگاتار حملہ کرنے کا حکم دیا۔ باقی ماندہ افواج کو نئے سرے سے ترتیب دے کر حضرت خالدؓ بن ولید نے ایک برق رفتار حملہ کیا۔ اپنے پہلے ہی حملے میں انہوں نے دشمن کے سپہ سالار کو جہنم واصل کر دیا۔ اسکا نام مالک بن زدفیلہ تھا۔ حضرت خالدؓ بن ولید کا یہ حملہ اس قدر شدید اور اچانک تھا کہ حارث بن ابوشمیر اور اس کی اتحادی رومی فوج کی ہمت ٹوٹ گئی۔ وہ سمجھے کہ مسلمانوں کو کمک پہنچ گئی ہے۔ جیسے ہی رات کی تاریکی پھیلنے لگی انہوں نے پسپا ہونا شروع کر دیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید بھی باقی ماندہ فوج کے ساتھ مدینہ روانہ ہو گئے۔

اس جنگ میں مسلمانوں کے بارہ جانباز شہید ہوئے۔ شہداء میں دو بہت ہی جلیل القدر شخصیات شامل تھیں۔ ایک تو جعفرؓ بن ابو طالب جنہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ پرورش پائی تھی اور آپؐ کے رضاعی بھائی سمجھے جاتے تھے۔ دوسرے حضرت زیدؓ جو حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے اور جنہیں حضور ﷺ نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ حضرت زیدؓ اسلام قبول کرنے والے چار اولین صحابہؓ میں سے تھے۔

marfat.com

حضرت خالدؓ بن ولید کی مثالی بہادری اور جنگی مہارت مسلمانوں کو میدان جنگ سے نکال کر مدینہ منورہ پہنچانے میں کامیاب ہوگئی۔ اسی بناء پر حضور ﷺ نے انہیں سیف اللہ کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ جنگ موتہ کے نتائج سے قطع نظر مسلمانوں نے سرزمین حجاز میں پے در پے کامیابیاں حاصل کیں اور ہر جگہ اپنی فتح کا جھنڈا گاڑ دیا۔ ان دنوں جو کوئی حجاز پر قبضہ کر لیتا پورے عرب پر اسی کا قانون نافذ سمجھا جاتا۔ حضور ﷺ نے حجاز کے تمام قبیلوں کو دائرہ اسلام میں داخل کر لیا۔

marfat.com

معاہدہ کی خلاف ورزی اور

بنوخزاعہ کا بہیمانہ قتل

قریش کا سردار اور سپہ سالار ابوسفیان حضور ﷺ سے ملاقات کے لئے مدینہ آیا۔ یہ واقعہ مسلمانوں کے مدینہ پہنچنے کے بعد پیش آیا۔

ابوسفیان بغیر فوج کے مدینہ آیا۔ وہ اکیلا مدینہ کے ان باشندوں کا سامنا کر رہا تھا جن کے خلاف وہ کئی بار نبرد آزما ہو چکا تھا۔ وہ اس بات سے خوفزدہ نہیں تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ صلح حدیبیہ وقوع پذیر ہو چکا ہے اور مسلمان اس وقت تک اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے جب تک یہ معاہدہ باقی ہے۔ دوسرا وہ حضور ﷺ کے اعلیٰ ذاتی خصائل سے بھی بخوبی آگاہ تھا۔ ... محبت اور مہربانی میں حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا۔

صلح حدیبیہ کی شق کے مطابق دونوں گروہوں میں سے جو کوئی چاہے کسی تیسرے گروہ کے ساتھ اتحاد کر سکتا تھا۔ اگر کوئی گروہ کسی تیسرے گروہ کے ساتھ جنگ پر آمادہ ہو تو دوسرا گروہ اس تیسرے گروہ کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ اس عرصے کے دوران مسلمانوں کے اتحادی قبیلے خزاعہ پر قریش کے اتحادی قبیلے بنو بکر نے حملہ کر دیا۔ یہ بات منظر عام پر آگئی کہ قریش نے بنوخزاعہ کے خلاف بنو بکر کو نہ صرف اسلحہ اور سپاہی مہیا کئے بلکہ بنوخزاعہ کے خلاف ان کے غصے اور دشمنی کو بھی ہوا دی۔ قریش کی مسلمانوں کے خلاف یہ امداد معاہدے کی صریح خلاف ورزی تھی۔ حالات کی نزاکت کا جائزہ لینے اور سر پر منڈلاتے خوفناک نتائج سے گھبرا کر ابوسفیان مدینے پہنچا تاکہ باہمی اختلافات کو حل کیا جا سکے۔ مدینہ پہنچ کر ابوسفیان اپنی بیٹی اور حضور ﷺ کی بیوی حضرت ام حبیبہؓ کے گھر داخل ہوا۔ جب ان کے کمرے میں قدم رکھا تو انہوں نے فرش پر بچھی ہوئی چٹائی لپیٹ دی۔ ابوسفیان انکے اس طرز عمل سے انتہائی حیران ہوا۔ اس نے پوچھا، تو نے چٹائی کیوں لپیٹ

marfat.com

دی؟' انہوں نے جواب دیا کہ حضورﷺ اس پر بیٹھتے اور آرام فرماتے ہیں۔ تمہارے جیسے بت پرست اس پر بیٹھنے کے قابل نہیں۔ کھڑے کھڑے ابوسفیان نے اپنی بیٹی سے درخواست کی کہ وہ اسے اپنے شوہرؐ سے ملاقات کا موقع فراہم کرے تاکہ دونوں قبیلوں میں جو نزاع پیدا ہوا ہے کسی طرح ختم ہو۔ حضرت ام حبیبہؓ نے جواب دیا کہ وہ اس معاملے میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتیں۔ وہ خود جائے اور حضورﷺ سے اپنا مسئلہ بیان کرے۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ آپؐ اس وقت کہاں ہیں۔ حضرت ام حبیبہؓ نے جواب دیا کہ آپ مسجد میں ہیں۔

ابوسفیان مسجد چلا گیا۔ حضورﷺ اس کے ساتھ انتہائی تحمل سے پیش آئے۔ آپؐ نے اسے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا اور فرمایا 'تمہیں مجھ سے کوئی کام ہے؟' ابوسفیان بولا 'ہاں۔ میں بنوبکر اور بنوخزاعہ کے درمیان نزاع پر گفت وشنید کرنے آیا ہوں۔' حضورﷺ نے فرمایا 'کیا کہنا چاہتے ہو؟' ابوسفیان بولا 'بنوخزاعہ اور بنوبکر کی اس لڑائی میں قریش نے بنوبکر کی کوئی امداد نہیں کی۔ لیکن اگر آپؐ ایسا سمجھتے ہیں تو قریش بنوخزاعہ کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی کرنے پر تیار ہیں۔'

حضورﷺ نے ابوسفیان کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا 'اگر تم لوگوں نے بنوبکر کی کوئی امداد نہیں کی تو اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟ ہمیں تم سے کسی نقصان کی تلافی نہیں چاہئے'

ابوسفیان سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور اپنی اندرونی گھبراہٹ کو چھپاتے ہوئے وہ اسی دن مکہ روانہ ہو گیا۔

دراصل قریش نے بنوخزاعہ کے خلاف بنوبکر کی مدد کر کے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی۔ یہ خلاف ورزی اتنی واضح اور عیاں تھی کہ ابوسفیان خود مدینہ آیا اور حضورﷺ سے نقصان کی تلافی کا ارادہ ظاہر کیا۔ ابوسفیان کے الفاظ قریش کی خلاف ورزی کی واضح نشان دہی کر رہے تھے۔ بہرحال قارئین کے لئے دونوں قبیلوں کی مڈبھیڑ کا ایک مختصر سا جائزہ پیش ہے۔

بنوخزاعہ کے کچھ لوگ اسلام قبول کر چکے تھے۔ وہ وطیر نامی علاقے میں آباد تھے۔ یہ علاقہ مدینے کے نسبت مکے کے زیادہ قریب تھا۔ کیونکہ اس قبیلے کا مسلمانوں سے اتحاد تھا اس لئے اس کے لوگ بھی مسلمانوں کی حفاظت میں تھے۔ جبکہ دوسرے قبیلے بنوبکر کا اتحاد قریش سے تھا۔ ان

marfat.com

دونوں قبیلوں کے درمیان زمانہ اسلام سے قبل کی دشمنی چلی آ رہی تھی۔ بنو بکر کے سردار نوفل بن معاویہ نے بنو خزاعہ پر حملہ کرنے کے لئے اپنے لوگوں کو بھڑکایا۔ اگرچہ بنو خزاعہ مسلمانوں کو اپنی مدد کے لئے بلا سکتے تھے لیکن وطیر اور مدینہ کے درمیان فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ انہیں ایسا کرنے کا موقع نہ ملا۔ مسلمانوں کی مدد پہنچنے سے پہلے ہو سکتا تھا وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ اس لئے اپنی جان بچانے کی خاطر انہوں نے اپنے گھر بار چھوڑ کر خانہ کعبہ میں پناہ لے لی۔ ان کا خیال تھا کہ خانہ کعبہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں کسی قسم کے خون خرابے کی گنجائش نہیں۔ اس طرح بنو بکر بھی ان کا پیچھا کرنے اور حملہ آور ہونے سے باز رہیں گے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ قریش نے نا صرف بنو بکر کو ہتھیار فراہم کیے بلکہ لڑنے کے لئے اپنے آدمی بھی مہیا کیے۔ سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابو جہل جیسے لوگوں نے بھی بنو بکر کی طرف سے تلوار اٹھائی۔

خانہ کعبہ کی حدود میں پناہ لینے کے بعد بنو خزاعہ اپنے جان و مال کو محفوظ سمجھ رہے تھے۔ لیکن نوفل بن معاویہ نے انتقام کی آگ بھڑکائی اور اپنے آدمیوں سے چیخ کر کہا، 'آ جاؤ حرم میں، بنو خزاعہ کا خون بہانا جائز ہے۔ مار دو سب کو ایک ایک کر کے۔' خانہ کعبہ کی دیواریں پکڑ کر بنو خزاعہ چلائے 'نوفل بن معاویہ! کعبہ کا احترام تو کرو۔ اگر تمہیں اپنے اعمال کی کوئی شرم نہیں تو کعبہ ہی کا خیال کرو اور کم از کم اس مقدس جگہ پر خون نہ بہاؤ۔'

لیکن نوفل نے اسی طرح چلا کر کہا' آج نوفل کو کعبہ کے خدا کی کوئی پرواہ نہیں'۔ پھر بنو بکر کے لوگ قتل و غارت کرتے ہوئے کعبہ میں داخل ہو گئے۔ حرم کے تقدس کا لحاظ رکھتے ہوئے بنو خزاعہ کے لوگ واپس بھاگے اور اس طرح وہ لوگ جو کعبہ کی عظمت کا خیال کرتے ہوئے وہاں پناہ لینے آئے تھے اپنی جان بچانے کے لئے وہاں سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ تاہم ان کے بہت سے آدمی بنو بکر کے ہاتھوں مارے گئے اور ان کا کافی مالی نقصان بھی ہوا۔

اس واقعے کے بعد امر بن سالم الخذائی جو ایک قادر الکلام شاعر تھا اور بنو خزاعہ کا سردار بدیل بن ورقہ مدینہ پہنچے اور حضور ﷺ سے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ حضور ﷺ کو اس واقعہ سے دلی رنج پہنچا، خاص طور پر اس بات سے کہ بنو بکر کا حملہ قریش کے ایماء پر کیا گیا اور یہ کہ خانہ کعبہ کے تقدس

marfat.com

کا بھی خیال نہ کیا گیا۔

جب ابو سفیان مدینہ آ رہا تھا تو راستے میں اس کی ملاقات بدیل بن ورقہ سے ہوئی جو مدینہ سے واپس اپنے قبیلے جا رہا تھا۔ ان کی ملاقات مدینہ سے ایک منزل کے فاصلے پر عسفان نامی جگہ پر ہوئی۔ ابو سفیان نے پوچھا 'تم مدینہ سے آ رہے ہو؟' بدیل نے جواب دیا 'نہیں، دراصل میں ساحل تک گیا تھا۔ اب واپس جا رہا ہوں'۔ ابو سفیان اس جواب سے مطمئن نہ ہوا۔ اس نے اپنے دو آدمیوں کو بدیل بن ورقہ اور اس کے ساتھیوں کا چھپ کر پیچھا کرنے کے لئے بھیجا۔ اس نے انہیں اونٹ کی مینگنیاں دیکھنے کے لئے بھی کہا کہ آیا ان میں کھجور کی گٹھلیاں ہیں یا نہیں۔ ابو سفیان کا خیال تھا کہ اگر بدیل مدینے گیا ہوگا تو اس کے اونٹوں نے کھجوریں بھی کھائی ہوں گی، اس طرح اونٹ کی مینگنیوں میں کھجور کی گٹھلیاں بھی ہوں گی۔ اور اس طرح واضح ہو جائے گا کہ بدیل مدینہ سے واپس آ رہا تھا یا نہیں۔

ابو سفیان کے آدمیوں نے اس کے کہنے پر عمل کیا اور پتہ چلا لیا کہ واقعی اونٹ کی مینگنیوں میں کھجور کی گٹھلیاں موجود ہیں۔ جب ابو سفیان کو بدیل کے مدینہ سے واپس آنے کا یقین آیا تو اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ حضور ﷺ کو واقعہ کی اصل نوعیت معلوم ہو چکی ہوگی۔ اسی لئے آپؐ سے ملتے ہی مکہ والوں کی طرف سے بنو خزاعہ کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی پر آمادگی کا اظہار کر دیا۔

ہمیں معلوم ہے کہ حضور ﷺ نے ابو سفیان کو مدینہ میں کیا جواب دیا۔ مکہ پہنچ کر ابو سفیان نے بتایا کہ حضور ﷺ کے مکہ پر حملے کے امکانات بہت زیادہ ہیں۔ مسلمان طاقت میں کافی مضبوط ہو چکے ہیں اور مکہ والے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

ابو سفیان کا اندازہ ٹھیک ہی تھا۔ کیونکہ حضور ﷺ واقعی مکہ فتح کرنے کا ارادہ کر چکے تھے۔ آپؐ نے مسلمانوں کو جنگ کی تیاریوں کا حکم دے دیا۔ لیکن یہ نہ بتایا کہ حملے کا ارادہ کس پر تھا۔ حتیٰ کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی حضور ﷺ کے بہت زیادہ قریب ہونے کے باوجود اس بات سے ناواقف تھے کہ حضور ﷺ کا کس پر حملہ کرنے کا ارادہ ہے۔

marfat.com

جب مسلمانوں نے جنگ کی تیاریاں شروع کیں تو حضور ﷺ نے یہ سارا معاملہ پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا مبادا مسلمانوں کی جنگی تیاری کی خبر ارد گرد کے قبیلوں میں پھیل جائے اور بالآخر مکہ پہنچ جائے۔

اہل مدینہ میں سے حاطب بن ابو بلتعہ نامی ایک آدمی کو ان حالات کا علم ہو گیا کہ مسلمان مکہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس کے کچھ رشتہ دار مکہ رہتے تھے۔ اس نے انہیں ایک خط کے ذریعے خبردار رہنے کا مشورہ دیا اور وہ خط سارہ نامی ایک عورت کو مکہ پہنچانے کے لئے دے دیا۔

حضور ﷺ کو حاطب کے اس عمل کی خبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی ہوئی تو آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت مقدادؓ کو اس عورت کا پیچھا کرنے کے لئے روانہ کیا۔ حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں حضرت علیؓ اور حضرت مقدادؓ اس عورت کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ ایک طویل تعاقب کے بعد انہوں نے اس عورت کو جالیا اور اس کے بالوں میں چھپا ہوا حاطب کا خط بھی ڈھونڈ لیا۔
حضور ﷺ نے حاطب کو بلایا، اسے اس کا خط دکھایا اور پوچھا' مکہ پہنچانے کے لئے یہ خط تو نے اس عورت کو دیا تھا؟' حاطب نے اقرار کر لیا۔ حضور ﷺ نے مزید دریافت کیا،' ابن عمرو جانتا ہے کہ تو نے اپنی لونڈی کے ہاتھ کوئی خط مکہ بھیجا ہے؟' حاطب نے جواب دیا' یا رسولؐ اللہ بالکل نہیں۔ سیف کو اس کی کچھ خبر نہیں۔' اس کی وضاحت سننے کے بعد حضور ﷺ نے اندازہ لگایا کہ اس کی نیت بری نہیں تھی۔ اس نے خط کے ذریعے اپنے خاندان والوں کو صرف متوقع خطرات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ تاکہ دوران جنگ وہ کسی محفوظ مقام پر چلے جائیں۔ اس لئے حضور ﷺ نے حاطب کو چھوڑ دیا۔

مدینہ میں بھی افواہیں پھیلنے لگیں۔ کچھ کا خیال تھا کہ حضور ﷺ جنگ موتہ کا بدلہ لینے کے لئے رومیوں سے ٹکر لینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جبکہ کچھ کا خیال تھا کہ حضور ﷺ نے بنو سالم کو سزا دینے کا ارادہ کیا ہے جو مسلمانوں کو لگاتار پریشان کر رہے تھے۔ لیکن کسی کو یہ شک نہ ہوا کہ حضور ﷺ کا دھیان مکہ پر ہے۔ اور وہ وہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

marfat.com

فتح مکہ

مسلمان فوج مدینہ سے مکہ روانہ ہوئی تو راستے میں دوسرے مسلم قبیلے بھی شمولیت اختیار کرتے گئے۔ جوں جوں مکہ سے فاصلہ کم ہوتا گیا، مسلمانوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہوتی گئی۔ اسلامی مورخین کے مطابق مسلمانوں کے مکہ پہنچنے کی تاریخ ۱۰ رمضان ۸ھ ہے۔

ایسا لگتا ہے جیسے مسلمانوں کے مکہ روانہ ہونے سے پہلے رمضان شروع ہو چکا تھا۔ دوران سفر مسلمان صبح سے شام تک روزہ رکھتے۔ نہ کچھ کھاتے نہ پیتے۔ جب وہ غدیر (قدید) کے مقام پر پہنچے تو حضورﷺ نے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ مزید سفر کے دوران روزہ نہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سہولت دے دی کہ وہ سفر کے دوران روزہ رکھنے سے گریز کریں۔ اس لئے اگلا سفر مسلمانوں نے بغیر روزہ رکھے طے کیا۔ اس طرح جب مسلمان فوج مکہ سے ایک منزل کے فاصلے پر واقع مرہ الزہران پہنچی تو پڑاؤ ڈالنے کا اہتمام کیا۔ جب رات کی تاریکی پھیل گئی تو حضورﷺ نے مسلمان سپاہیوں کو آگ جلانے کا حکم دیا تاکہ اہل مکہ کو مسلمان فوج کے آنے کی خبر ہو جائے۔

حضورﷺ کے نامور چچا حضرت عباسؓ جو ایک مشہور تاجر بھی تھے اسی دوران مسلمان ہو چکے تھے۔ اس لئے وہ مکہ چھوڑ کر مسلمان فوج تک پہنچ گئے۔ حضورﷺ سے ان کی ملاقات جحفہ کے مقام پر ہوئی۔ ابوسفیان نے بھانپ لیا تھا کہ مسلمانوں کی عظیم الشان فوج کے سامنے مکہ کی فوج ٹھہر نہیں سکے گی۔ حالات کا جائزہ لینے کے لئے وہ فوج کے اردگرد گھوم کر واپس چلا گیا۔ حضورﷺ کے چچا حضرت عباسؓ فرماتے ہیں، 'جب میں مسلمان فوج کے خیموں سے باہر نکل رہا تھا تو میں نے تاریکی میں دو آدمیوں کی سرگوشی سنی۔ ایک نے کہا یہ مشعلیں جو تم دیکھ رہے ہو بنو خزاعہ کے خیموں میں جل رہی ہیں۔ دوسرے نے جواب دیا تمہیں غلطی لگی ہے۔ بنو خزاعہ اتنے زیادہ نہیں ہیں کہ اتنی بے شمار مشعلیں جلا سکیں۔ یہ مشعلیں کسی بہت بڑی فوج کی ہیں۔' میں اس

marfat.com

دوسری آواز کو فوراً پہچان گیا اور اندھیرے میں چلایا 'ابو حنظلہ، یہ تمہی ہو؟ (ابو حنظلہ ابو سفیان کی کنیت تھی) ابو سفیان نے بھی مجھے پہچان لیا اور کہا 'ابو الفضل! تم یہاں کیسے؟' میں نے جواب دیا، 'محمدؐ اپنے دس ہزار سپاہیوں سمیت قریش سے جنگ کرنے مکہ پہنچ گئے ہیں۔ کیونکہ قریش نے صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی کی ہے اور مسلمانوں کے اتحادی بنو خزاعہ کے آدمیوں کا خون بہایا ہے اس لئے مکہ والے کبھی نہیں بچ سکتے۔ ابو سفیان! اگر مسلمانوں نے مکہ فتح کیا تو سب سے پہلے تمہارا سر قلم کریں گے کیونکہ تم مکہ کے سردار ہو اور معاہدے کی خلاف ورزی کی ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے۔' اس پر ابو سفیان نے بوکھلا کر کہا، 'اب کیا ہو سکتا ہے؟' میں نے جواب دیا، 'اگر تم زندگی چاہتے ہو اور اپنی دولت سے محروم ہونا نیز مسلمانوں کے قیدی بننا نہیں چاہتے تو تمہارے پاس صرف ایک راستہ ہے۔ اپنے آپ کو محمدؐ کے سامنے پیش کر دو اور اسلام قبول کر لو۔ صرف اسی طرح تم اپنی جان بچا سکتے ہو۔ جب ابو سفیان نے کوئی جواب نہ دیا تو میں نے کہا، میں تمہیں محمدؐ کے پاس لئے چلتا ہوں۔ لیکن جب تک ان کی طرف سے کوئی اونٹنی نہ لے آؤں یہیں ٹھہرنا۔ پھر تم سوار ہونا اور مسلمان خیموں سے نکل جانا۔ ابو سفیان نے پوچھا، 'میں کیوں اونٹنی پر سوار ہونا پھروں؟' میں نے کہا، 'کیونکہ سارے مسلمان تمہیں جانتے ہیں اور تو نے انہیں کافی دکھ پہنچائے ہیں کہیں ایسا نہ ہو وہ تمہیں دیکھتے ہی برانگیختہ ہو جائیں لیکن اگر تم محمدؐ کی بھیجی ہوئی اونٹنی پر سوار جاؤ گے تو وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچائیں گے اور سمجھیں گے کہ محمدؐ نے تمہیں خود بلایا ہے۔

حضرت عباسؓ کی تجویز پر عمل کرتے ہوئے ابو سفیان نے اپنے آپ کو حضورﷺ کے سامنے پیش کر دیا۔

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں، 'جب میں حضورﷺ کے خیمے میں داخل ہوا، میرے پیچھے عمرؓ بھی آ گیا۔ اس کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا۔ ابو سفیان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا، یا رسولؐ اللہ اگر حکم ہو تو میں اس کا سر اڑا دوں۔ حضرت عباسؓ نے فوراً حضرت عمرؓ کو مخاطب کیا اور کہا تم اس کا سر اس لئے اڑانا چاہتے ہو کہ یہ عبد المناف کی نسل سے ہے۔ اگر اس کا تعلق بنو عدی سے ہوتا تو کیا پھر بھی تم اس کا سر اڑا دیتے۔ (یاد رہے کہ حضرت عمرؓ کا تعلق بنو عدی سے تھا)

marfat.com

حضرت عمرؓ نے جواب دیا' ہاں اگر میرے قبیلے والے بھی حضورﷺ کو دھوکہ دیں تو میں ان کا سر اڑادوں۔ میں صرف ان کا دوست ہوں جو حضورﷺ کے دوست ہیں۔ اور جو حضورﷺ کے دشمن ہیں میں بھی ان کا دشمن ہوں'۔

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں' پھر حضورﷺ مجھ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا۔ اے چچا، ابو سفیان کو آج رات اپنے خیمے میں لے جاؤ۔ اسے کل صبح میرے پاس لانا۔ میں نے ان کے حکم کی تعمیل کی اور ابوسفیان کو اپنے خیمے میں لے گیا۔ جہاں اس نے بڑی بے چینی سے رات بسر کی۔ اگلی صبح جب میں ابوسفیان کے ساتھ حضورﷺ کے سامنے آیا تو حضورﷺ فرمانے لگے،' کیا اب بھی تم پر وہ وقت نہیں آیا کہ تم اللہ کی واحدانیت کا اقرار کرو اور میرے پیغمبر ہونے کی تصدیق کرو؟' ابوسفیان نے جواب دیا،' اے محمدؐ میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ تم ایک ایمان دار آدمی ہو اور یہ کہ اپنی رحمدلی میں بہت مشہور ہو۔ لیکن میں تمھارے پیغمبر ہونے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ حضرت عباسؓ نے فوراً ابوسفیان کو روکا اور کہا،' اے ابوحنظلہ تم ایک طرف دھوکہ دے رہے ہو اور دوسری طرف بحث کر رہے ہو۔ تمھیں پتہ ہے دھوکے باز کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے؟ ایسے آدمی کا سر نہیں اڑا دیتے؟ اگر تم اسلام کی پناہ میں نہ آئے تو اپنی موت کے خود ذمہ دار ہو گے۔

یہ سنتے ہی ابوسفیان نے اپنا سر جھکا دیا اور ایمان لانے پر رضامند ہو گیا۔

بعد ازاں حضورﷺ نے مسلم عمائدین سے جن میں حضرت ابوسفیانؓ بھی شامل تھے مکہ میں داخل ہونے کا مشورہ طلب کیا۔ حضرت ابوسفیانؓ کی عزت اور مرتبے کا لحاظ کرتے ہوئے حضورﷺ نے خاص ہدایت فرمائی کہ جو بھی ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے اس کا جان و مال محفوظ رکھا جائے۔ حضورﷺ نے مندرجہ ذیل خط دے کر ابوسفیانؓ کو مکہ روانہ کیا۔

'کیونکہ مکہ والوں نے وعدہ خلافی کی اور طرفین کے معاہدے کی خلاف ورزی بھی کی اس لئے دستور کے مطابق وہ موت کے مستحق ہیں اور ان کی جائیداد بھی مسلمانوں کے لئے حلال ہے۔ لیکن جو کوئی بھی خانہ کعبہ میں پناہ لے لے گا اس کا جان و مال محفوظ ہو گا اسی طرح جو کوئی ابوسفیانؓ کے

marfat.com

گھر میں پناہ لے گا وہ بھی ہر طرح کے نقصان سے محفوظ رہے گا۔ جو اپنے
گھروں میں بند رہیں گے اور گلیوں بازاروں میں نہیں نکلیں گے وہ بھی
محفوظ رہیں گے۔ انہیں اپنی زندگی یا مال کی کوئی پراوہ نہیں کرنی چاہیئے۔

حضرت ابوسفیانؓ جو ایک تنومند آدمی تھے اونٹ پر سوار ہو کر سیدھا مکہ روانہ ہو گئے۔ اسلامی فوج نے بھی مکہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ مکہ پہنچنے سے پہلے اسلامی فوج نے بغیر قتل وخون کئے اردگرد کے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ مکہ پہنچ کر حضرت ابوسفیانؓ سیدھے خانہ کعبہ گئے اور تمام حقائق بیان کر کے فرمایا، 'اسلامی فوج مکہ داخل ہونے کی نیت سے پہنچ گئی ہے۔ مسلمانوں کا سامنا کرنے کی نہ تو ہمارے پاس طاقت ہے نہ ہمت۔ تاہم حضورﷺ نے اعلان فرمایا ہے کہ جو کوئی خانہ کعبہ یا ابوسفیانؓ کے گھر میں پناہ لے گا، محفوظ رہے گا۔ لیکن وہ لوگ جو خانہ کعبہ یا میرے گھر نہیں پہنچ سکتے وہ اپنے گھروں کے قفل چڑھالیں۔ اور یقین کرلیں کہ ان کی زندگی یا مال و متاع کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔

حضرت ابوسفیانؓ کی بیوی ہندہ یہ سنتے ہی بھڑک اٹھی اور چلائی، 'ماردو اسے۔ دھوکہ دیا ہے اس نے ہمیں۔ لوگوں کو جنگ پر اکسانے کی بجائے یہ انہیں گھروں میں چھپنے کی صلاح دے رہا ہے۔ بزدل!' جب جنگ کی حمایت میں کسی نے ہاتھ نہ اٹھایا تو وہ غصے سے پھٹ پڑی اور اپنے شوہر کا منہ نوچنے کے لئے ایک دم اس پر جھپٹی۔ لیکن لوگ درمیان میں آگئے اور اس کا ہاتھ ابو سفیانؓ تک نہ پہنچ سکا۔

اسلامی فوج کے ہرکارے مکہ میں داخل ہوئے اور وہی کچھ دہرایا جو حضرت ابوسفیانؓ فرما چکے تھے۔ گلیوں میں موجود لوگ فوراً خانہ کعبہ یا حضرت ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو گئے۔ دوسرے اپنے گھروں میں چھپ گئے اور کھڑکیاں دروازے بند کر لئے۔ مکہ کی گلیاں سنسان ہو گئیں۔ مکہ والوں پر ایک عجیب بے چینی طاری ہوگئی۔ وہ بے قراری سے اگلے لمحات کا انتظار کرنے لگے۔ مکہ میں داخل ہونے والا پہلا دستہ حضورﷺ کا خاص جھنڈا اٹھائے ہوئے تھا۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حضرت علیؓ سیدھے خانہ کعبہ پہنچے اور دروازے پر ٹھہر گئے۔ وہ مکہ کے صدر

marfat.com

دروازے سے داخل ہوئے تھے۔

مسلمان فوج کا دوسرا دستہ حضرت زبیرؓ بن عوام کی قیادت میں مکہ کے مغربی دروازے سے داخل ہوا۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ تیسرے فوجی دستے کی قیادت کر رہے تھے جو مشرقی جانب سے مکہ میں داخل ہوا۔ حضرت خالدؓ بن ولید چوتھے فوجی دستے کے سپہ سالار تھے۔ آپؓ جنوب سے مکہ میں داخل ہوئے۔ حضورﷺ نے اپنے چاروں سپہ سالاروں کو خاص ہدایت فرما رکھی تھی کہ اپنے سپاہیوں سمیت مکہ میں داخل ہوتے ہوئے نہ تو اپنی تلواریں نیاموں سے نکالیں اور نہ کسی پر حملہ کریں جب تک کہ ان پر حملہ نہ کر دیا جائے۔ وہ یہ نہ بھول جائیں کہ مکہ والوں کو خانہ کعبہ، ابو سفیان کے گھر یا ان کے اپنے گھروں میں پناہ لینے کی اجازت ملی ہوئی ہے۔ جب حضرت سعدؓ بن عبادہ مکہ میں داخل ہوئے تو اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور اونچی آواز میں فرمایا، 'آج حملے کا دن ہے، پناہ کا نہیں'۔ جب یہ خبر حضورﷺ تک پہنچی تو آپؐ نے فوراً انہیں قیادت سے ہٹا دیا اور ان کی جگہ ان کے بیٹے قیسؓ بن سعد کو قیادت پر مامور فرمایا۔

تمام اسلامی دستے بغیر کسی مزاحمت کا سامنا کئے مکہ میں داخل ہوگئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید کے فوجی دستے کو احابیش نامی قبیلوں کے کچھ لوگوں نے روکنے کی کوشش کی لیکن آپؓ نے حملہ آوروں کو خبردار کیا کہ وہ خواہ مخواہ اپنا خون ضائع نہ کریں کیونکہ ان کی مزاحمت اتنی مضبوط نہیں کہ وہ مسلمانوں کو مکہ داخل ہونے سے روک سکیں۔

لیکن ان لوگوں نے حضرت خالدؓ بن ولید کے الفاظ پر کوئی توجہ نہ دی اور اپنی تلواریں نکال کر حملہ کر دیا۔ اگلے ہی لمحے پندرہ آدمی گرے پڑے تھے۔ دو کا تعلق مسلمانوں سے اور باقیوں کا احابیش قبیلوں سے تھا۔ باقی لوگوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے سامنے بے بس محسوس کیا اور راہ فرار اختیار کی۔

جب چاروں دستے مختلف کونوں سے مکہ میں داخل ہو کر خانہ کعبہ تک پہنچے تو حضورﷺ اپنی سفید اونٹنی پر سوار آگے آئے اور سات بار خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ پھر آپؐ نے خانہ کعبہ کے قفل بردار عثمان بن طلحہ کو دروازہ کھولنے کی ہدایت کی۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ اس روز پانچ آدمی

marfat.com

بیت اللہ میں داخل ہوئے۔

سب سے پہلے حضورﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے، پھر حضرت علیؓ، پھر حضرت اسامہؓ، پھر اسلام کے مشہور و معروف موذن حضرت بلالؓ اور پھر قفل بردار عثمان بن طلحہ۔

جب حضورﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو جو لوگ پناہ گزین تھے خوف سے گھبرا گئے۔ ان کا خیال تھا کہ ان کے سر قلم کر دئے جائیں گے، ان کی زمینیں ہتھیا لی جائیں گی اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنالیا جائے گا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب مکہ والوں نے مسلمانوں سے کئے ہوئے معاہدے کی خلاف ورزی کی تو انہیں حربی کافر قرار دے دیا گیا۔ وہ کافر جو مسلمانوں سے لڑ چکے تھے انہیں حربی کافر کہا جاتا تھا۔ مزید برآں کچھ مکہ والوں نے احابیش کی مدد سے ایک مسلمان دستے پر حملہ کر کے دو سپاہیوں کو مار بھی دیا تھا۔ دستور کے مطابق حضورﷺ کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ شہر کے مردوں کو قتل کر دیں یا غلام بنالیں۔ لیکن حضورﷺ نے سب سے رحم لی کا وعدہ فرمایا۔ آپؐ نے مکہ کے تمام لوگوں کے لئے عام معافی کا اعلان کر دیا۔

marfat.com

اہل مکہ کی معافی

خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے بعد حضور ﷺ اس کے دروازے پر آئے اور کچھ یوں مخاطب ہوئے:

'مکہ والو! تم جنگ کے اصولوں سے واقف ہی ہو اور تمھیں معاہدے کی خلاف ورزی کرنے کی سزا کا بھی علم ہے۔اب جب تم مغلوب ہو چکے ہو، مسلمانوں کو حق حاصل ہے کہ تمھارا سر قلم کر دیں یا تمھیں غلام بنا لیں۔ لیکن آج میں تمھیں وہی کچھ کہتا ہوں جو حضرت یوسفؑ نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔اللہ نے تم سب کو معاف کر دیا ہے۔تم سب آزاد ہو۔تمھارے جان و مال پر کوئی پابندی نہیں'

عربی میں ان مکہ والوں کو طلاقہ یعنی آزاد کردہ غلام کہا جاتا ہے۔اس لئے کہ اگر حضور ﷺ انہیں آزاد نہ کرتے تو یہ مسلمانوں کے غلام ہوتے۔ چنانچہ یہ لوگ طلاقہ کے نام سے مشہور ہوئے۔اس موقع پر حضور ﷺ نے مندرجہ ذیل آیت تلاوت فرمائی۔

وہ کہنے لگے کہ بخدا کچھ شک نہیں تم کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضیلت عطا فرمائی اور بے شک ہم (اس میں) خطاوار تھے۔

سورۃ یوسف ۹۱ :۱۲

آپؐ نے مزید فرمایا

یوسفؑ نے فرمایا کہ تم پر آج کوئی الزام نہیں اللہ تعالیٰ تمھارا قصور معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

سورۃ یوسف ۹۲ :۱۲

marfat.com

اس کے بعد حضور ﷺ نے مندرجہ ذیل آیت تلاوت فرمائی

اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے اللہ خوب جاننے والا پورا خبر دار ہے۔

سورۃ حجرات ۴۹:۱۳

مندرجہ بالا آیات تلاوت فرما کر آپؐ نے انہیں پھر مخاطب فرمایا:

'اے لوگو! اللہ نے تمام انسانوں کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ پرہیز گاری کے سوا انہیں ایک دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ چونکہ اللہ کے سامنے سب برابر ہیں اس لئے تمام عہدے اور شرف جو رنگ و نسل کی بنیاد پر قائم تھے آج کے بعد منسوخ قرار دیئے جاتے ہیں۔ صرف ایک عہدہ قائم ہے اور وہ ہے حاجیوں کو پانی پلانے کا عہدہ۔ پہلے کی طرح یہ عہدہ میرے چچا عباسؓ کے پاس ہی رہے گا۔ کیونکہ سب جانتے ہیں کہ وہ بغیر کسی امتیاز اور تفریق کے پانی پلاتے ہیں۔'

جب مکہ والے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تو عثمان بن طلحہ کو خانہ کعبہ کے محافظ اور کلید بردار کی حیثیت سے برقرار رکھا گیا۔ اس کے بعد یہ عہدہ اس کی نسل میں چلتا رہا۔ آج بھی خانہ کعبہ کی کلید برداری کا ذمہ جن لوگوں کے سر ہے ان کا تعلق عثمان بن طلحہ کی نسل سے ہے۔

خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد حضور ﷺ نے خانہ کعبہ کے سب سے بڑے بت کو اپنے ہاتھوں سے پاش پاش کر دیا۔ پھر آپؐ نے حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا کہ وہ باقی ماندہ بتوں کو توڑ دیں اور خانہ کعبہ کی اندرونی اور بیرونی دیواروں سے لگی ہوئی تصویریں اتار پھینکیں۔

خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنے کے بعد حضور ﷺ نے وہاں موجود لوگوں سے جنہیں آپؐ پہلے ہی عام معافی دے چکے تھے فرمایا کہ وہ جہاں چاہے چلے جائیں۔ ان پر کوئی پابندی

marfat.com

نہیں ہے۔ جو حضرت ابوسفیانؓ کے یا اپنے گھروں میں مقیم تھے انہیں بھی باہر آنے اور روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہونے کی اجازت دے دی گئی۔

جب تمام لوگ چلے گئے تو حضورﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ تنہا رہ گئے۔ اپنے اس آبائی شہر میں ان کا کوئی گھر نہیں تھا۔ آٹھ سال پہلے اسی شہر میں ان کی بیوی حضرت خدیجہؓ کی ملکیت ان کا ایک خوبصورت گھر تھا جس کا شمار مکہ کے بہترین گھروں میں ہوتا تھا۔ لیکن آج ان کا کوئی گھر نہیں تھا۔

کچھ مسلمانوں کا خیال تھا کہ چونکہ حضورﷺ نے مکہ فتح کرلیا ہے اس لئے ان کا حق ہے کہ وہ جس گھر کو چاہیں اپنی رہائش گاہ کے طور پر چن لیں۔ لیکن حضورﷺ نے یہ تجویز مسترد کر دی اور فرمایا کہ مکہ والوں کی جانیں اور مال محفوظ ہیں۔ وہ مکہ میں کسی کا گھر نہیں لیں گے۔ یہ کہہ کر آپؐ اپنے خیمے میں چلے گئے۔

نامور موذن حضرت بلالؓ اذان دینے کے لئے خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ گئے۔ جب حضرت بلالؓ کی آواز مکہ کی گلیوں میں گونجی تو عتاب بن اسید دوڑتا ہوا خانہ کعبہ کی طرف آیا اور حضرت بلالؓ کو نیچے آنے اور اذان نہ دینے کا کہا۔ لیکن حضرت بلالؓ اذان دیتے رہے۔ ان کی توجہ میں کوئی خلل نہ پیدا ہوا۔ حالانکہ عتاب بن اسید انہیں پکارتا اور دھمکیاں دیتا رہا۔

اذان دینے کے بعد حضرت بلال حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عتاب بن اسید کی بدتمیزی کی شکایت کی۔ اگرچہ مذہبی فرائض انجام دینے والے ایک مسلمان کے ساتھ اس طرح کا سلوک انتہائی بری بات تھی اس کے باوجود حضورﷺ نے عتاب کو معاف کر دیا۔ آپؐ کی اس رحمدلی سے متاثر ہو کر وہ بھی قبول اسلام سے فیض یاب ہو گیا۔ حضورﷺ نے انکا منصب بھی بحال رکھا اور انہیں مکہ کے مسلمانوں کا گورنر بھی مقرر کر دیا۔

فتح مکہ کے بعد حضورﷺ نے اپنے سنگدل دشمنوں کے ساتھ انتہائی شفقت کا سلوک روا رکھا اور سب کو معاف کر دیا۔ ان لوگوں میں سے ایک عکرمہ بن ابوجہل بھی تھا جو مسلمانوں کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی اپنی جان بچا کر بھاگ نکلا تھا۔ عکرمہ کی بیوی جو مسلمان ہو چکی تھی

marfat.com

حضور ﷺ کے پاس آئی اور اپنے شوہر کی معافی کی درخواست پیش کی۔ آپؐ نے اسے معاف کر دیا اور اس طرح وہ بھی مکہ واپس آ گیا۔

اسلام کی ایک اور بدترین دشمن حضرت ابوسفیانؓ کی بیوی ہند یا ہندہ تھی۔ اس نے غزوہ احد میں حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چباڈالا تھا اس لئے اسے ہندہ یعنی کلیجہ کھانے والی کہا جاتا تھا۔ اس نے نہ صرف حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا بلکہ بہت سے مسلمان سپاہیوں کا مثلہ کر کے ایک ہار بھی اپنے گلے میں پہنا تھا۔ وہ ناک، کان پر مشتمل اس ہار کو پہن کر ناچا کرتی تھی۔ اس ظالم عورت کو بھی حضور ﷺ نے معاف کر دیا اور ساری زندگی کسی مسلمان نے اسے کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ اسلام کا ایک اور دشمن صفوان بن امیہ تھا جس نے حضور ﷺ کی جان لینے کے لئے ایک کرائے کا قاتل مدینہ بھیجا تھا۔ آپؐ نے اسے بھی معاف فرما دیا۔ اگرچہ اس وقت اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تاہم معافی کے پانچویں دن اس نے ایک سو زرہ بکتر اور پانچ ہزار درہم نقد مسلمان فوج کو پیش کیے۔ آخر کار چند مہینوں بعد غزوہ حنین کے خاتمے پر وہ مسلمان ہو گیا۔

جس وقت حضور ﷺ نے مکہ فتح کیا، خانہ کعبہ میں چار لاکھ بیس ہزار مثقال سونا موجود تھا۔ (ایک مثقال تقریباً پانچ گرام یا بہتر دانوں کے برابر ہوتا ہے) یعنی سو کلوگرام سونا موجود تھا۔

حضور ﷺ نے حکم دیا کہ نہ تو کوئی اس سونے کو ہاتھ لگائے اور نہ ہی مال غنیمت کے طور پر لینے کی کوشش کرے۔ فتح کے پہلے دس دنوں میں قریش کے دو ہزار لوگ بغیر کسی دباؤ کے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ وہ ایک ایک کر کے حضرت عمرؓ کے سامنے آئے اور کلمہ کا اقرار کیا جو کہ اسلام کا بنیادی رکن ہے۔ حضرت عمرؓ انہیں زنا سے باز رہنے اور نیک کام کرنے کی تلقین فرماتے جاتے۔

ہوسکتا ہے کسی کے ذہن میں ہو کہ حضرت عمرؓ ان نومسلموں کو زنا سے باز رہنے کی تلقین کیوں کرتے تھے خاص طور پر غیر شادی شدہ عورتوں سے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کفار مکہ میں زنا اس قدر عام ہو چکا تھا کہ اسے کوئی برائی خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ کچھ عورتوں اور بیواؤں نے تو جن کا تعلق اچھے خاصے شریف خاندانوں سے تھا اپنے گھروں پر جھنڈے لگا رکھے تھے جن کا مطلب یہ تھا کہ وہ دل لبھانے کے لئے مردوں کے اپنے گھروں میں داخلے پر رضامند ہیں۔ فتح مکہ کے بعد

marfat.com

وہ طلائی مستطیل جہاں ایک پتھر پر حضرت ابراہیمؑ کے نقشِ پا محفوظ ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس جگہ پر کھڑے ہو کر بیت اللہ شریف کی تعمیر کی۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو اس جگہ نماز ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل فرمائی۔ ہر سال لاکھوں مسلمان اس روایت کی پیروی کرتے ہیں۔

marfat.com

گناہ اور بدکرداری کی یہ رسمیں ختم کر دی گئیں۔

جو لوگ کلمہ طیبہ کا اقرار کرنے اور اسلام میں داخل ہونے کے لئے حاضر ہوئے ان میں حضرت ابوسفیانؓ کی بیوی ہندہ بھی شامل تھی۔ اسلام کی اس سنگدل مخالف نے بھی آخر کار اسلام قبول کر لیا۔ فتح مکہ کے بعد حضورﷺ انیس دن مکہ میں قیام پذیر رہے۔ اس دوران تقریباً تمام مکہ والے قبول اسلام سے فیض یاب ہو گئے۔ جب مدینہ والوں نے دیکھا کہ مکہ میں حضورﷺ کا قیام طوالت اختیار کرتا جا رہا ہے تو انہیں اندیشہ لاحق ہوا کہ آبائی شہر ہونے کے ناطے کہیں آپ مکہ ہی میں مستقل رہائش اختیار نہ کر لیں۔ لیکن حضورﷺ انصار سے ارشاد فرما چکے تھے، 'میں جب تک زندہ ہوں تم لوگوں کے ساتھ جیوں گا اور تمھی لوگوں کے ساتھ مروں گا۔' انیس دن بعد حضورﷺ مدینہ واپسی کے لئے روانہ ہو گئے۔ مدینہ کے لوگ جنہیں اندیشہ تھا کہ آپؐ شاید واپس لوٹ کر نہ آئیں، آپؐ کو واپس آتا دیکھ کر خوشی سے رو پڑے۔

marfat.com

غزوہ حنین

فتح مکہ کے بعد تقریباً تمام مکہ والے مسلمان ہو گئے اور آہستہ آہستہ اسلام سارے جزیرہ عرب میں پھیل گیا۔ ایک مذہبی، سیاسی اور تجارتی مرکز ہونے کی وجہ سے مکہ کو سارے عرب میں ایک نمایاں مقام حاصل تھا۔ اب یہ مکہ مسلم نظم و ضبط کا مرکز قرار پایا۔

مکہ کے جنوب میں ہوازن نامی ایک قبیلہ آباد تھا۔ اس کی بہت سی شاخیں مکہ کے جنوب سے لیکر یمن کی سرحدوں تک کئی علاقوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ہوازن اور قریش میں کئی بار جنگ چھڑ چکی تھی۔ دونوں کی دشمنی کا یہ حال تھا کہ ہوازن والے مقدس مہینوں میں بھی قریشیوں پر حملہ کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ مقدس مہینوں میں ہونے والی لڑائیوں کو فجار کہا جاتا تھا۔

دونوں قبیلے ایک دوسرے کے پرانے حریف تھے۔ حضرت خدیجہؓ کے والد ماجد ایسی ہی کسی لڑائی میں مارے گئے تھے۔ حضورﷺ خود اپنے بچپن میں ہوازن کے خلاف اپنے چچا کے ساتھ کسی لڑائی میں حصہ لے چکے تھے۔

ہوازن والوں کا ایک قبیلہ جو عام بدوؤں پر مشتمل تھا صحرائے عرب اور بحیرہ احمر کے درمیان واقع علاقے حجاز میں رہتا تھا۔ ہوازن والوں کا ایک اور قبیلہ جس کا نام ثقیف تھا طائف میں مقیم تھا۔ حضورﷺ کی آیا جنہیں آپؐ کی رضاعت کا شرف حاصل تھا ہوازن کے ہی ایک قبیلہ بنو سعد سے تعلق رکھتی تھیں۔ فتح مکہ کے بعد بنو بکر، بنو سالم، بنو سعد اور کئی دوسرے قبیلوں نے اسلام کے خلاف دشمنی برقرار رکھی۔

فتح مکہ کے تیسرے دن حضورﷺ نے کچھ مسلمانوں کو مکہ کے قرب و جوار میں واقع معبدوں میں رکھے بت توڑنے کے لئے بھیجا۔ حضرت خالدؓ بن ولید کو حکم دیا گیا کہ وہ نخلہ کے مقام پر رکھے ہوئے عرب کے مشہور بت عزیٰ کو توڑ آئیں۔

marfat.com

ہوازن والے یہ کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے آدمیوں کو جنگ پر آمادہ کر لیا۔ کچھ ہی دنوں میں ہزاروں جنگجو اپنی عورتوں بچوں اور مویشیوں کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک میدان میں جمع ہو گئے۔ اپنے گھر والے اور مویشی ساتھ لانے کا مطلب یہ تھا کہ یا تو وہ جیت جائیں گے یا سب کچھ ہار جائیں گے۔

ہوازن والوں کی مکہ کی طرف پیش قدمی کی اطلاع ملتے ہی قریش مکہ نے ان کا سامنا کرنے کا فیصلہ کر لیا اور مسلمانوں کے خلاف اس آخری رکاوٹ کو مٹانے کا تہیہ کر لیا۔ انہوں نے متفقہ طور پر مسلمانوں سے مل کر اپنے اس پرانے حریف کو ختم کرنے کی ٹھان لی۔

مکہ کے مشہور سردار صفوان بن امیہ نے مسلمان فوج کو ایک سو زرہ بکتر اور پانچ ہزار درہم نقد دیئے۔ اس نے مسلمانوں کو دیگر اسلحہ اور پیسہ بھی مہیا کیا تا کہ وہ دشمن کا پوری طرح مقابلہ کرنے کے قابل ہو جائیں۔

ہوازن کے مقابلہ پر حضور ﷺ نے بارہ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک فوج تیار کی جن میں سے دو ہزار سپاہی مکہ کے نومسلم تھے۔ اسلامی فوج وادی حنین پہنچ گئی۔ یہ وادی مکہ اور طائف کے درمیان سرزمین پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس وادی کے کچھ حصے سنگلاخ چٹانوں میں اس طرح گھرے ہوئے تھے کہ ان کے درمیان سے گزرنا محال تھا۔

مسلمان فوج کے سپہ سالار سے یہ غلطی ہوئی کہ اس نے اپنے پہرے داروں کو پہاڑوں پر چڑھ کر دشمن کا جائزہ لینے کا حکم نہ دیا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو مسلمان پہاڑوں کے دوسری طرف منڈلاتے ہوئے دشمن کو دیکھ لیتے۔

ہوازن فوجوں کی قیادت مالک بن عوف نصری کر رہا تھا۔ وہ اس سے پہلے بھی اپنے آپ کو اعلیٰ پائے کا سپہ سالار ثابت کر چکا تھا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو پہاڑی دروں کے دونوں جانب کچھ اس طرح متعین کیا ہوا تھا کہ مسلمانوں کے ہراول دستے کو ان کی موجودگی کا علم نہ ہو سکا۔ جب یہ دستہ پہاڑی دروں سے گزر رہا تھا تو مالک بن عوف نے انہیں دیکھ لیا لیکن حملہ کرنے سے باز رہا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ صرف ہراول دستہ ہے باقی فوج اس کے پیچھے آرہی ہوگی۔

marfat.com

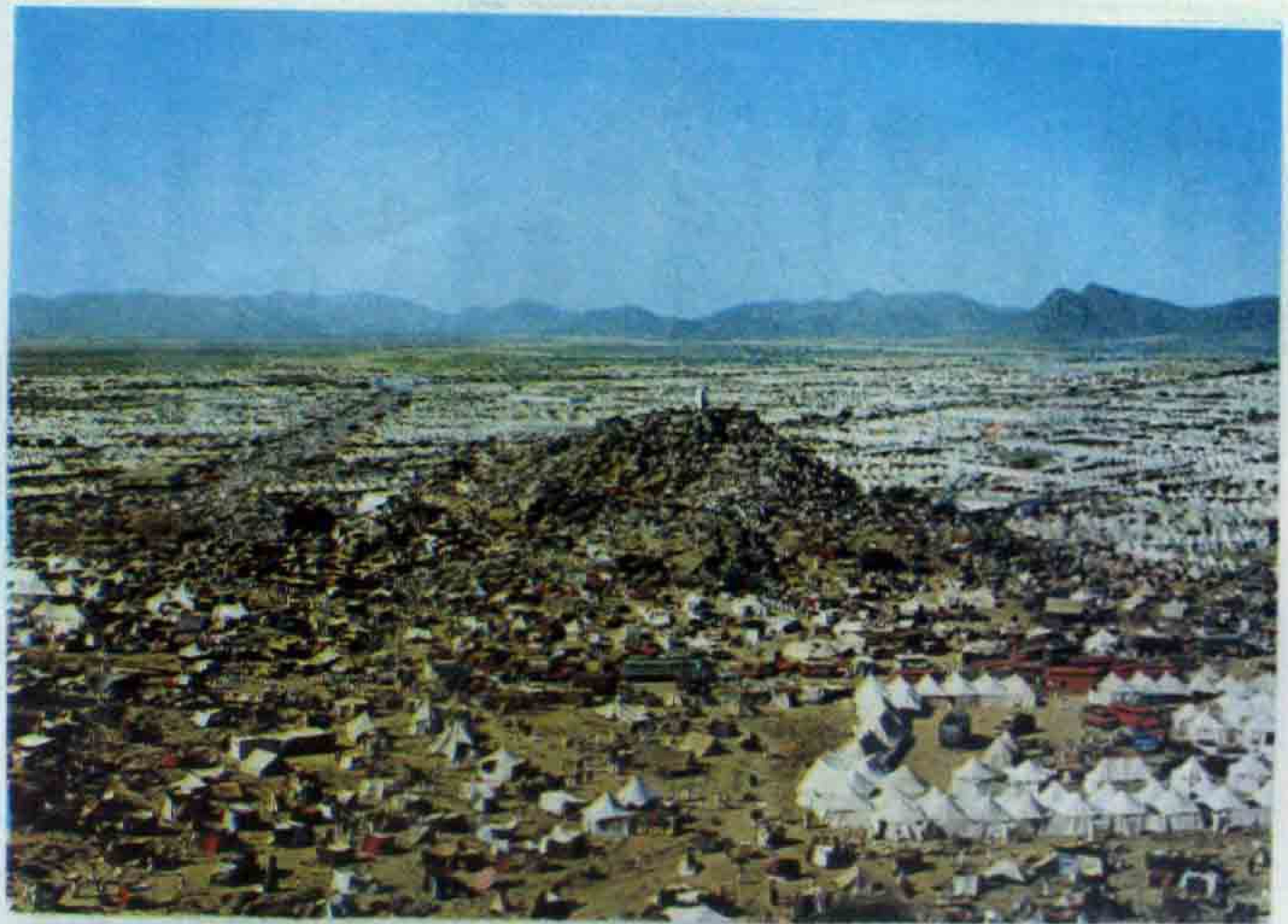

مکہ میں عرفات پر واقع جبل رحمت جہاں حضورؐ نے کھڑے ہو کر مومنین کو اپنا آخری خطبہ ارشاد فرمایا۔ ہر سال لاکھوں مسلمان اس روایت کی پیروی میں یہاں آتے ہیں۔

marfat.com

اس دن حضور ﷺ فوج کے سب سے پچھلے دستے کے ساتھ تھے۔آپؐ ایک سفید خچر پر سوار تھے جس کا نام شیبہ تھا۔ یہ خچر آپؐ کو شاہ حبشہ نے بطور تحفہ بھیجی تھی۔ حضور ﷺ کے ایک صحابی ابوسفیانؓ بن حارث ان کے آگے آگے چل رہے تھے۔

ہوازن فوج کا سپہ سالار مالک بن عوف انتہائی چالاک آدمی تھا۔ اس نے ساری مسلمان فوج کے درے میں جمع ہونے تک انتظار کیا۔ جب مسلمان فوج کا آخری دستہ جس میں حضور ﷺ بھی شامل تھے درے کے اندر داخل ہوا تو مالک بن عوف نے اپنے سپاہیوں کو حملہ کرنے کا اشارہ کر دیا۔ چند ہی لمحوں میں ہزاروں سپاہی پہاڑوں کے پیچھے سے ظاہر ہوئے اور مسلمانوں پر پتھروں اور تیروں کی بارش کر دی۔

مسلمان فوج ایک انتہائی دشوار گزار علاقے سے گزر رہی تھی نیز جنگی نظم وضبط اور تشکیل کی کمی بھی تھی۔ مزید برآں انہیں لاعلمی میں آلیا گیا تھا اس لیے وہ گھبرا گئے۔ گھڑ سواروں نے اپنی لگامیں کھینچیں اور جس راستے سے آئے تھے اسی سے واپس ہونے کی کوشش کی۔ گھڑ سواروں کا یہ حال دیکھ کر دوسرے سپاہی بھی ہمت ہار بیٹھے اور بوکھلا کر واپس بھاگنے لگے۔ قرآن شریف میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے:

> تم کو خدا تعالیٰ نے (لڑائی کے) بہت موقعوں میں (کفار پر) غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی جب کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہو گیا تھا پھر وہ کثرت تمھارے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی پھر (آخر) تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

سورۃ توبہ ۹:۲۵

تمام گزشتہ غزوات میں مسلمانوں کی فتح کا واحد سبب اللہ تعالیٰ کی نصرت واعانت تھا نہ کہ سپاہیوں کی تعداد۔ غزوہ حنین کے وقت مسلمان یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ ان کی تعداد کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر نہیں سکتا۔ اس طرح اگرچہ اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد گزشتہ غزوات سے بہت زیادہ تھی پھر بھی جنگ کے ابتدائی لمحوں میں انہیں فتح کے لئے بے حد جدوجہد کرنا پڑی۔ اللہ تعالیٰ

marfat.com

نے اپنی مدد اور اعانت کا ذکر مندرجہ ذیل آیات میں کیا ہے:

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ (کے قلب) پر اور دوسرے مومنین (کے قلوب) پر اپنی (طرف سے) تسلی نازل فرمائی اور (مدد کے لئے) ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہ کافروں کی (دنیا میں) سزا ہے۔

سورۃ توبہ ۹:۲۶

مسلمانوں نے اپنے آپ کو مجتمع کیا اور ہوازن والوں کے پیر اکھاڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ کچھ ہوازن والے مارے گئے اور باقی اپنی زندگیاں بچاتے ہوئے بھاگ نکلے۔ ان کے اہل خانہ، دولت اور بے شمار مویشی مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے۔ حضورﷺ نے حکم دیا کہ تمام مال غنیمت مکہ سے پندرہ کلومیٹر دور واقع مقام جیرانہ تک پہنچایا جائے اور یہ کہ تمام جنگی قیدیوں کو اچھی خوراک اور لباس مہیا کیا جائے۔

مسلمانوں کی اس پیش قدمی سے ہوازن کے حوصلے ٹوٹ گئے اور وہ طائف میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ اس پر حضورﷺ نے طائف کے محاصرے کا فیصلہ کیا۔ مسلمان فوج کو آتا دیکھ کر طائف کے شہریوں نے دروازے بند کر لئے اور اپنے آپ کو جنگ کے لئے تیار کرنے لگے۔ مسلمانوں نے دروازے توڑنے کے لئے منجنیقوں کا استعمال کیا۔

حضرت سلمانؓ فارسی کے مشورہ پر انہوں نے شہر کی دیواروں تک پہنچنے کے لئے مستعمل گاڑیوں کو جنگی گاڑیوں میں بدل دیا۔ ان گاڑیوں میں مسلمان دشمن کے تیروں اور پتھروں سے بھی محفوظ رہے۔

حضورﷺ نے طائف والوں کو پیغام بھیجا کہ اگر وہ ہتھیار ڈال دیں تو انہیں ہر طرح کی حفاظت مہیا کی جائے گی۔ اس پیش کش کے جواب میں تیس آدمی طائف چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ جب طائف کے محاصرے کو چالیس دن گزر گئے تو حضورﷺ فوج کی قیادت کسی اور کے سپرد کر کے مال غنیمت تقسیم کرنے جیرانہ روانہ ہو گئے۔ سارا مال غنیمت جس میں چھ ہزار

marfat.com

قیدی بھی شامل تھے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

جب مال غنیمت تقسیم کر دیا گیا تو ہوازن کا ایک وفد جس کی نمائندگی زہیر بن سرد کر رہا تھا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان میں حضور ﷺ کا ایک رضاعی چچا بھی تھا۔ انہوں نے جنگی قیدیوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔

جنگی قیدیوں میں ایک خاتون شیمہ بھی شامل تھی۔ اس نے حضور ﷺ کو بتایا کہ وہ آپؐ کی رضاعی بہن ہے۔ اسکی رضاعت بھی حضور ﷺ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہؓ نے فرمائی تھی۔ شیمہ نے حضور ﷺ کو اپنے ہاتھ پر ایک نشان دکھایا اور کہا 'تمھیں یاد ہے ہم بچپن میں اکٹھے کھیلتے تھے۔ کھیل کے دوران میں زخمی ہو گئی تھی، یہ اسی زخم کا نشان ہے۔'

حضور ﷺ نے فرمایا 'شیمہ! کیا تم نہیں چاہتیں کہ مسلمان ہو کر آزاد زندگی بسر کرو؟'

اس نے کہا' آزادی کا مطلب تو واپس جا کر وہی صحرائی اور خانہ بدوش زندگی بسر کرنا ہے۔'

حضور ﷺ نے فرمایا، 'تمھیں آزاد کرنے کی میرے پاس ایک ہی صورت ہے کہ تم مال غنیمت سے میرے حصے میں آجاؤ۔'

ایسا ہی ہوا۔ وہ حضور ﷺ کے حصے میں آگئی اور اسے آزاد کر دیا گیا۔ جب وہ آزاد ہوئی تو حضور ﷺ کے پاس دوبارہ آئی اور کہا کہ اس کا شوہر بھی مسلمانوں کی حراست میں ہے۔ جنگی قانون کے مطابق وہ بھی مسلمانوں کا غلام ہے۔ اس نے حضور ﷺ سے اپنے شوہر کو آزاد کروانے کی درخواست بھی کی۔ حضور ﷺ نے ایک بار پھر ارشاد فرمایا کہ یہ صرف اسی صورت ممکن ہے کہ وہ آپؐ کے حصے میں آجائے۔ جب ایک بار پھر ایسا ہی ہوا تو حضور ﷺ نے اس کے شوہر کو بھی آزاد کر دیا۔

شیمہ کی دیکھا دیکھی دوسروں نے بھی درخواست کی کہ انہیں آزاد کر دیا جائے اور اپنے گھروں کو لوٹ کر پھر سے وہی زندگی بسر کرنے کا موقع دیا جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ چونکہ وہ دوسرے مسلمانوں کے حصے میں آئے ہیں اس لئے وہ خود ایسا نہیں کر سکتے۔ آپؐ نے فرمایا، 'میں صرف یہ کر سکتا ہوں کہ اپنے حصہ کی غلام عورتیں آزاد کر دوں۔ لیکن میں دوسروں کی کوئی ذمہ داری

marfat.com

نہیں لے سکتا اور نہ ان کو مجبور کر سکتا ہوں۔ یہ ان کی مرضی پر موقوف ہے کہ وہ انہیں آزاد کرنا چاہتے یا نہیں۔

حضور ﷺ نے اپنے وعدہ کے مطابق اپنے حصے کی تمام غلام عورتوں کو آزاد کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی وہاں موجود تھے۔ حضور ﷺ کے اتباع میں انہوں نے بھی اپنے حصے کے جنگی قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ حضرت علیؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔ جب دوسرے مسلمانوں نے حضور ﷺ اور آپؐ کے محترم صحابہ کا عمل دیکھا تو انہوں نے بھی ان کی پیروی میں اپنے حصے کے قیدی آزاد کر دیئے۔ تاہم ان کا مال و متاع اپنے قبضے میں رکھا۔ دوسری طرف جب ہوازن والوں نے حضور ﷺ کی سخاوت اور آپؐ کے پیروکاروں کی تابع داری کا یہ عالم دیکھا تو سب کے سب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

آزاد کردہ قیدیوں میں ہوازن فوج کا سپہ سالار مالک بن عوف بھی تھا۔ اسکی تمام جائیداد اور دولت اسے واپس کر دی گئی کیونکہ وہ حضور ﷺ کے حصہ میں آئی تھی۔ مالک بن عوف اسی لمحے مسلمان ہو گیا۔ بعد میں اس نے اسلام کے لئے کئی خدمات انجام دیں۔ حضور ﷺ نے ایک بار پھر طائف کا دورہ کرنے اور حالات کا جائزہ لینے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔

طائف کا محاصرہ بدستور جاری تھا۔ ہوازن والے دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اس لئے مسلمانوں کو اہل طائف سے کوئی خاص خطرہ نہیں تھا۔ حضور ﷺ کو علم تھا کہ اگر محاصرہ جاری رکھا گیا تو آخر کار اہل شہر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ فوج کا کچھ حصہ محاصرہ برقرار رکھنے کے لئے چھوڑ کر آپؐ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مکہ روانہ ہو گئے۔

جب حضور ﷺ واپس مکہ تشریف لائے تو انصار نے گلہ کیا کہ ہوازن والوں سے ملنے والا مال غنیمت ان کی نسبت اہل قریش زیادہ لے گئے ہیں۔

یہ شکایت بے بنیاد نہیں تھی کیونکہ واقعی مال غنیمت کی تقسیم کے وقت حضور ﷺ نے قریش کے نو مسلموں کو انصار کی نسبت زیادہ حصہ دیا تھا۔ تاہم یہ حصہ انصار کے حصے سے کاٹ کر نہیں دیا گیا تھا کیونکہ دستور کے مطابق مال غنیمت کا پانچواں حصہ حضور ﷺ اور آپؐ کے خاندان کے لئے

marfat.com

مختص تھا۔ اگر آپؐ کسی کو زیادہ حصہ دے کر نوازتے تو ہمیشہ اپنے حصے سے نوازتے۔ اس بار بھی قریش کے نومسلموں کو آپؐ نے اپنے حصے سے نوازا تھا۔

حضورﷺ کا خیال تھا کہ قریش کے ساتھ نسبتاً اچھا سلوک رکھا جائے تا کہ اسلام کے ساتھ ان کی لگن اور زیادہ ہو۔ تاہم آپؐ نے انصار سے فرمایا 'تم اس بات سے مایوس یا خفا نہ ہو کہ قریش تم سے زیادہ حصہ لے گئے ہیں کیونکہ قریش تو مکہ میں رہیں گے جبکہ میں تمھارے ساتھ مدینہ چلا جاؤں گا جہاں ایک بار پھر ہم اکٹھے رہیں گے۔ تمھارے لئے ایک بھیڑ یا اونٹ کی قیمت زیادہ ہے یا پیغمبر کے ساتھ کی۔ تمھیں کیا معلوم تم کتنے خوش نصیب ہو کہ تمھیں پیغمبر کے ساتھ رہنے کا موقع مل رہا ہے۔ نہ صرف اللہ کی رحمت تمھارے ساتھ ہے بلکہ تمھاری آنے والی نسلیں بھی اللہ کی رحمت سے محروم نہیں ہوں گی۔'

یہ سن کر انصار بہت پچھتائے۔ فرط جذبات سے ان کی آوازیں رندھ گئیں۔ وہ بولے 'یا رسولؐ اللہ! ہم اپنے کہے پر بہت شرمندہ ہیں۔ ہمیں اپنے آپ پر افسوس ہے۔' یہ کہہ کر وہ اپنی کم علمی پر زاروقطار رونے لگے۔

کچھ دنوں بعد جب حضورﷺ انصار کے ساتھ مدینہ روانہ ہوئے تو وہ اس قدر خوش تھے کہ انہوں نے نا صرف ہلہلہ بلند کیا بلکہ کچھ شعر بھی گائے۔ کچھ انصار کی آنکھیں تو خوشی سے بھر آئیں۔

حضورﷺ نے بنوامیہ کے ایک تیس سالہ نوجوان کو مکہ کا گورنر مقرر کیا۔ شہر کا نظام اس کے حوالے کر کے آپؐ مدینہ روانہ ہو گئے۔ مدینہ پہنچتے ہی طائف کا ایک وفد آپؐ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ وفد کے ارکان نے حضورﷺ کو بتایا کہ اگر طائف والوں کو بت پرستی، سود خوری، شراب نوشی اور ماضی کی دوسری خرافات جاری رکھنے کی اجازت دے دی جائے تو وہ مسلمان ہونے کے لئے تیار ہیں۔ حضورﷺ نے یہ شرط مسترد کر دی اور فرمایا کہ اسلام میں شراب نوشی، سود خوری یا کسی دوسری خرافات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

وفد کے ارکان طائف والوں سے گفت وشنید کر کے واپس آئے اور بتایا کہ طائف والے

marfat.com

مندرجہ بالا برائیوں سے توبہ کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن انہوں نے حضور ﷺ سے درخواست کی ہے کہ انہیں ان کے بت اللات کو اپنے ہاتھوں سے توڑنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

لہذا حضور ﷺ نے حضرت خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں کچھ لوگ اللات کو توڑنے کے لئے بھیجے۔ انہوں نے اللات کے اتنے ٹکڑے کیئے کہ وہ مٹی میں مل گیا۔

marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بطور ایک مذہبی، سیاسی اور فوجی راہنما

فتح مکہ سے نو سال قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہی قبیلے والوں کے ہاتھوں اپنے اس آبائی شہر کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔ اپنے با اعتماد دوست حضرت ابو بکرؓ کی معیت میں مدینہ جاتے ہوئے انہوں نے غار ثور میں قیام فرمایا۔

اس سفر سے پہلے کفار مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس کی قیمت لگا رکھی تھی۔ یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ جو کوئی بھی آپؐ کو زندہ یا مردہ پکڑے گا ایک سو اونٹوں کا حقدار سمجھا جائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف مکہ کو فتح کیا بلکہ اپنے دشمنوں کو اسلام کے نڈر سپاہی بنا دیا۔ ان میں سے بہت سے تو آپؐ کے لئے اپنی زندگی تک قربان کرنے کو تیار تھے۔ حتیٰ کہ ابو جہل کا بیٹا عکرمہ جو اسلام دشمنی میں پیش پیش تھا، نہ صرف مسلمان ہوا بلکہ شہادت کے منصب تک پہنچا۔ قریش کا مشہور سپہ سالار ابو سفیانؓ جو غزوہ احد اور غزوہ خندق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدمقابل آچکا تھا مسلمان ہو گیا۔ مکہ کا ایک اور سپہ سالار خالدؓ بن ولید نہ صرف اسلامی فوجوں کا سپہ سالار مقرر ہوا بلکہ قبول اسلام کے بعد سیف اللہ کے خطاب سے بھی نوازا گیا۔

نویں ہجری کے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام جزیرہ عرب کے حکمران کی حیثیت حاصل کر چکے تھے۔ اکثر لوگ یا تو مسلمان ہو چکے تھے یا اسلام اور مسلمانوں کی بالا دستی قبول کر چکے تھے۔ پہلی ہجری سے دسویں ہجری تک اسلام آٹھ سو بائیس مربع میل فی یوم کے حساب سے پھیلتا گیا۔

شروع میں مسلمان اتنے غریب تھے کہ سپاہیوں کو پہلے تین غزوات میں اپنے اونٹ تک بانٹ کر استعمال کرنا پڑے۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ اب مسلمان

marfat.com

اتنے طاقتور ہو گئے تھے کہ غزوہ حنین میں ان کے پاس ایک ہزار گھوڑے تھے۔ اسی طرح غزوہ تبوک میں اسلامی فوج میں گھوڑوں کی تعداد دس ہزار تھی۔ اسلام کی پہلی لڑائی نخلہ کے مقام پر صرف چار مسلمانوں نے لڑی۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی۔ غزوہ احد میں مسلمان سپاہیوں کی تعداد سات سو تھی لیکن غزوہ تبوک میں وہ تیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ میدان جنگ میں اترے۔

کچھ غزوات میں مسلمانوں کو معمولی نقصان اٹھانا پڑا لیکن کچھ غزوات میں انہیں بھاری نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ جزیرہ عرب کی وسعت کو ذہن میں رکھیں تو مسلمانوں کے قابض ہونے تک ان کا نقصان انتہائی معمولی نظر آتا ہے۔

نویں ہجری میں اسلام قبول کرنے والے عربوں کے لئے اسلام اللہ، پیغمبروں، نبیوں، فرشتوں، کتابوں، روز قیامت اور تقدیر پر ایمان رکھنے کے بعد پانچ بنیادی اصولوں پر مشتمل تھا۔

شہادت (ایمان کی گواہی):

یہ اعتراف اور اقرار کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں اور یہ کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں شہادت کہلاتا ہے۔ یہ ایمان کی وہ شرط ہے جس کو قبول کرنے کے بعد ایک غیر مسلم مسلمان بن جاتا ہے۔

صلواۃ (نماز):

پانچ مخصوص اوقات میں نماز ادا کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

صوم (روزہ):

ایک مخصوص مہینے میں صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور دیگر جزئیات سے اجتناب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

زکواۃ (شرعی لگان):

یہ ایک ایسا لگان ہے جو ہر مسلمان کے ذمہ اپنی آمدنی اور دولت کے حساب سے سال

marfat.com

میں ایک بار اسلامی ریاست کو پیش کرنا فرض ہے۔

حج (بیت اللہ کی زیارت):

استعداد رکھنے کی صورت میں ہر مسلمان پر زندگی میں ایک بار خانہ کعبہ کی زیارت فرض ہے۔

اس دن سے لیکر آج تک اسلام انہی بنیادی اصولوں پر استوار چلا آ رہا ہے۔

مکہ سے واپسی پر مدینہ میں حضور ﷺ نے قرب و جوار سے آنے والے کئی نمائندوں، وفود اور سفیروں سے ملاقات کی۔ عربی میں وفد سفارت کے ایک نمائندہ کا نام ہے۔ وفود اس کی جمع ہے۔ کیونکہ یہ سال ایسے وفود سے ملاقاتوں پر مشتمل تھا اس لئے اسے عام الوفود کہا جاتا ہے۔

حضور ﷺ کی حیثیت اس وقت پورے عرب کے مذہبی، سیاسی اور فوجی راہنما کی تھی۔ اس کے باوجود جب بھی کوئی قاصد یا سفیر آپؐ سے ملنے آیا اس نے آپؐ کو کھجور کی بنی ہوئی چٹائی پر ہی بیٹھے پایا۔

جب کوئی وفد آپؐ سے ملنے آتا تو سیاہ فام حضرت بلالؓ اس کو خوش آمدید کہتے۔ آپؓ اسے اس کمرے تک لے جاتے جہاں حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے۔ بہت سے وفود مدینہ میں رملہ بنت حارث کے گھر ٹھہرتے۔ یہ گھر نجار یہ نامی وادی میں واقع تھا اور باہر سے آنے والے سرکاری مہمانوں کے لئے مختص تھا۔ بعض دفعہ تو آنے والے وفود کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی کہ انہیں ایک گھر میں ٹھہرانا مشکل ہو جاتا۔ ان حالات میں حضور ﷺ کے حکم سے مسجد نبویؐ کے ساتھ خیمے لگا کر باہر سے آنے والوں کی رہائش کا بندوبست کیا جاتا۔

marfat.com

یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے

مذہبی آزادی

اگرچہ ہجرت کے نویں سال تک اسلام عرب کے کونے کونے میں پھیل چکا تھا لیکن پھر بھی حضور ﷺ نے یہودیوں اور عیسائیوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔ یہ دونوں گروہ اہل کتاب میں سے تھے۔ حضور ﷺ کا نجران کے پوپ ابو حارثہ بن علقمہ کو لکھا ہوا خط عیسائیوں کی مذہبی آزادی کے پہلو کو بہت اچھی طرح واضح کرتا ہے۔ نجران عرب کے جنوب میں واقع تھا جس کی سرحدیں یمن سے ملتی تھیں۔ وہاں کے لوگوں کی اکثریت عیسائی تھی۔ اسلام سے پہلے یمن کے یہودی بادشاہ ذوالنواس نے اس علاقے کے عیسائیوں کو زندہ جلا دیا تھا۔ اس واقعے کا ذکر قرآن شریف میں یوں آیا ہے:

> خندق والے یعنی بہت سے ایندھن کی آگ والے ملعون ہوئے۔ جس وقت وہ لوگ اس (آگ) کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ جو کچھ مسلمانوں پر (ظلم وستم) کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے اور ان کافروں نے ان مسلمانوں میں کوئی عیب نہیں پایا بجز اس کے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست (اور) سزاوار حمد ہے۔

البروج ۸-۴:۸۵

نجران کے پوپ کے نام حضور ﷺ کے خط میں لکھا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے رسول محمد ﷺ کی جانب سے نجران کے پوپ اور دوسرے

marfat.com

پادریوں کے نام۔

پوپ اور دوسرے عیسائی اکابرین کو معلوم ہونا چاہئے کہ چرچ کا انتظام چلانا ان کی اپنی ذمہ داری ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کو ان لوگوں سے ہمدردی ہے۔ اس خط کے ذریعے اللہ کا رسول یہ اعلان کرتا ہے کہ کوئی پادری یا مذہبی سربراہ اپنے عہدے سے نہیں ہٹایا جائے گا، نہ ہی اس کے اختیارات کم کئے جائیں گے۔ مزید یہ کہ ان کی مذہبی رسوم میں کوئی دخل اندازی نہیں کی جائے گی۔ جب تک عیسائی علماء اپنے مذہبی فرائض ایمانداری اور لگن سے ادا کریں گے ان کی آبرو کا تحفظ کیا جائے گا۔ عیسائیوں کو بھی چاہئے کہ وہ دوسروں کے لئے مشکلات پیدا نہ کریں۔

حضور ﷺ کا مندرجہ بالا خط اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہودیوں کی طرح عیسائیوں کو بھی اپنے مذہبی فرائض کی بجا آوری میں مکمل آزادی حاصل تھی۔ اس معاملے میں انہیں مسلمانوں کے ہاتھوں کسی مزاحمت کا سامنا نہیں تھا۔

ہجرت کے نویں سال نجران کے عیسائیوں کی ایک نمائندہ جماعت حضور ﷺ سے ملنے مدینہ پہنچی۔ اس جماعت میں دوسرے شرفاء کے ساتھ نجران کا پوپ ابو حارثہ، لاٹ پادری عبدالمسیح اور جماعت کا سربراہ العیہم بھی شامل تھے۔ جب نجران کے یہ عیسائی علماء حضور ﷺ سے ملنے مدینہ پہنچے تو انہوں نے اپنے مخصوص روحانی لباس پہن رکھے تھے۔ مدینہ کے لوگوں نے ان کے چمکدار لباس کو انتہائی حیرانی سے دیکھا۔ حضور ﷺ نے عیسائیت کے ماننے والوں کا بہت احترام کیا۔ اللہ نے عیسائیوں کو عزت دی ہے۔

> تمام آدمیوں سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے آپؐ ان یہود اور ان مشرکین کو پادیں گے اور ان میں مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے کے قریب تر ان لوگوں کو پایئے گا جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں یہ

marfat.com

اس سبب سے ہے کہ ان میں بہت سے علم دوست عالم ہیں اور بہت
سے تارک الدنیا درویش ہیں اور اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ متکبر نہیں
ہیں۔ اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو کہ رسولؐ کی طرف بھیجا گیا ہے تو
آپؐ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں اس سبب سے
کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم
مسلمان ہو گئے تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لیجئے جو تصدیق کرتے
ہیں۔

المائدہ ۵:۸۲،۸۳

یہاں اس بات کا ذکر بہت ضروری ہے کہ عیسائیوں کے حق میں نازل ہونے والی ان آیات کا کچھ حصہ حبشہ کے عیسائی بادشاہ کے مسلمانوں کے ساتھ اچھے سلوک کے حوالے سے نازل ہوا۔

ہجرت کے نویں سال ۶۳۱ء حج کے موقعہ پر مسلمانوں کے ساتھ مشرکین مکہ نے بھی اپنے طریقے سے حج ادا کیا؛ لیکن یہ سال ان کے طواف کا آخری سال ثابت ہوا کیونکہ اگلے سال اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی حدود میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔

قرآن شریف میں اس کا بیان کچھ اس طرح آیا ہے:

اے ایمان والو مشرک لوگ (بوجہ عقائد خبیثہ) نرے ناپاک ہیں سو یہ
لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آنے پاویں اور اگر تم کو
مفلسی کا اندیشہ ہو تو (تم خدا پر توکل رکھو) خدا تم کو اپنے فضل سے اگر
چاہے گا (ان کا) محتاج نہ رکھے گا بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا
ہے بڑا حکمت والا ہے۔

سورۃ توبہ ۹:۲۸

marfat.com

کثیر الازدواجیت

ظہور اسلام سے پہلے کثیر الازدواجیت کی بری ترین شکل زیرعمل تھی۔اس طرز زندگی میں بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں تھی۔بہت سے لوگوں کی بیویوں کی تعداد تو ایک سو سے بھی زیادہ تھی۔تعداد کو محدود کرنے کا کوئی قانون نہیں تھا۔ان خواتین کا خوراک، محبت، لباس، تحفظ یا وراثت وغیرہ پر کوئی حق نہیں تھا۔ایسے وقت میں جب اس طرح کے کام قوم کی روایات میں جڑیں پکڑ چکے تھے، حضورﷺ نے اس طرز زندگی میں ایک تدریجی انداز سے تبدیلی پیدا کی۔انہوں نے انتہائی ضرورتمند اور غریب عورتوں کو سہارا دینے کے لئے بڑی بڑی سختیوں اور قربانیوں کا سامنا کیا۔

جو لوگ اس عمل کو آج کے پرآسائش طرز زندگی کی روشنی میں جانچنے کی کوشش کرتے ہیں، جس میں دولت، شراب نوشی اور ناجائز تعلقات ایک عام سی بات ہے، یہ بھول جاتے ہیں کہ سماجی دلیری، جنسی آزادی اور ایسے ہی دوسرے حقوق وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے عورتوں کو آج بے راہ روی، جسم فروشی اور دیگر مشکلات کا سامنا ہے۔آئے دن ہمیں حکمرانوں، وزیروں، مذہبی لوگوں، فیکٹریوں کے ہم پیشہ ملازموں اور عام لوگوں کے عورتوں کو جنسی طور پر ہراساں کرنے کے واقعات سننے کو ملتے ہیں۔ہم سب کو ان کی وجوہات کا علم ہے۔یہ زندگی کا دوغلا پن اور ان لوگوں کا کردار ہے جو انہیں ایسے رویوں میں ملوث ہونے پر مجبور کرتا ہے۔انہوں نے اخلاقیات، شخصی آزادی اور زندگی کی قدروں کے اپنے معیار بنا رکھے ہیں۔

مسلمان اللہ کے حکم سے ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ شادی کر سکتے ہیں اور وہ ان کی ضروریات زندگی اور بچوں کی ذمہ داریاں بھی قبول کرتے ہیں۔دوسری طرف مغربی لوگ ان کا بالکل الٹ ثابت ہوئے ہیں۔وہ شادی سے پہلے اور شادی کے بعد کسی قسم کی پابندی یا ذمہ داری

marfat.com

قبول نہیں کرتے۔ دراصل کثیر الازدواجیت کی حقیقی شکل یہی ہے۔ حضور ﷺ نے مختلف اوقات میں مختلف جگہوں پر مختلف حالات میں گیارہ عورتوں کو رشتہء ازدواج میں قبول فرمایا۔ ان کی شادیوں حالات اور پس منظر کا ایک مختصر سا جائزہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ ان میں سے کچھ تفصیلات ایک لحاظ سے مکرر لگتی ہیں لیکن ان کے ناگزیر ہونے کی وجہ سے انہیں پھر پیش کیا جاتا ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ جسم کی بہترین حالت زمانہ نوجوانی ہے جب جنس مخالف کی خواہش بھی اپنے عروج پر محسوس ہوتی ہے۔ سائنسی حوالے سے یہ بات ثابت ہے کہ پریشانیوں اور شدید جسمانی مشقت سے یہ خواہش بتدریج کم ہو جاتی ہے۔

حضور ﷺ پچیس سال تک حضرت خدیجہؓ سے رشتہ ازدواج میں منسلک رہے اور ان کے اندر دوسری عورت کی کوئی خواہش پیدا نہ ہوئی۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپؐ جنگوں، محاصروں اور مذہبی امور کی بجا آوری میں رات دن مصروف ہوں اور آپؐ کو یہ خواہش ستانے لگے۔ انؐ کے بارے میں تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ساری ساری رات عبادت میں مصروف رہتے تھے تاوقتیکہ اللہ نے انہیں رات کا کچھ حصہ آرام کرنے کی اجازت دے دی۔ ایسی صورت میں آپؐ کے پاس انسانی خواہش پورا کرنے کا وقت کہاں سے آسکتا تھا؟

جس روز کہ زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں گے اور پہاڑ (ریزہ ریزہ ہوکر) ریگ رواں کے ٹیلے ہو جاویں گے۔

المزمل۔۱۴:۷۳

آپ ﷺ کی پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ، عام الفیل اور حضور ﷺ کی اپنی ولادت سے پندرہ سال قبل ۵۵۶ء میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد خویلد بن اسد کا تعلق مشہور قبیلے بنو اسد سے تھا۔ آپؓ کے پہلے شوہر کا نام ابو حالہ بن ضرارہ تمیمی تھا۔ اس شوہر سے آپؓ کے ہند اور ہالہ نامی دو بچے پیدا ہوئے۔

آپؓ کے دوسرے شوہر کا نام عتیق بن عابد مخزومی تھا۔ اس شوہر سے آپؓ کی ایک بیٹی پیدا

marfat.com

ہوئی۔ آپؓ کے دونوں شوہر وفات پا چکے تھے۔

ایک بار آپؓ نے خواب میں دیکھا کہ سورج آپؓ کے گھر میں اتر آیا ہے اور مکہ کا کوئی گھر اس کی روشنی سے خالی نہیں بچا۔ جب آپؓ نے یہ خواب اپنے ماموں زاد ورقہ بن نوفل کو سنایا تو اس نے اس خواب کی تعبیر حضورﷺ سے آپؓ کی شادی مبارک بتائی۔ اس وقت آپ پچیس سال کے نوجوان اور حضرت خدیجہؓ چالیس سال کی ایک بیوہ تھیں۔

آپﷺ کی اس شادی سے چھ بچے پیدا ہوئے، دو لڑکے اور چار لڑکیاں۔ آپؐ کے بچوں کے نام قاسمؓ، زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ تھے۔ یہ بچے آپ کے اعلان نبوت سے پہلے پیدا ہوئے جب کہ ایک صاحبزادہ عبداللہ اعلان نبوت کے بعد پیدا ہوا۔ آپﷺ کا یہ صاحبزادہ دو سال کی عمر میں وفات پا گیا۔ چالیس سال کی عمر میں حضرت جبرائیلؑ غار حرا میں وحی لے کر آئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا پیغمبر چن لیا ہے

بہت سے خدام ہونے کے باوجود حضرت خدیجہؓ آپؐ کے لئے کھانا خود لاتی تھیں۔ ایک بار حضرت جبرائیلؑ نے حضورﷺ کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خدیجہؓ کے لئے جنت میں ایک موتیوں کا محل بنوایا ہے۔ حضرت خدیجہؓ حضورﷺ کے ساتھ پچیس سالہ خوشگوار شادی شدہ زندگی گزارنے کے بعد پینسٹھ سال کی عمر میں انتقال فرما گئیں۔ آپ کا انتقال رمضان المبارک کی دس تاریخ کو ہوا۔ حضورﷺ کو حضرت خدیجہؓ کے کردار اور اچھی فطرت سے انتہائی محبت اور لگاؤ تھا۔ حضورﷺ کی محبت عام دنیادار نوجوان کی محبت سے انتہائی مختلف تھی۔ وہ اپنی نیک بخت بیوی سے انتہائی مخلص اور وفادار ثابت ہوئے اور ان کی زندگی میں کسی اور عورت سے شادی نہ کی۔

آپﷺ کی دوسری بیوی سودہؓ بنت زمعہ قریش کی ایک شاخ بنو لوائی سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپؓ کی پہلی شادی سکران بن امر سے ہوئی تھی۔ آپؓ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپؓ اس قبیلے کی اسلام لانے والی پہلی خاتون تھیں۔ پہلے شوہر سے آپ کا ایک بیٹا عبدالرحمن تھا۔

جب آپؓ کے شوہر کا انتقال ہوا آپؓ کی عمر پچاس برس تھی۔ خولہ بنت حکیم حضورﷺ کے

marfat.com

گھر کی دیکھ بھال کیا کرتی تھیں۔ انہوں نے ہی حضور ﷺ سے آپؓ کی شادی کی بات چیت بڑھائی۔ نبوت کے دسویں سال شوال کے مہینے میں آپؓ کی شادی حضور ﷺ سے انجام پائی۔ آپؓ ہجرت کے سات ماہ بعد مدینہ پہنچ گئیں۔ حضرت سودہؓ نے آپ کی دوسری بیویوں کے ساتھ انتہائی محبت کا سلوک روا رکھا۔ آپؓ کو ان سے کبھی کوئی رشک یا حسد محسوس نہیں ہوا تھا۔

حضرت سودہؓ چمڑے کی اشیاء بنانے کا ہنر جانتی تھیں۔ آپؓ ان اشیاء کی تجارت سے کافی خوشحال تھیں۔ آپؓ انتہائی انسان دوست اور فیاض طبیعت کی مالک تھیں اور اپنا سارا مال غریبوں میں بانٹ دیا کرتی تھیں۔ آپؓ نے ہجرت کے چودھویں سال بہتر برس کی عمر میں وفات پائی۔

آپؓ کی حضور سے شادی کی اولین وجہ چار چھوٹے بچوں کی دیکھ بھال تھی۔ حضور ﷺ کی روزمرہ ذمہ داریوں کو بھی کسی نہ کسی کی توجہ کی ضرورت تھی۔ حضور ﷺ نے اس پچاس سالہ خاتون سے اس وقت شادی کی جب آپ کسی بھی نوجوان عورت سے شادی کر سکتے تھے۔ آپؐ بہت مصروف تھے اور نئے دین کو پھیلانے میں کافی محنت کر رہے تھے۔ حضور ﷺ کا شادی کرنے کا خیال عام آدمی کے شادی کرنے کے خیال سے کافی مختلف تھا۔ آپ کی یہ بیوی اس قدر بوڑھی تھیں کہ انہوں نے جان بوجھ کر اپنے ازدواجی حقوق دوسری بیویوں کو دے دئے۔ حضور ﷺ نے آپؓ سے کبھی علیحدگی نہ فرمائی۔

عورتیں اس زمانے میں بغیر کسی پابندی اور پردے کے ایک دوسرے سے مل سکتی تھیں اور اپنے ذاتی اور دنیاوی معاملات پر گفتگو کر سکتی تھیں۔ دوسری عورتوں کی طرح حضور ﷺ کے گھر کی عورتیں بھی اپنی ضروریات کے لئے باہر آتی جاتی تھیں۔ رشتہ داروں سے ملنے یا رفع حاجت کے لئے باہر جانے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ ان آیات کے نزول کے ساتھ ہی ان باتوں پر پابندی عائد ہوگئی۔

> اے نبی کی بیویوں تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم (نامحرم مرد سے) بولنے میں (جبکہ بضرورت بولنا

marfat.com

پڑے) نزاکت مت کرو (اس سے) ایسے شخص کو (طبعًا) خیال (فاسد پیدا) ہونے لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ (عفت) کے موافق بات کہو اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو اور تم نمازوں کی پابندی رکھو اور زکواۃ دیا کرو اور اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے گھر والو تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو (ہر طرح ظاہرا و باطنا) پاک وصاف رکھے۔

احزاب۔۳۳، ۳۲، ۳۳:۳۳

آپ ﷺ کی تیسری بیوی عائشہؓ کا تعلق تیم بن کعب بن مرہ قبیلے سے تھا۔ آپؓ کے والد ماجد کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔

جس سال ۹ ربیع الاول کو حضور ﷺ کی ولادت ہوئی وہ عام الفیل کے نام سے مشہور تھا۔ یہی سال پہلا محمدی سال کہلاتا ہے۔ دوسرے محمدی سال کی پہلی ربیع الاول کو حضور ﷺ تقریباً ایک سال کے ہو گئے۔ حضور ﷺ کی حضرت خدیجہؓ سے شادی چھبیسویں محمدی سال میں ہوئی جب آپ کی عمر پچیس برس تھی۔ آپؐ نے چونویں محمدی سال میں مدینہ ہجرت فرمائی۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک ترپن برس تھی۔ آپ کا وصال چونسٹھویں محمدی سال میں ہوا جب کہ آپؐ کی عمر مبارک تریسٹھ برس تھی۔

حضرت عائشہ چھیالیسویں محمدی سال پیدا ہوئیں۔ آپؓ کی حضور ﷺ سے شادی اکاونویں محمدی سال میں ہوئی جب آپؓ کی عمر چھ برس تھی۔ آپؓ نے مدینہ ہجرت چونویں محمدی سال میں کی جب آپؓ کی عمر آٹھ برس تھی۔ آپؓ نو سال کی عمر میں حضور ﷺ کے گھر آئیں۔ جب چونسٹھویں محمدی سال یا دس ہجری کو حضور ﷺ کا وصال ہوا آپؓ اپنی عمر کے اٹھارہ سال مکمل کر چکی تھیں۔

جس گھر میں حضرت عائشہؓ اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھیں وہ ایک کمرے پر مشتمل تھا جس

marfat.com

کی چوڑائی پندرہ فٹ اور لمبائی بارہ فٹ تھی۔ اس گھر کی دیواریں کچی مٹی اور چھت کھجور کی شاخوں اور پتوں سے بنی ہوئی تھی۔ بارش کے پانی سے بچنے کے لئے اس چھت پر موٹے موٹے کمبل ڈالے گئے تھے۔

گھر کا سازوسامان ایک پلنگ، کھجور کے پتوں کی چٹائی، چھال سے بھرے ہوئے ایک تکیے، آٹے اور کھجوروں کے دو مٹکوں، پانی کے ایک مشکیزے اور مٹی کے ایک آبخورے پر مشتمل تھا۔ حضرت عائشہؓ کی حیثیت دوسری بیویوں میں اس لحاظ سے بھی نمایاں ہے کہ جبرائیلؑ نے حضور ﷺ کو ان کی تصویر دکھائی اور انہیں اللہ کا پیغام دیا کہ وہ ان سے شادی کریں۔

حضور ﷺ کی بیویوں میں صرف حضرت عائشہؓ کے حجرہ مبارک میں جبرائیلؑ وحی لے کر آیا کرتے تھے۔ حضور ﷺ کا وصال آپؓ ہی کے حجرے میں ہوا اور آپؓ ہی کے حجرے میں آپ ﷺ کی تجہیز وتکفین ہوئی۔

حضور ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عائشہؓ کے والد ماجد حضرت ابوبکرؓ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپؓ کا زمانہ خلافت دو سال تین مہینے دس دن کی مدت پر محیط ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے وصال کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ نامزد ہوئے۔ آپ کا زمانہ خلافت عرصہ دس سال پر محیط ہے۔ جب آپؓ کو شہید کیا گیا تو آپ کو بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح حضور ﷺ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

حضور ﷺ کے یہ دونوں قریبی ساتھی حضرت عائشہؓ کے ہی حجرہ میں محو آرام ہیں۔ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ خلیفہ چنے گئے۔ جب انہیں بھی شہید کر دیا گیا تو حضرت علیؓ مسلمانوں کے خلیفہ قرار پائے۔

نبوت کے ستاونویں سال حضرت عائشہؓ شدید بیمار ہوئیں اور سترہ رمضان کو تریسٹھ سال کی عمر میں وصال فرما گئیں۔ آپؓ کی لحد مبارک جنت البقیع میں ہے۔

اس شادی میں حضور ﷺ کی مرضی کی کوئی گنجائش باقی نہیں تھی کیونکہ حضرت جبرائیلؑ آپ ﷺ کو ان کی تصویر دکھا چکے تھے اور بتا چکے تھے کہ وہ آپ کی بیوی ہیں۔ حضرت عائشہؓ وہ ممتاز ہستی ہیں

marfat.com

کہ جب سازشیوں نے آپؓ کے خلاف ایک سازش تیار کی تو اللہ تعالیٰ نے خود آپؓ کی معصومیت اور برئت کا اعلان قرآن شریف میں فرما دیا۔

جن لوگوں نے یہ طوفان (حضرت صدیقہؓ کی نسبت) برپا کیا ہے (اے مسلمانو) وہ تمھارے میں کا ایک (چھوٹا سا) گروہ ہے تم اس (طوفان بندی) کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو (بلکہ یہ باعتبار انجام کے) تمھارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے۔ ان میں سے ہر شخص کو جتنا کسی نے کچھ کیا تھا گناہ ہوا اور ان میں جس نے اس (طوفان) میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کو سخت سزا ہوگی۔ (آگے ان قاذفین مومنین کو ناصحانہ ملامت ہے) جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ گمان نیک کیوں نہ کیا۔ اور (زبان سے) یوں کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے (آگے اس حسن ظن کے وجوب کی وجہ سے ارشاد ہے) یہ (قاذف) لوگ اس (اپنے قول) پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔ سو جس صورت میں یہ لوگ (موافق قاعدہ کے) گواہ نہیں لائے تو بس اللہ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں۔

سورۃ النور۔۱۳۔۱۱:۲۴

حضورﷺ کے تمام اعمال اللہ کی مرضی سے تھے اور انہیں ان میں کوئی اختیار حاصل نہیں تھا۔ حضرت عائشہؓ سے آپ کی محبت توجہ اور احترام کے بارے میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ عین اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کے مطابق تھا۔ آپؐ ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور سپردگی میں تھے۔

آپﷺ کی چوتھی بیوی حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کا تعلق قبیلہ بنو عدی سے تھا۔ آپؓ کی پہلی شادی خنیس بن حذیفہ السہمی سے ہوئی جو غزوۂ بدر میں مارا گیا۔ حضرت حفصہؓ بیوہ ہو گئیں جبکہ آپ کی عمر صرف اکیس برس تھی۔

رسول اللہﷺ نے ہجرت کے تیسرے سال شعبان میں آپؓ سے شادی فرمائی۔ آپؓ

marfat.com

پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ قرآن شریف کی سورتوں کو کاغذ پر لکھتیں اور جمع کرتی تھیں۔ آپؓ نے یہ صفحات ساری عمر ساتھ رکھے۔ جب حضورﷺ کا وصال ہوا آپؓ کی عمر ستائیس سال تھی۔ حضورﷺ کے ساتھ آپؓ کی ازدواجی زندگی کی مدت تقریباً سات سال ہے۔ قرآن شریف کی کتابت اور جمع تدوین کا کام حضرت حفصہؓ کی مدد سے ہی پایہ تکمیل تک پہنچا۔ آپؓ ۴۱ ہجری میں ۵۹ برس کی عمر پا کر امیر معاویہ کے زمانہ خلافت میں وصال فرما گئیں۔

آپؓ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ مزاجاً سخت ہونے کی وجہ سے لوگ آپؓ سے شادی کرنے سے گریز کرتے تھے۔ آپؓ بہت چھوٹی عمر میں بیوہ ہو گئیں۔ آپؓ کے والد ماجد حضورﷺ کے بڑے قریبی دوست تھے اور آپؓ کے بارے میں بہت فکر مند تھے۔ یہ شادی اسلام کے لئے کچھ اس طرح فائدہ مند ثابت ہوئی کہ حضرت حفصہؓ کی لکھی ہوئی سورتوں سے ہی بعد میں حضرت عثمانؓ نے قرآن کی جمع و تدوین فرمائی اور اسے مکمل تحریری شکل میں محفوظ کرنے کا کارنامہ سرانجام دیا۔ آپؓ کو حضورﷺ کے قرب کا اعزاز صرف سات سال چھ ماہ نصیب ہوا۔

آپؐ کی پانچویں بیوی حضرت زینبؓ بنت خزیمہ پہلے عبیدہ بن حارث کے نکاح میں تھیں۔ عبیدہ غزوۂ بدر میں مارا گیا۔ آپؓ نے دوسری شادی عبداللہ بن جحش سے کی جو غزوۂ احد میں قتل ہو گیا۔ آپؓ ایک بار پھر بیوہ ہو گئیں۔ حضورﷺ سے شادی کے وقت آپؓ کی عمر پچاس برس تھی۔ آپؓ ۴ھ کو ربیع الآخر میں حضورﷺ کے ساتھ آٹھ مہینے کی رفاقت کا اعزاز لے کر دنیا سے پردہ فرما گئیں۔

ایک بیوہ کے ساتھ یہ شادی جو دو بار جنگوں میں اپنے شوہر گنوا کر بڑی سختی کی زندگی بسر کر رہی تھی صرف اور صرف ہمدردی کی بنیاد پر ہی ہو سکتی ہے۔

آپﷺ کی چھٹی بیوی ام سلمہؓ تھیں جو پہلے ابوسلمہ کے عقد میں تھیں۔ غزوۂ احد میں لگے ہوئے زخموں کے خراب ہونے کی وجہ سے ابوسلمہ تین جمادی الآخر ۴ھ کو مر گیا۔ اس شوہر سے آپ کے چار چھوٹے چھوٹے بچے تھے جن کی کفالت کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس وقت

marfat.com

آپؓ کی عمر صرف تیس سال تھی۔ حضورﷺ کے ساتھ آپؓ کی شادی ہجرت کے چوتھے سال تین شوال کو انجام پائی۔ شادی کے بعد آپؓ حضرت زینبؓ کے حجرے میں تشریف لے آئیں جو چھ ماہ پہلے انتقال فرما چکی تھیں۔ حضورﷺ نے آپؓ اور آپؓ کے چار بچوں کی کفالت کا ذمہ اٹھالیا۔ آپؓ نے ۵۹ھ کو ۸۵ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔

یہ شادی بھی صرف اور صرف جذبہ ہمدردی کے زیر اثر تھی۔ ایک جوان بیوہ اور چار بچوں جنہیں سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا کو آسرا اور سرپرستی مل گئی۔

آپ کی ساتویں بیوی زینبؓ بنت جحش رشتے میں آپ کی عمہ زاد تھیں۔ آپؓ بہت پرکشش تھیں۔ اگر حضورﷺ آپؓ سے شادی کرنا چاہتے تو بآسانی کر سکتے تھے لیکن آپؐ نے آپؓ کا ہاتھ اپنے منہ بولے بیٹے اور آزاد کردہ غلام زیدؓ کے لئے مانگ بھیجا۔ آپؓ نے ہاں کر دی لیکن یہ شادی کامیاب ثابت نہ ہوئی اور طلاق کی صورت میں ختم ہو گئی۔ آپؓ کی دوسری شادی حضورﷺ سے اللہ تعالیٰ کی مرضی سے طے پائی جس سے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے شادی نہ کرنے اور اس کے جائیداد میں حقدار ہونے کی روائت کا خاتمہ ہو گیا۔

آپ کی آٹھویں بیوی جویریہؓ بنت حارث، حارث بن ابوضرار کی بیٹی تھیں جو یمن سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ وہی یمن ہے جہاں کبھی ملکہ سبا کی حکومت تھی۔ آپؓ کے والد حجاز میں آباد ہو گئے تھے اور اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ آپؓ کے والد نے آپؓ کا نام برہ رکھا تھا۔ جب آپؓ بالغ ہوئیں تو آپؓ کی شادی مصافی نامی آدمی سے ہوئی۔ آپؓ کے والد حارث بن ابوضرار اور شوہر مصافی بن صفوان حضورﷺ اور مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ آپؓ کا شوہر غزوۂ بنی مصطلق میں مارا گیا لیکن باپ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس غزوہ میں چھ سو قیدی ہاتھ لگے جن میں قبیلے کے سردار کی بیٹی برہ بھی شامل تھی۔ آپؓ کو بطور کنیز ثابت بن قیس کے حوالے کر دیا گیا۔ آپؓ نے حضورﷺ کے سامنے مزاحمت کی اور کہا کہ میں قبیلے کے سردار کی بیٹی ہوں اور کنیزوں اور غلاموں کی طرح کام کرنے کی عادی نہیں ہوں۔

آپؐ نے پیسے ادا کئے اور انہیں آزاد کرا دیا۔ آپ حضورﷺ کے اس فعل سے اس قدر متاثر

marfat.com

ہوئیں کہ اپنے باپ کے گھر جانے کا خیال چھوڑا اور آپ ہی کی غلامی اختیار کر لی۔ حضورﷺ نے آپؓ کے باپ کو آپؓ سے شادی کا پیغام بھیجا جس نے اسے بخوشی قبول کر لیا۔ جب آپؓ کی شادی ہوئی آپؓ کی عمر بیس سال کے قریب تھی۔

حضورﷺ نے آپؓ کا نام بدل کر برّہ سے جویریہ رکھ دیا۔ برّہ کے والد آپﷺ کے اس حسن سلوک سے اس قدر متاثر ہوئے کہ خود بھی اسلام قبول کر لیا۔ حضورﷺ نے اس قبیلے کے اور غلاموں کو بھی آزاد کر دیا۔ جب دوسرے مسلمانوں کو آپؐ کے اس اقدام کی خبر ہوئی تو ان سب نے بھی اپنے اپنے غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اس طرح سارا قبیلہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا اور مسلمانوں کی قوت اور طاقت کا ذریعہ ثابت ہوا۔

جب حضورﷺ کا وصال ہوا تو حضرت جویریہؓ کی عمر ۲۵ سال تھی۔ آپؓ کو حضورﷺ کا ساتھ صرف پانچ سال نصیب ہوا۔ آپؓ ۵۶ھ میں ۷۱ سال کی عمر میں وصال فرما گئیں۔ آپؓ کی قبر مبارک جنت البقیع میں ہے۔

حضرت جویریہؓ کا خاندان اور قبیلہ حضورﷺ اور اسلام کا سخت ترین دشمن تھا۔ آپؓ کی شادی اس تمام قبیلے کے قبول اسلام کا باعث ثابت ہوئی۔ بعد میں یہی نو مسلم علاقے میں اسلام کی اشاعت کا بہترین ذریعہ ثابت ہوئے۔

آپ کی نویں بیوی ام حبیبہؓ بنت ابوسفیان کا اصل نام رملہ تھا۔ آپؓ پہلے عبید اللہ کے نکاح میں تھیں۔ جب قریش مکہ کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو رملہ اور عبید اللہ ہجرت کر کے حبشہ چلے آئے جہاں کا بادشاہ نجاشی تھا۔ عبید اللہ عیسائیوں کے مال و دولت سے متاثر ہو کر مرتد ہو گیا اور عیسائیت قبول کر لی۔ رملہ نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور مطلقہ کی زندگی بسر کرنے لگیں۔

حبشہ کے بادشاہ نے حضورﷺ کی دعوت پر چھٹی ہجری میں اسلام قبول کر لیا۔ جب آپؐ کو علم ہوا کہ ام حبیبہ حبشہ میں بڑی سخت زندگی بسر کر رہی ہیں تو آپؐ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو آپؓ تک شادی کا پیغام پہنچانے کو کہا۔ آپؓ اس پیغام پر بخوشی رضامند ہو گئیں۔ آپؓ کے پہلے شوہر سے آپؓ کی ایک بیٹی حبیبہ تھی۔ حضورﷺ سے شادی کے وقت آپؓ کی عمر ۳۶ سال تھی۔

marfat.com

آپؓ کے باپ کا نام ابو سفیان تھا جو قریش مکہ کے سردار تھے۔ ایک بار آپ حضور ﷺ سے ملنے مدینہ تشریف لائے۔ آپ کو اپنی بیٹی سے ملے ۱۴ سال ہو گئے تھے۔ آپؓ نے اپنے باپ کو حضور ﷺ کے بستر پر بیٹھنے سے منع فرمایا کیونکہ آپ اس وقت غیر مسلم اور ناپاک تھے۔

آپؓ اپنی بیٹی کے اس سلوک سے بہت پریشان ہوئے۔ آپؓ بعد میں مسلمان ہو گئے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں جنگ یرموک میں حصہ بھی لیا۔ اس جنگ میں آپؓ کی دوسری آنکھ بھی ضائع ہو گئی۔ آپؓ کی پہلی آنکھ جنگ طائف میں ضائع ہوئی تھی۔ حضرت ابو سفیانؓ نے ۳۱ھ کو ۹۶ برس کی عمر میں وصال فرمایا۔ آپؓ کی آخری آرام گاہ جنت البقیع میں ہے۔

ام حبیبہؓ ۴۴ھ میں ۷۴ برس کی عمر پا کر اس دنیا سے پردہ فرما گئیں۔

حضرت ابو سفیانؓ قریش مکہ کے سردار تھے۔ پہلے وہ بھی اسلام اور حضور ﷺ کے سخت مخالف تھے۔ ان کی بیٹی جو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حبشہ ہجرت فرما گئی تھیں اور جنہیں طلاق ہو گئی تھی وہاں بڑی مشکلات کا شکار تھیں۔ حضور ﷺ کے ساتھ ان کی شادی سے نہ صرف ان کی مشکلات حل ہو گئیں بلکہ ان کے والد اور دوسرے رشتہ دار بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ یہ شادی اشاعت اسلام اور سیاسی مصلحتوں کی بنا پر طے پائی تھی۔

آپؐ کی دسویں بیوی صفیہ بنت حیی، حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں جو توراۃ کا بہت بڑا عالم اور بنو نضیر کا سردار تھا۔ اس نے حضور ﷺ اور مدینے کے اردگرد آباد یہودیوں کے درمیان طے شدہ معاہدہ ختم کر دیا تھا۔ جب اسے مدینہ سے نکالا گیا تو خیبر کے یہودیوں نے اسے اپنا سردار چن لیا۔ حیی بن اخطب حضرت موسیٰؑ کے حقیقی بھائی حضرت ہارونؑ کی نسل سے تھا۔

حضرت صفیہؓ کی پہلی شادی سلام بن مشکم سے ہوئی تھی جو قبیلہ بنو قریضہ سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ ایک بہت بڑا تلوار زن اور اعلیٰ پائے کا شاعر تھا۔ حضرت صفیہؓ اور ان کے شوہر کے درمیان بہت اختلافات تھے۔ شادی کے تھوڑا عرصہ بعد ان کے درمیان طلاق ہو گئی۔ آپؓ کی دوسری شادی کنانہ بن ربیع بن ابو الحقیق سے انجام پائی۔

حیی بن اخطب نے تیسری بار اپنا وعدہ توڑا اور جنگ خندق کی ۵ھ میں مدینہ پر حملہ کرنے

marfat.com

کے لئے قریش مکہ اور دوسرے قبیلوں کے ساتھ مل گیا۔ یہ اس معاہدے کی سنگین خلاف ورزی تھی جس میں یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف نہ لڑنے کا وعدہ کیا تھا۔ جب مدینہ کا محاصرہ ٹوٹا اور یہودی پسپا ہونے پر مجبور ہوئے تو حضورﷺ کو بنو قریضہ کی لگاتار سازشوں کا علم ہوا۔ آپؐ نے ان کا پیچھا کیا اور انہیں مزید سازشوں سے روکنے کے لئے ان کا گھیراؤ کر لیا۔ ان کے آدمیوں کو للکارا اور جنگ کے دوران قتل کر کے ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا۔

حی بن اخطب کی وفات کے بعد حضرت صفیہؓ کے دوسرے شوہر کنانہ بن ربیع خیبر کے یہودیوں کے سردار بن گئے اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضورﷺ نے ان کی سازشوں کا مکمل خاتمہ کرنے کی غرض سے خیبر میں ان کے قلعوں پر حملہ کر دیا۔

خیبر کے یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور اپنی شکست قبول کر لی۔ جو زمین بنو نضیر اور مدینہ کے یہودیوں سے ہاتھ لگی تھی اس شرط پر خیبر کے یہودیوں کے حوالے کر دی گئی کہ وہ اسے کاشت کریں اور نصف فصل مسلمانوں کو دیں۔ خیبر کی جنگ کے بعد حضرت صفیہؓ جن کے شوہر اس جنگ میں کام آئے تھے اسیر کر لی گئیں۔

انہیں حضورﷺ کے سامنے لایا گیا۔ کیونکہ وہ بنو نضیر اور بنو قریضہ کے سردار کی بیٹی تھیں آپؐ نے ان کا تاوان ادا کر کے انہیں آزاد کرا دیا۔

آپؓ نے اپنے لوگوں کے پاس جانے کی بجائے اسلام قبول کرنے اور حضورﷺ کی ہی غلامی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپؐ نے جمادی الاول ۷ ھ کو حضرت صفیہؓ سے شادی کر لی۔

حضورﷺ نے خیبر میں کچھ عرصہ قیام کیا جہاں یہودیوں نے آپؐ کو ایک کھانے میں شرکت کی دعوت دی۔ ایک یہودی عورت نے گوشت میں زہر ملا کر آپؐ کو پیش کر دیا۔ جب حضرت صفیہؓ کی حضورﷺ سے شادی ہوئی تو آپؓ کی عمر ۱۷ سال تھی۔ آپؓ کو حضورﷺ کی رفاقت کا شرف چار سال حاصل رہا۔ وصال کے وقت آپؓ کی عمر ۶۰ سال تھی۔ آپ کی قبر مبارک جنت البقیع میں ہے۔ آپؓ پیدائشی طور پر یہودی تھیں۔ پھر آپؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ آپؓ ایک ایسے

marfat.com

یہودی عالم کی بیٹی تھیں جس کو عرب کے یہودیوں میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔حضور ﷺ سے آپؓ کی شادی یہودیوں کی تمام سازشوں کے خاتمے کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ یہودیوں اور مسلمانوں کے تعلقات بھی اچھی خاصی حد تک بحال ہو گئے۔آپؓ کی گیارہویں بیوی میمونہؓ بنت حارث، قیس بن اعلان قبیلے کے حارث بن سعسعہ کی بیٹی تھیں۔آپؓ کا اصل نام برّہ تھا۔آپؓ کی پہلی شادی مسعود بن امر بن امیر سے ہوئی جو کامیاب ثابت نہ ہو سکی۔آپؓ نے دوسری شادی ابو رہم بن عبدالعزیٰ سے کی جو بہت جلد فوت ہو گیا۔ان شادیوں سے آپؓ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔

آپؓ کی شادی حضور ﷺ سے اس وقت ہوئی جب وہ مکہ میں عمرہ ادا کر رہے تھے۔حضور ﷺ نے آپ کا نام برّہ سے بدل کر میمونہ رکھ دیا۔اس وقت آپؓ کی عمر ۳۶ سال تھی۔آپ حضور ﷺ کی آخری بیوی تھیں۔اس شادی کے بعد ہلال بن عامر قبیلے کے تمام لوگ مسلمانوں کے قریبی اور وفادار حلیف بن گئے۔

۲۹ صفر ۱۱ھ کو ایک جنازے سے واپسی پر حضور ﷺ کو شدید سر درد محسوس ہوا۔اس بیماری کے دوران آپؐ حضرت میمونہؓ کے حجرے میں تھے لیکن بعد میں حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لے آئے۔

آپؓ نے رشتہ ازدواج میں حضور ﷺ کے ساتھ صرف تین سال اور تین ماہ بسر کیے۔جب حضور ﷺ کا وصال ہوا آپؓ کی عمر مبارک ۳۹ سال تھی۔حضرت میمونہؓ نے ۵۱ھ کو ۸۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔آپؓ کو مکہ کے قریب اس جگہ پردہ دیا گیا جہاں شادی کے بعد حضور ﷺ سے آپؓ کی ملاقات ہوئی تھی۔

اس شادی نے اسلام کو کئی سیاسی فائدے بہم پہنچائے۔اسلام اور حضور ﷺ کی مخالفت میں کافی حد تک مزاحم حضور ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ اور قریش کے دوسرے رؤساء اور زعماء سے حضرت میمونہؓ کا بڑا قریبی تعلق تھا۔اس شادی نے قریش کی بہت سی پرانی رشتہ داریوں کو زندہ کر دیا اور کئی اختلافات ختم کرا دیے۔

marfat.com

شمعون بن زید جو جنگی قیدی تھے کی صاحبزادی ریحانہؓ بنت شمعون سے حضورﷺ کی شادی کے بارے میں مسلمان علماء کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ آپؓ کی عمر ۲۰ سال تھی۔ آپؓ کو آزاد کرانے کی رقم بھی حضورﷺ نے ادا کی تھی۔ آپؓ حضورﷺ کے گھر میں بطور ملازم رہتی رہیں۔ آپؓ کا تعلق یہودی قبیلے بنو النضیر سے تھا۔ آپؓ حضورﷺ کے وصال سے دس سال قبل وفات پا چکی تھیں۔

آپؐ کی بارھویں بیوی ماریہؓ بیس سالہ مصری کنیز تھیں۔ آپؓ کی حضورﷺ سے شادی ۶۲۸ء میں ہوئی۔ اس بیوی سے حضورﷺ کا ایک بیٹا ابراہیمؓ پیدا ہوا۔ حضرت ابراہیمؓ سولہ ماہ کی عمر میں وصال فرما گئے۔ آپؓ جنت البقیع میں آسودۂ خاک ہیں۔ اس شادی کا اصل پس منظر اور حالات معلوم نہیں ہیں۔

اسلام اور کثرت ازواج:

اس بات پر تقریباً تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اسلام کثرت ازواج کی اجازت دیتا ہے۔ تاہم یہ اجازت حکم نہیں۔ قرآن میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ مسلمان مرد کو کثیر الازدواجیت میں ضرور پڑنا چاہئے۔ اسلام نے کثیر الازدواجیت کو دراصل متعارف نہیں کرایا بلکہ اسے صرف منظم کیا ہے۔ کثیر الازدواجیت تو زمانہ قدیم سے ہی تقریباً تمام انسانی معاشروں میں ایک جانی پہچانی اور باقاعدہ صورت میں موجود رہی ہے۔

کثیر الازدواجیت ہندوؤں، شامیوں، مصریوں، ایرانیوں، یونانیوں، عبرانیوں، رومیوں، عیسائیوں اور یہاں تک کہ تقریباً سبھی پرانی قوموں میں پائی جاتی تھی۔ اسلام کے آغاز میں کثیر الازدواجیت کی جو شکل عرب کے بدوؤں میں پائی جاتی تھی وہ اپنی نوعیت کی بری ترین شکل تھی۔

اگرچہ اسلام نے کثیر الازدواجیت کو برقرار رکھا لیکن کچھ ایسے اقدامات کئے جس سے اس سماجی پہلو کی ضروری اصلاح ممکن ہوگئی۔ بیویوں کی تعداد چار تک محدود کر دی گئی اور وہ بھی اس شرط پر کہ تمام بیویوں کے ساتھ مساوی سلوک اور برتاؤ ہوگا۔

marfat.com

آج کل کثیرالازدواجیت کی اس اجازت کو نہ صرف روایتی غیر مسلم مخالفین بلکہ اسے عورتوں کے حقوق میں تفریط خیال کرنے والے مغرب زدہ مسلمان مفکرین کے ہاتھوں شدید تنقید کا سامنا ہے۔ تاہم یہ سب کچھ سراسر غلط فہمی کی بنیاد پر ہے کیونکہ کثیرالازدواجیت بذات خود کوئی برائی نہیں ہے بلکہ بعض معاملات میں یہ ثقافتی، سماجی اور اخلاقی ضرورت بن جاتی ہے۔

حضورﷺ نے اپنی زندگی میں گیارہ عورتوں سے شادی کی۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے ان میں سے زیادہ تر شادیاں ثقافتی، سماجی، سیاسی اور اخلاقی ضروریات کی بنا پر عمل میں لائی گئیں۔ جنگ میں جب مردوں کی اچھی خاصی تعداد مر جاتی ہے اور عورتوں کی تعداد مردوں سے بڑھ جاتی ہے تو کثیرالازدواجیت ایک سماجی اور معاشی ضرورت بن جاتی ہے۔ اور پھر ایسی صورت میں جب عورت کسی نقص یا بانجھ پن کی وجہ سے بچہ نہ جن سکتی ہو تو کثیرالازدواجیت شادی کو ناکام ہونے سے بچاتی ہے اور شوہر کو بچوں کے حصول کی خاطر دوسری بیوی کر سکنے کی اجازت مہیا کرتی ہے۔ علاوہ ازیں عورتوں کی نسبت مردوں میں کثیرالازدواجیت کی جبلت تو سائنس سے بھی ثابت ہے۔

کچھ مردوں کی فطرت تو اس قسم کی ہے کہ اگر انہیں ایک بیوی تک محدود کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ زنا یا جسم فروشی کا شکار ہو سکتے ہیں۔ جدید دنیا میں جہاں ایسی پابندیاں قانونی طور پر نافذ کی جاتی ہیں ان برائیوں کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

یہ ایک آفاقی حقیقت ہے کہ عام آدمی پر لاگو ہونے والے قوانین، ضابطے اور حدود کا اطلاق اللہ کے منتخب کردہ بندوں پر نہیں ہوتا۔ لوگوں کے منتخب کردہ بادشاہوں، صدور، وزرائے اعظم، ججوں اور جنرل مینیجروں کے حقوق ہی لے لیں۔ ان سب کو کچھ ایسے خصوصی فوائد حاصل ہوتے ہیں جن کی اجازت آئین اور ملک کے قانون تک نے دے رکھی ہوتی ہے۔ جب ہم عام لوگوں کو دئے گئے ان اضافی فوائد پر اعتراض نہیں کرتے تو ہمیں پیغمبروں کو دی گئی فضیلتوں پر بھی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔

تاریخ میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں جب عام لوگوں کے قوانین پیغمبروں پر قابل اطلاق نہیں

marfat.com

سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک مخصوص الہامی امر سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بغیر اعلان جنگ کئے ایک غیر قبطی کو مار ڈالا۔ انہیں اس ملک کے قانون کے مطابق سزا دی جاسکتی تھی، اس پر وہ فوراً کسی محفوظ جگہ چلے گئے۔

اللہ تعالیٰ کو اپنا قانون جو اس نے انسانوں کے لئے خود بنایا ہے، بدلنے کا پورا پورا اختیار ہے، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے معاملے میں نظر آتا ہے۔

حضور ﷺ کی تمام بیویوں نے ان احادیث کو جمع کرنے میں مدد دی جو حضور ﷺ کے وصال کے بعد آنے والی کئی نسلوں کے لئے رہنمائی ثابت ہونا تھیں۔ ان کے نکاح میں آنے والی تقریباً تمام عورتیں یا تو بیوہ تھیں یا غلام؛ یا مطلقہ یا یہودی۔

جو کچھ بھی حضور ﷺ نے زندگی میں کیا وہ آپ ؐ کے ماننے والوں کے لئے ایک روائت بن گیا۔ آپ ؐ کی زیادہ تر شادیاں آنے والے تمام وقتوں اور تمام حالات میں آپ ؐ کے ماننے والوں کے لئے ایک روایت یا مثال کا درجہ رکھتی ہیں۔ جہاں تک شادیوں کی تعداد کا تعلق ہے تو ماضی کے کئی پیغمبروں کی بہت زیادہ بیویاں تھیں لہذا ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پاک کے لئے کوئی حد مقرر نہ کرنا چاہتا ہو کہ ایسا کرنے سے دوسرے پیغمبروں پر آپ ؐ کی کوئی فضیلت باقی نہ رہے۔

یہ تمام حالات زمانہء جنگ، قحط اور امن سے بھی مشروط ہیں۔ حضور ﷺ کی طرف سے قائم کی گئی کوئی بھی روایت انکے مستقبل کے پیروکاروں کے لئے مسائل پیدا کرسکتی تھی خصوصاً اس بات کے پیشِ نظر کہ حضور ﷺ خدا کے آخری پیغمبر ہیں۔

حضور ﷺ اگر خواہش کرتے تو ان کے لئے نوجوان اور خوبصورت لڑکیوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ حضور ﷺ کا مطمع نظر اس مقصد کے لئے جینا اور مرنا تھا جس کے لئے انہیں چنا گیا تھا۔ حضور ﷺ کے تمام افعال میں انکی برداشت، حلیمی اور تحمل کی انسانی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے انہوں نے سخت مشکلات جھیلیں۔ انہوں نے فاقے برداشت کئے، اپنا خون بہایا، لڑائیوں کا سامنا کیا، دعا کی، معاف کیا حتیٰ کہ شادی بھی کی تو اپنے خالق کی خوشنودی

marfat.com

کے لئے۔ انہیں خدا کے احکامات اور قوانین کی تبلیغ کے لئے معبوث کیا گیا تھا۔ خالق کی خوشنودی اور مرضی کے سامنے ان کی ذاتی ضروریات اور خواہشات بے وقعت تھیں۔ ان کے اعمال کے صحیح مطالعے کے لئے ان کے مقصد کا پورا منظر ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

قرآنِ پاک میں بہرحال شادیوں کے تعداد کے بارے میں واضح احکامات موجود ہیں۔ اسلام نے مرد کے لئے ایک سے زائد شادیوں کی صورت میں ایک وقت میں چار شادیوں کی اجازت دی ہے جبکہ خواتین کو ایک وقت میں ایک سے زائد شادی کی اجازت نہیں ہے۔ قرآنِ حکیم کی اس موضوع سے متعلقہ آیات کا مفہوم اس طرح سے ہے:

> اور اگر تم کو اس بات کا احتمال ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کرسکو گے تو اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کرلو دو دو عورتوں سے اور تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر بس کرو یا جو لونڈی تمھاری ملک میں ہو وہی سہی۔ اس امر مذکور میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے۔

سورۃ نساء ۴:۳

> اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہوسکے گا کہ سب بیویوں میں برابری رکھو گو تمھارا کتنا ہی جی چاہے تو تم بالکل تو ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ جس سے اس کو ایسا کردو جیسے کوئی ادھر میں لٹکی ہو اور اگر اصلاح کرلو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے بڑے رحمت والے ہیں۔

سورۃ نساء ۴:۱۲۹

اسطرح سے سورۃ نساء کی آیت نمبر تین مرد کو ایک سے زائد شادیوں کی اجازت تو دیتی ہے لیکن تعدد ازدواج کو چار تک محدود کر دیتی ہے۔ اور یہ اجازت بھی اس امر کے ساتھ مشروط ہے کہ خاوند اپنی تمام بیویوں کے ساتھ انصاف کرے۔ اس آیت میں عدل یا انصاف کی کوئی واضح

marfat.com

تعریف بیان نہیں کی گئی تاہم قرآن پاک کے تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ آیت مذکورہ میں انصاف سے مراد لباس، قیام وطعام، محبت اور وقت کی مساوی تقسیم ہے۔

قرآن پاک کی اوپر بیان کردہ سورۃ نساء کی آیت نمبر ۱۲۹ میں ارشاد ہوتا ہے کہ 'تم اپنی خواہش کے باوجود اپنی تمام بیویوں سے ایک جیسا سلوک نہیں کر سکتے۔' قرآن پاک کے اس ارشاد (جو اصل میں انسانی فطرت کی بالکل صحیح عکاسی کرتا ہے) اور ایک سے زائد شادیوں کی انصاف کے ساتھ مشروط اجازت سے اکثر علماء یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اسلام ایک شادی کا حکم دیتا ہے اور مخصوص حالات میں ایک سے زائد شادی کی اجازت دیتا ہے۔

جسم فروشی کے خاتمے کے متعلق قرآن شریف کے احکامات یا لونڈیوں کے ساتھ تعلقات کے بارے میں ہدایات کچھ مصنفین کو یہ یقین کرنے پر اکساتے ہیں کہ جیسے اسلام نے شادی کے علاوہ دوسرے جنسی تعلقات کو سرے سے ختم کر دیا ہو۔ ان کے مطابق لونڈیوں یا کنیزوں کے ساتھ شادی کے بغیر جسمانی تعلق صریحاً ناجائز ہے۔

ایسے ہی مفکرین میں سے ایک محمد اسد ہیں جو اپنی کتاب 'قرآن کا پیغام' میں سورۃ نساء کی آیت نمبر ۳ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چار شادیوں کی شرط کا اطلاق آزاد عورتوں کے ساتھ ساتھ لونڈیوں یا کنیزوں پر بھی ہوتا ہے۔ ان کے مطابق 'گزشتہ صدیوں کے بیشتر مسلمانوں کے عام نظریہ اور عمل کے برعکس قرآن شریف اور حضورﷺ کی حیات طیبہ سے شادی سے ماوراء کسی بھی قسم کے جنسی تعلقات کی کوئی مثال نہیں ملتی اور اس بات کے پیش نظر آزاد عورتوں اور کنیزوں یا لونڈیوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔'

حضورﷺ کی رحلت کے بعد تمام خلفاء آپ کی تمام ازواج مطہرات کو نہائت عزت اور تکریم کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کو بارہ ہزار درہم کا سالانہ وظیفہ دیا جاتا تھا جو زیادہ تر ازواج مطہرات غرباء اور مساکین میں تقسیم کر دیتی تھیں اور اپنے لئے شاید ہی کچھ بچا کر رکھتی ہوں۔ حضورﷺ کی ازواج مطہرات کی دوسری عورتوں پر فوقیت کا اندازہ حضرت سودہؓ، جو کہ دوسری تمام ازواج سے طویل القامت تھیں اور آسانی سے پہچان لی جاتی تھیں، کے معاملے میں نازل کی گئی

marfat.com

وحی سے بھی ہوتا ہے۔ ایک دن حضرت عمرؓ نے انہیں ایک گلی میں دیکھا اور پہچان لیا۔ حضرت سودہؓ کو یہ بات پسند نہ آئی اور جب انہوں نے حضورﷺ سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپﷺ نے خاموشی اختیار کی۔ تب اللہ نے حضورﷺ پر سورۃ احزاب کی آئت نمبر ۳۲ اور ۳۳ نازل کیں اور پیغمبرﷺ کی ازواج کو خاموشی سے گھر ٹھہرنے کا حکم دیا۔

marfat.com

حضور ﷺ کا آخری خطبہ

(خطبۃ الوداع)

۱۰ھ میں جب غیر مسلموں کے لئے کعبہ شریف کا طواف ممنوع قرار دیا گیا تو حضور ﷺ چودہ ہزار مسلمانوں کے ساتھ حج ادا کرنے مدینہ سے مکہ تشریف لے آئے۔ اس سال حضور ﷺ نے حج کے تمام ارکان ادا کئے۔ جو کچھ بھی آپ ﷺ نے کیا اس وقت سے آج تک آپ ﷺ کی سنت کہلاتا ہے۔ آج بھی تمام مسلمان اسی کی پیروی کرتے ہیں۔ اس سے پہلے آپؐ نے حج کے تمام ارکان ادا نہیں کئے تھے۔ اس سے پہلے سال حضورؐ خود مکہ تشریف نہیں لائے تھے بہرحال سنہ ۱۰ھ کو حضورؐ نے حج کے تمام ارکان ادا کئے، احرام باندھا، کعبہ شریف کا سات بار طواف کیا اور صفا مروہ کے درمیان سات بار سعی فرمائی۔

سعی حضرت اسماعیلؑ کی والدہ ماجدہ حضرت حاجرہؓ کی یاد تازہ کرنے کے لئے ادا کی جاتی ہے۔ ایک روایت کے مطابق آپؓ اپنے شیر خوار بچے کے لئے پانی کی تلاش میں ان دو چوٹیوں کے درمیان کئی بار بھاگیں۔ زمزم کا چشمہ انکی پیاس بجھانے کے لئے اسی موقع پر پھوٹا۔ ۹ ذوالحجہ کو حضورؐ نے حج کی غرض سے مکہ آئے ہوئے تمام مسلمانوں کو عرفات میں جبل الرحمان نامی پہاڑی کے قریب آخری خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے جمع کیا۔ اس موقع پر حجاز میں مسلمانوں کے علاوہ کوئی اور موجود نہیں تھا۔

جب حضورؐ نے مسلمانوں کے جم غفیر کو دیکھا تو آپ کو ایسا محسوس ہوا جیسے آپؐ کی آواز تمام لوگوں تک نہیں پہنچے گی اس لئے آپؐ نے کئی مقامات پر بلند آواز میں بول سکنے والے کچھ لوگوں کو مقرر کیا تاکہ وہ خطبے کے دوران آپؐ کے الفاظ کو دوسرے مسلمانوں تک پہنچانے کے لئے بار بار دہرائیں۔ یہ خطبہ خطبۃ الوداع یا آخری خطبے کے نام سے مشہور ہے۔

marfat.com

وہ صحابہ کرام جنہوں نے آپؐ کے الفاظ کو دہرایا ان میں حضرت بلالؓ اور حضرت ربیعہؓ بن اُمیہ شامل تھے۔ ان دونوں صحابہ کرام کی آواز بڑی اونچی اور واضح تھی۔

خطبے کا آغاز کرنے سے پہلے حضورؐ نے لوگوں سے پوچھا 'تمھیں پتہ ہے یہ کونسا مہینہ ہے؟'

ان سب نے بیک آواز کہا 'یہ مہینہ ذوالحجہ کا مہینہ ہے، مقدس مہینوں میں سے ایک مہینہ'۔

حضورؐ نے پوچھا، 'تمھیں پتہ ہے یہ کون سی سرزمین ہے؟'

انہوں نے ایک بار پھر بیک آواز کہا، 'یارسولؐ اللہ! یہ عرفات کی مقدس سرزمین ہے'۔

اس کے بعد حضورؐ نے اصل گفتگو کا آغاز فرمایا۔ سب سے پہلے آپؐ نے بسم اللہ شریف پڑھی پھر حمد وثناء کے بعد کچھ آیات تلاوت فرمائیں۔ اور پھر کچھ یوں مخاطب ہوئے:

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ ہم اسی کی عظمت بیان کرتے ہیں اور اسی کی مدد اور مغفرت کے طلبگار ہیں اور اسی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ ہم اپنے نفس اور اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اُسے کون گمراہ کرسکتا ہے جسے اللہ ہدایت فرمائے اور اسے کون ہدایت دے سکتا ہے جسے اللہ گمراہ کردے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدﷺ اسکے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ کے بندو! میں تمھیں اللہ سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہوں اور اسی کی اطاعت پر آمادہ کرتا ہوں اور اپنی گفتگو کا آغاز اس سے کرتا ہوں جو بہتر ہے۔

اے لوگو! میری بات غور سے سنو میں تمھیں ایک پیغام پہنچاتا ہوں کیونکہ پتہ نہیں اس سال کے بعد میں تمھارے درمیان رہتا ہوں یا نہیں۔

اے لوگو! بے شک تمھارا خون، تمھاری جائیداد، تمھاری عزت اتنے ہی

marfat.com

حضور ﷺ کا وصال

حضور ﷺ کی علالت ۲۹ صفر ۱۱ھ کو شروع ہوئی۔ اسی دوران آپ ؐ کسی جنازہ کے ساتھ جنت البقیع تشریف لے گئے۔ واپسی پر آپ ؐ کو شدید سر درد اور بخار کا سامنا کرنا پڑا۔ اس دن آپ ؐ نے سر درد سے بچنے کے لئے سر پر انتہائی مضبوطی سے کپڑا باندھ رکھا تھا۔ حضور ﷺ اپنی علالت کے دوران بھی گیارہ دن تک مسجد میں باقاعدہ امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ ؐ کی علالت تقریباً چودہ دن تک برقرار رہی۔

علالت کے آخری ہفتے میں آپ ؐ اپنی بیویوں سے بار بار استفسار فرماتے کہ رات کہاں اور کس کے حجرے میں قیام کرنا ہے۔ آپ ؐ کی بیویوں نے آپ ؐ کو حضرت عائشہؓ کے حجرے میں مستقل قیام کرنے کی اجازت دے دی۔ حضور ﷺ حضرت علیؓ اور حضرت فضلؓ بن عباس کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لے آئے۔ اسی حجرے میں آپ ؐ نے اپنی دنیاوی زندگی کے آخری ایام بسر کیے۔

وصال سے پانچ دن قبل بدھ کے روز آپ ؐ کا بخار بڑھ گیا اور طبیعت کسی قدر نڈھال ہو گئی۔ مدینہ کے بہت سے کنوؤں سے ٹھنڈا پانی منگوایا گیا اور حضور ﷺ کے جسم اطہر کو تر کیا گیا اس سے آپ ؐ کو کچھ تشفی ہوئی اور آپ ؐ مسجد تک جانے کے قابل ہو گئے۔ وہاں پر آپ ؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ آپ ؐ کی قبر مبارک کو عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح عبادت گاہ نہ بنالیں۔ پھر آپ ؐ نے اپنے آپ کو قصاص کے لئے پیش کیا اور فرمایا:

'اگر میرے ذمہ کسی کا قرض واجب الادا ہو تو وہ سامنے آئے اور اپنے قرض کا تقاضا کرے تاکہ میں اسکا حساب بے باک کرسکوں۔ اسی طرح اگر میں نے کسی کے احساسات مجروح کیے ہوں تو وہ سامنے آئے اور اپنا انتقام لے لے۔'

marfat.com

ظہر کی امامت کرانے کے بعد حضور ﷺ ایک بار پھر مسلمانوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ اللہ نے اپنے اس بندے کو یہ انتخاب کرنے کا موقع دیا ہے کہ وہ خوبصورتی اور دولت سے بھری اس دنیا میں رہنا چاہتا ہے یا اپنے رب سے ملنا چاہتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے اس دنیا میں قیام کرنے کی بجائے اپنے رب سے جا ملنے کو ترجیح دی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ یہ سن کر غمگین ہو گئے اور انکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ حضور ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کا وقت آ چکا ہے۔

وصال سے چار روز قبل جمعرات کے دن حضور ﷺ عشاء کی امامت نہ کرا پائے۔ آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ سے امامت کرانے کا کہا جو اگلے دنوں میں بھی یہ فرض ادا کرتے رہے۔ حضور ﷺ کی زندگی میں انہوں نے کل سترہ نمازوں کی امامت کرائی۔

اپنے وصال سے دو روز قبل ہفتے کے دن آپؐ نے اپنے آپ کو کچھ بہتر محسوس کیا تو حضرت علیؓ کے سہارے مسجد تشریف لے گئے اور حضرت ابو بکرؓ کے بائیں طرف بیٹھ کر اپنی نماز ادا کی۔

وصال سے ایک روز قبل اتوار کے دن آپؐ نے اپنے تمام غلاموں کو آزاد کر دیا۔ آپؐ کے پاس صرف سات دینار باقی تھے جو آپؐ نے بطور صدقہ غریبوں میں تقسیم کر دیئے۔ آپؐ نے اپنا اسلحہ مسلمانوں کو تحفتہً دے دیا۔ اپنی زندگی کے آخری روز سوموار کے دن حضرت ابو بکرؓ فجر کی امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ حضور ﷺ نے نماز ادا کرتے ہوئے مسلمانوں کی صفوں پر ایک نظر ڈالی اور تبسم فرمایا۔ آپؐ اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ نماز کی امامت نہیں کرا سکتے تھے۔

اسی روز طلوع آفتاب کے ایک گھنٹہ بعد حضور ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو بلایا اور ان کے کان میں ایک سرگوشی کی۔ حضرت فاطمہؓ رونے لگیں۔ حضور ﷺ نے ایک بار پھر سرگوشی کی تو وہ ہنسنے لگیں۔

حضور ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے یہ فرمایا تھا کہ وہ اس علالت میں وصال پا جائیں گے اور یہ کہ حضرت فاطمہؓ جنت میں ان سے ملنے والی انکے خاندان کی پہلی فرد ہوں گی۔ آپؐ نے

marfat.com

حضرت فاطمہؓ سے یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ جنت میں مسلمان عورتوں کی سردار ہوں گی۔ حضرت فاطمہؓ اپنے والد ماجد کو اس تکلیف اور بیماری میں دیکھ کر بہت گھبرا گئیں۔ حضورﷺ نے انہیں بتایا کہ اس تکلیف کے بعد انہیں اور کسی تکلیف کا سامنا نہیں کرنا ہوگا۔

اس کے بعد حضورﷺ نے اپنے نواسوں حسنؓ اور حسینؓ کو بلایا۔ آپؐ نے انہیں بوسا دیا اور ان کے حق میں دعا فرمائی۔ آپؐ نے گھریلو معاملات کے بارے میں اپنی بیویوں سے بھی تھوڑی بہت بات چیت فرمائی۔ پھر آپؐ اپنے صحابہؓ سے مخاطب ہوئے اور انہیں باقاعدہ نماز پڑھنے اور غلاموں سے اچھا سلوک کرنے کی تلقین فرمائی۔

حضورﷺ اپنی اس طویل بیماری کے دوران کافی کمزور اور نڈھال ہو چکے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے آپ کا سر اقدس اپنی گود میں رکھا اور اپنے دانتوں سے آپؐ کی مسواک کو نرم فرمایا۔ حضورﷺ اپنے ہاتھوں سے بار بار اپنا چہرہ مبارک تر کرتے اور فرماتے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اُسی نے موت کو اس طرح مشکل بنایا ہے۔ آخر آپؐ نے اپنی انگشت مبارک چھت کی طرف فرمائی اور اپنے ہونٹوں کو ایک کپکپاہٹ سی دی۔ حضورﷺ کی بیوی ام المومنین حضرت عائشہؓ نے سنا آپؐ فرما رہے تھے، 'اے اللہ درگزر فرما اور مجھے وہاں لے جا جہاں تو اپنے نیک بندوں کو لے گیا ہے۔ پیغمبروں اور اپنے پیاروں کو۔'

جس دن حضورﷺ نے اپنی دنیاوی زندگی کے آخری سانس لئے اس دن ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ اور ہجری کا گیارہواں سال تھا

حضورﷺ اپنی دیناوی زندگی کے تریسٹھ سال چار دن بسر کر کے اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔

حضورﷺ کی بیٹی جو غم سے نڈھال تھیں فرمانے لگیں، 'بابا جان! آپؐ ہمیں غمگین چھوڑ کر اپنے رب کے پاس چلے گئے ہیں۔ آپ کا مقام جنت الفردوس ہے اور ہم آپؐ کے وصال کی خبر فرشتہء جبرائیل کو پہنچاتے ہیں'۔ جب مسجد میں موجود عام مسلمانوں کو حضورﷺ کے وصال

marfat.com

کی خبر پہنچی تو مسجد سے آہ و بقا کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اس لمحے حضرت عمرؓ مسجد میں داخل ہوئے اور روتے ہوئے لوگوں سے گرج کر کہا' کیوں رو رہے ہو۔ یہ آہ و بقا کیسی ہے؟' پھر آپؓ نے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور فرمایا' ہمارے رسولؐ کا وصال نہیں ہوا۔ وہ اللہ سے ملنے گئے ہیں اور جلد لوٹ آئیں گے۔ ہم پھر انہیں زندہ دیکھ سکیں گے۔' پھر حضرت ابو بکرؓ مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت عمرؓ سے فرمایا' عمرؓ چپ ہو جا اور تلوار نیام میں رکھ لے'۔ پھر آپؓ لوگوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا' اے لوگو! ہمارے رسول خود کہا کرتے تھے کہ وہ ہمارے جیسے ہی انسان ہیں۔ ہر کسی کو موت کے سامنے سرنگوں ہونا ہے چاہے وہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے پہلے دوسرے پیغمبر بھی موت کے سامنے سرنگوں ہو چکے ہیں۔ آج ہمارے پیغمبر نے بھی اس زندگی کو الوداع کہہ دیا ہے۔ اے لوگو! اگرچہ اللہ کا رسولؐ وصال پا چکا ہے لیکن اللہ کی ذات اب بھی باقی ہے۔ وہ مطلق ہے۔ اسے موت نہیں آسکتی۔

جب حضرت عمرؓ نے یہ الفاظ سنے تو دل شکستہ ہو کر بیٹھ گئے۔ اپنا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور ہچکیاں بھر کر رونے لگے۔ دوسرے مسلمان جو اسی دوران چپ کر گئے تھے اس منظر کی تاب نہ لا سکے اور مسجد ایک بار پھر مسلمانوں کی دل خراش چیخوں سے ایک اندوہناک منظر پیش کرنے لگی۔ اور اسطرح دنیا سے ایک ایسی ہستی رخصت ہوگئی جس نے آج تک تاریخ کے اوراق کو ایک درخشاں ستارے کی طرح جگمگا رکھا ہے۔

حضورﷺ کے وصال کے فوراً بعد خلافت کا جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوا۔ سوموار کا سارا دن اور منگل کی رات حضورﷺ کا جسد اقدس حجرہ مبارک میں رکھے رکھا اور آپؐ کے گھر والوں نے باہر سے قفل چڑھا دیا۔ ۱۳ ربیع الاول منگل کے دن حضورﷺ کے جسد اطہر کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا۔ جنہوں نے آپؐ کے اس آخری غسل میں ہاتھ بٹایا ان میں حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے دو صاحبزادے حضرت فضلؓ اور حضرت قثمؓ شامل تھے۔ حضورﷺ کے آزاد کردہ غلاموں شقرانؓ، اسامہؓ بن زیدؓ اور اوسؓ بن خولی نے بھی غسل میں مدد دی۔ تکفین کا کام تین سفید

marfat.com

مقدس اور محترم ہیں جتنے یہ دن اور یہ مہینہ تم سب کے لئے مقدس اور محترم ہے یہاں تک کہ تم اپنے مالک کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ بے شک تمھیں اپنے مالک سے ملنا ہے اور اپنے اعمال کا جوابدہ ہونا ہے۔ کیا میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا ہے؟ یا اللہ میرے گواہ رہنا۔

وہ جس کے پاس کسی کی کوئی امانت ہے اس امانت کو اس شخص کے ہاتھ لوٹا دے جس نے یہ اس کے حوالے کی ہے۔

یاد رکھو اگر کسی نے کوئی جرم کیا ہے تو اس کا ذمہ دار صرف اور صرف وہ خود ہے۔ نہ بیٹا اپنے باپ کے جرم کا ذمہ دار ہے اور نہ باپ اپنے بیٹے کے جرم کا ذمہ دار ہے۔

اے لوگو! میری بات غور سے سنو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمھیں علم ہونا چاہئے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان آپس میں ایک برادری کی طرح ہیں۔ کسی مسلمان کے لئے اپنے بھائی کی کوئی چیز لینا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ وہ اس چیز کو اسے اپنی مرضی سے نہ دے دے۔ اس طرح تم لوگ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا۔ اے اللہ ! کیا میں نے تمھارا پیغام پہنچا نہیں دیا؟

دیکھو! دورِ جہالت اور بت پرستی کی تمام رسمیں آج میرے پاؤں تلے ہیں۔ دورِ جہالت کے خون کے بدلے منسوخ کئے جاتے ہیں۔

سب سے پہلا خون کا بدلہ میں خود معاف کرتا ہوں، ابن ربیعہ بن حارث کے خون کا بدلہ جس کی پرورش قبیلہ سعد میں ہوئی اور جسے ہذیل نے قتل کیا۔

سود حرام قرار دیا جاتا ہے لیکن تم اپنی اصل رقم واپس لینے کے حقدار ہو۔ کسی کے ساتھ برائی نہ کرو تمھارے ساتھ بھی برائی نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے سود

marfat.com

کے خاتمے کا حکم دیا ہے اور میں سود کی وہ رقم منسوخ کرتا ہوں جو عباس بن عبدالمطلب نے وصول کرنا تھی۔ بے شک سود مکمل حرام قرار دیا گیا ہے۔

اے لوگو! عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ بے شک تم نے اللہ کو گواہ بنا کر ان سے نکاح کیا ہے اور اللہ کے کلمات ادا کر کے انہیں اپنے لئے جائز بنایا ہے۔ بے شک تمہیں اپنی عورتوں پر کچھ حقوق حاصل ہیں اور تمھاری عورتوں کو تم پر کچھ حقوق حاصل ہیں۔ لیکن یہ معاملہ حقوق کا ہے نہ کہ نامناسب افعال کا کہ اگر وہ کوئی غلطی کریں تو تم ان کی کچھ سرزنش کرو لیکن سختی سے نہیں۔ اگر تمھاری بیویاں کسی ناشائستہ فعل کی مرتکب نہیں ہوتیں اور تمھارے ساتھ وفادار رہتی ہیں تو انہیں اچھی طرح پہننے، کھانے کو دو۔

دیکھو! اپنی عورتوں پر پابندیاں ضرور لگاؤ لیکن شفقت سے۔

اے لوگو! اگر حبشہ کا بے ڈھنگے سر والا غلام بھی تمھارا امیر بنا دیا جائے اور وہ تمہیں اللہ کے احکامات کی پیروی کا کہے تو اسے غور سے سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

اے لوگو! بے شک اللہ نے ہر شخص کا وراثت میں حصہ مقرر کیا ہے۔ بچہ اپنے اصل باپ ہی کی وراثت کا حقدار ہے اور اگر شادی شدہ آدمی کسی سے زنا کا مرتکب ہو تو اسے سنگسار کر دیا جائے۔ اگر کوئی اپنے آپ کو اپنے اصل ماں باپ کی بجائے کسی اور کی طرف منسوب کرے تو اس پر اللہ، اللہ کے فرشتوں اور اللہ کے رسول ﷺ کی لعنت ہو۔ نہ تو اللہ کو اس کی نیکی قبول ہے اور نہ استغفار۔

اے لوگو! بے شک شیطان کو اس سرزمین پر اپنی اطاعت کروانے میں مایوسی ہوئی ہے۔ تم آئندہ بھی اسکی اطاعت سے گریز کرنا۔

marfat.com

وہ ان معاملات میں خوش ہوتا ہے جو بظاہر تمھیں معمولی نظر آتے ہیں اس لئے مذہب کے معاملات میں اس سے خبردار رہنا۔

بے شک میں تمھارے بیچ خدا کی کتاب اور اسکے رسولؐ کی سنت چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم ان پر قائم رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

'اور جب تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو کیا جواب دو گے؟'

ان سب نے کہا: 'ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نے خدا کا پیغام ہم تک پہنچا دیا ہے اور اپنا فرض پورا کر دیا ہے'۔

پیغمبرؐ نے اس اجتماع سے جمعہ ۱۰ھ کو پھر خطاب کیا اور سابقہ خطبے کے اہم نکات دہرانے کے علاوہ آپؐ نے کچھ نئے مسائل پر روشنی ڈالی۔

حسب معمول آپؐ نے اپنے خطبہ کا آغاز خدا کی حمد و ثناء سے کیا:

'اے لوگو! بے شک مقدس مہینے کی خلاف ورزی کفر کی طرف لے جاتی ہے۔ اس طرح وہ لوگ جن کے دل میں مرض ہے گمراہی کا شکار ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک سال کوئی مہینہ حرام قرار دیتے ہیں تو دوسرے سال کوئی اور مہینہ تا کہ اللہ کے حرام کردہ مہینوں کی تعداد کے مطابق دکھائی دینے لگیں۔ اس طرح جو چیز اللہ نے حلال قرار دی ہے یہ اسے حرام شمار کرتے ہیں اور جو اللہ نے حرام قرار دی ہے اسے حلال شمار کرتے ہیں۔

بے شک روزِ ازل سے جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان تخلیق کئے تھے وقت اپنے ہی انداز میں گردش پذیر ہے۔ اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے جن میں سے چار مقدس مہینے ہیں، تین لگاتار۔۔۔ ذیقعد، ذوالحجہ، محرم اور رجب جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے۔

اے لوگو! تمھیں پتہ ہے یہ کونسا دن ہے، کونسی سرزمین اور کونسا مہینہ ہے؟'

اس پر لوگوں نے جواب دیا، 'یہ دن قربانی کا دن ہے اور یہ سرزمین مقدس سرزمین ہے

marfat.com

اور یہ مہینہ مقدس مہینہ ہے۔' ہر جواب پر حضور ﷺ نے فرمایا:

پس میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ تمھاری جائیداد اور تمھاری عزت ایک دوسرے کے لئے اتنے ہی مقدس ہیں جتنے اس مقدس سرزمین میں یہ دن اور یہ مہینہ مقدس ہیں۔

اور جہاں تک تمھارے غلاموں کا معاملہ ہے تو دیکھو! تم انہیں وہی کھانا کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور انہیں وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔ اور اگر وہ کوئی ایسی غلطی کر گزریں جسے تم معاف نہیں کر سکتے تو انہیں آزاد کر دو کیونکہ درحقیقت وہ اللہ کے غلام ہیں اور تمھاری سرزنش کے سزاوار نہیں۔

دیکھو! میری بات غور سے سنو۔ اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ وقت نماز پڑھو، رمضان کے روزے رکھو، کعبہ کا حج کرو۔ اپنے مال و جائیداد پر بروقت زکواۃ دو اور میری سنت پر عمل کرو صرف اسی صورت میں تم جنت کے حقدار قرار دیئے جا سکتے ہو۔

جو کوئی حاضر ہے وہ یہ ساری باتیں اس تک پہنچا دے جو حاضر نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے وہ لوگ جن تک یہ پیغام پہنچایا جائے وہ اس پر ان لوگوں سے زیادہ عمل پیرا ہو جائیں جنہوں نے اسے خود سنا ہے۔

اگلے دن پھر حضور ﷺ نے جہاں گفتگو کا اختتام کیا تھا وہیں سے آغاز فرمایا اور یوں گویا ہوئے:

اے لوگو! بے شک تمھارا رب ایک ہے اور تمھارا باپ بھی ایک ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے اور نہ کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل ہے۔ بے شک تم سب میں عزت کا حقدار وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

marfat.com

دیکھو! جو یہاں موجود ہے وہ یہ پیغام اس تک پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں ہے۔ میں نے تم تک پیغام پہنچا دیا ہے۔

پھر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اے اللہ! میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا ہے اور اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔

'ہاں' آپؐ کے اردگرد جمع تمام لوگ بیک آواز بولے، 'ہاں، بے شک آپؐ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے'۔

اے اللہ! میرے گواہ رہنا۔

اور انہی الفاظ پر حضور ﷺ نے اپنے خطبے کا اختتام فرمایا۔

آخر میں حضور ﷺ نے السلام وعلیکم فرمایا اور منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ اس خطبے نے وہاں پر موجود لوگوں کے دلوں پر گہرا اثر چھوڑا۔ کچھ اسلامی مورخین کا خیال ہے کہ اس دن عرفات میں نمرہ کے مقام پر کم وبیش ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمان جمع تھے اور حضور ﷺ کا خطبہ سن رہے تھے۔ جب آپؐ ان سے مخاطب ہوتے تو وہ آپؐ کے الفاظ دہراتے۔ جب حضور ﷺ ان سے پوچھتے کہ کیا میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے؟ تو وہ سب مل کر جواب دیتے اور جب یہ ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمان ایک ساتھ جواب دیتے تو ایسا محسوس ہوتا جیسے صحرا کے پہاڑ کانپ اٹھے ہوں۔ جن لوگوں نے اس دن حضور ﷺ کا یہ خطبہ سنا تھا، زندگی کی آخری سانسوں تک اسے بھلا نہیں سکے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس خطبے کے الفاظ ان کے دلوں میں ضم ہو چکے تھے۔

آج بھی جب کوئی یہ خطبہ پڑھتا ہے تو اس کے الفاظ اسے انتہائی زیادہ متاثر کرتے ہیں۔ اس خطبے کو اسلام میں انسانی حقوق کے راہنما کی سی حیثیت حاصل ہے۔

مذکورہ بالا خطبہ حج البلاغ بھی کہلاتا ہے کیونکہ ان احکامات کے علاوہ جن کی آپ نے تعلیم فرمائی لفظ بلاغت بھی بار بار ارشاد فرمایا یہ یقین کرنے کے لئے کہ جو کچھ آپ کی ذمہ داریاں تھیں آپؐ نے انہیں ادا کر دیا ہے۔ زیادہ تر مسلمان اس خطبے کو خطبۃ الوداع کے نام سے جانتے ہیں اور اس میں تعلیم فرمائے گئے احکامات، ان کی اہمیت اور مقام سے بھی خوب واقف ہیں۔

marfat.com

غزوہ تبوک

ملک شام میں، جہاں رومی سلطنت کے زیر اثر کچھ امراء کی حکومت تھی، یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت محمدﷺ نے بہت طاقت جمع کر لی ہے چنانچہ روم کے بادشاہ نے مسلمانوں کو سبق سکھانے کے لئے شام کے راستے عرب پر چڑھائی کرنے کی ٹھانی۔

جب یہ خبر حضورﷺ تک پہنچی تو انہوں نے خود دشمن کا سامنا کرنے کا فیصلہ کیا اور جنگ کی تیاریوں کا حکم دے دیا۔ اس موقع پر مسلمانوں کے بیت المال کی حالت خاصی خستہ تھی کیونکہ قحط کی بدولت اناج کی کمی تھی۔ گرمی کی شدت نے ان مسائل میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ ان تمام حالات کے باوجود پیغمبرﷺ نے حکم دیا کہ ہر مسلمان کو اپنی استطاعت کے مطابق اسلامی فوج کی مدد کرنی چاہئے اور اگر کوئی استطاعت رکھتا ہو تو اپنے آپ کو اسلحہ سے بھی لیس کرے۔

عبدالرحمٰن بن عوف اسلامی فوج کے لئے چار ہزار درہم لائے اور کہنے لگے، 'اے اللہ کے رسولؐ، میرے پاس آٹھ ہزار درہم تھے۔ چار ہزار درہم میں اپنی بیوی اور بچوں کے لئے چھوڑ آیا ہوں اور باقی آپ کی خدمت میں لے آیا ہوں تاکہ یہ اسلامی فوج کے کام آئیں۔'

حضورﷺ نے دعا فرمائی کہ اللہ ان کے اسلامی فوج کے لئے دئے ہوئے مال اور بیوی بچوں کے لئے چھوڑے گئے مال میں برکت اور اضافہ فرمائے۔ اس کے بعد عبدالرحمن بن عوف اتنے امیر ہو گئے کہ جب انہوں نے وفات پائی تو ان کی ایک بیوی کو خاوند کے ترکہ میں سے آٹھویں حصے کے طور پر اسی ہزار مثقال سونا ملا۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ان کی چار بیویاں تھیں۔ اسی ہزار مثقال سونے کا ذکر مبالغہ آرائی لگتا ہے لیکن اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اپنے وقت کے سب سے امیر آدمی سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ اپنا آدھا مال لے کر آئے جبکہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنا سارا مال حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

marfat.com

جب حضور ﷺ نے ان سے پوچھا کہ وہ اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہیں تو حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ کہ انہوں نے اپنے گھر والوں کے لئے اللہ اور اللہ کے رسول کا نام چھوڑا ہے۔ ایک اور مسلمان عاصم بن عدی، جن کے پاس نقد مال کوئی نہیں تھا، نے ایک سو وسق کھجوریں آپ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ ابو عقیل جن کا تعلق انصار سے تھا آپ کی خدمت میں ایک صاع کھجوریں لے آئے اور کہنے لگے، 'یا رسولؐ اللہ! میرے پاس دو صاع کھجوریں تھیں ایک صاع آپؐ کی خدمت میں لے آیا ہوں تا کہ میرے مسلمان بھائیوں کے کام آسکیں' (صاع وزن کی اکائی ہے جو آج کے تین کلوگرام کے برابر ہے۔ اسی طرح ایک وسق ساٹھ صاع پر مشتمل ہوتا تھا)

اس طرح مسلمانوں نے قربانی اور خلوص کی لاثانی مثال قائم کر دی۔ اپنے گھر والوں کی ضروریات کے باوجود انہوں نے اسلام کی خاطر جو کچھ پاس تھا قربان کر دیا۔ اس طرح تیس ہزار مجاہدین پر مشتمل ایک مضبوط اور وفادار لشکر تشکیل پایا۔ ان میں سے دس ہزار مجاہدین پا پیادہ تھے۔ اسلام کی اس عظیم الشان فوج کا مدینہ سے شام کی طرف ایک منظم کوچ دیکھنے والوں کے لئے حیرت ناک منظر تھا۔ مسلمانوں نے ایسا پر شکوہ منظر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

جب مجاہدین پر مشتمل یہ فوج ظفر موج شام کی سرحدوں تک پہنچی تو مقامی حکمران اور امراء جو رومی افواج کی مدد سے اسلامی علاقوں پر حملہ کرنے کا سوچ رہے تھے اپنے آپ کو بچانے کے لئے اُلٹے پاؤں ایسا بھاگے کہ شامی سرحدوں میں پناہ لے کر دم لیا۔ رومی فوج جو مقامی حکمرانوں کے اکسانے پر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے اکٹھی ہوئی تھی وہ بھی پسپا ہونے پر مجبور ہو گئی۔ حضور ﷺ کچھ عرصہ تک شامی سرحدوں پر قیام پذیر رہے اور کئی ایک قبائلی سرداروں کو جو زیادہ تر عیسائی تھے سرنگوں ہونے پر مجبور کیا بعد ازاں انہیں مسلمانوں سے بچنے کے لئے جزیہ دینے پر آمادہ ہونا پڑا۔

حضور ﷺ اپنے اس لشکر کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے۔ اس غزوہ کا نام تبوک اس لئے

marfat.com

پڑا کہ شامی سرحدوں کے قریب اس نام کا ایک قلعہ تھا جہاں مسلمان پڑاؤ ڈالے بیٹھے تھے۔ اس غزوہ میں حضور ﷺ کسی معرکہ سے دوچار نہ ہوئے تاہم اس مہم نے شام کے حکمرانوں اور قبیلوں کی نظر میں مسلمانوں کی طاقت کا سکہ بٹھا دیا۔ وہ مسلمانوں سے صلح پر مجبور ہو گئے کیونکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ رومی فوج سرتاپا مسلح ہونے کے باوجود مسلمانوں سے لڑنے کی جرات نہ کر سکی۔

غزوہء تبوک میں کچھ مسلمان اپنے کاہلی کے سبب حصہ نہ لے سکے۔ ان کے نام کعبؓ بن مالک، ہلالؓ بن امیہ اور مرارہؓ بن ربیعہ تھے۔ انہیں فوج کی روانگی کے بعد اپنے فیصلے کا بہت پچھتاوا تھا۔ جب حضور ﷺ واپس مدینہ تشریف لائے تو لوگوں سے ملاقات کے لئے ایک جگہ بیٹھ گئے۔ منافقین نے کئی طرح کے عذر پیش کئے اور قسمیں کھائیں۔ حضور ﷺ نے ان کے عذر قبول کر لئے۔ جہاں تک ان تین صاحب ایمان مسلمانوں کی بات تھی انہوں نے سچ بولنے کو ترجیح دی تو حضور ﷺ نے فرمایا: 'لوگوں کے گناہ صرف اللہ ہی معاف کرتا ہے۔ میں ایسا کرنے والا کون ہوں؟' آپؐ نے اپنے صحابہ کو ان سے بات چیت کرنے سے منع فرما دیا۔ اس طرح انہیں شدید سماجی قطع تعلق کا سامنا کرنا پڑا اور وہ معاشرتی زندگی سے کٹ کر رہ گئے۔ پچاس دن کی قطع تعلق کے بعد اللہ تعالیٰ متوجہ ہوئے اور ان کے گناہ معاف فرما دیئے۔ اس پر یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی:

> اور کچھ اور لوگ ہیں جو اپنی خطا کے مقر ہو گئے جنہوں نے ملے جلے عمل کئے تھے کچھ بھلے اور کچھ برے (سو) اللہ سے امید ہے کہ ان کے حال پر رحمت کے ساتھ توجہ فرما دیں (یعنی توبہ قبول کر لیں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں۔

سورۃ توبہ ۱۰۲۔۹

مذکورہ بالا آیت کی رُو سے ان تین لوگوں کے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ انہوں نے حضور ﷺ سے یہ بھی عرض کی کہ وہ اپنا تمام مال بطور شکرانہ بیت المال میں جمع کروانے پر رضامند ہیں لیکن سورۃ توبہ میں ہی ایک اور آیت نازل ہوئی جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو

marfat.com

صرف ان سے زکواۃ لینے کا کہا اور باقی مال انہیں واپس کر دینے کا حکم فرمایا۔

تبوک کی اس مہم کے بعد حضورﷺ نے کسی اور غزدہ میں حصہ نہیں لیا لیکن اسلام کی ترقی اور اشاعت میں کسی طرح کی سستی آڑے نہ آنے دی۔ یہاں تک کہ اپنی بیماری میں بھی انہوں نے اسامہؓ بن زید کی قیادت میں ایک فوجی دستہ شام روانہ کیا گو آپؐ اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی وفات فرما گئے۔ ایک دن جب حضورﷺ مسجدِ نبوی میں تشریف لائے اور مسلمانوں سے مخاطب ہوئے تو ان کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ آپؐ نے اپنے رشتہ داروں سے فرمایا، 'میری بیماری کی اصل وجہ وہ زہر ہے جو خیبر میں اس یہودی عورت نے مجھے کھلایا تھا۔ زہر کی وجہ سے ہی میں کبھی کبھار بیمار پڑ جاتا تھا گو یہ بیماری زیادہ شدید نہیں ہوتی تھی مگر اب ایسا لگتا ہے جیسے میں کبھی صحتیاب نہیں ہوں گا۔

marfat.com

حضور ﷺ کی علالت

غزوہ تبوک سے مدینہ واپسی کے ایک ماہ بعد حضور ﷺ کی طبیعت ناساز رہنے لگی۔ بعض دفعہ تو آپؐ اپنے گھر سے نکل کر مسجد تک بھی نہ آ پاتے۔ جس دن آپؐ مسجد تشریف نہ لا پاتے امامت کے فرائض حضرت ابو بکرؓ صدیق سرانجام دیتے۔ جب حضرت ابو بکرؓ مسجد میں قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تو حضورؐ اٹھ بیٹھتے اور مسجد میں تلاوت کی جارہی آیات دہراتے۔

جب کبھی آپؐ محسوس کرتے کہ مسجد تک پہنچ جائیں گے تو مسجد ضرور جاتے چاہے کسی شخص کے سہارے ہی جانا پڑتا۔ ایک دن لوگوں سے گفتگو کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا، 'بھائیو! جلد ہی ایک ایسا شخص جس سے تمھیں بہت پیار ہے تمھیں چھوڑ کر چلا جائے گا۔ مسجد میں موجود لوگ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ پا سکے کیونکہ انہیں ان الفاظ کا مطلب اچھی طرح معلوم تھا۔ دراصل حضور ﷺ انہیں بتا رہے تھے کہ اب وہ ان کے درمیان نہیں رہیں گے۔ حضور ﷺ نے انہیں حوصلہ دیا اور فرمایا، 'غم نہ کرو ہم اس (اللہ) کی مرضی کے سامنے بے بس ہیں'۔

جب کبھی آپؐ کی طبیعت ذرا سنبھلتی آپؐ مسجد تشریف لے آتے۔ مسجد پہنچ کر عام مسلمانوں سے خطاب فرماتے اور کہتے، 'بھائیو اور بہنو! اگر میں نے کسی کو کوئی ضرر پہنچایا ہو تو میں اسکی تلافی کے لئے حاضر ہوں۔ جو کوئی بدلہ لینا چاہتا ہو لے سکتا ہے۔ اگر میں نے کبھی کسی کو کوئی چوٹ پہنچائی ہو تو وہ سامنے آئے اور اپنا بدلہ لے لے۔ میں اسکی ضرب سہنے کے لئے اپنی کمر جھکائے دیتا ہوں۔

حضور ﷺ کا حجرہ جہاں آپؐ نے زندگی کے آخری لمحات بسر کئے مسجد کے بالکل قریب تھا۔ یہ ایک منزلہ گھر گرمیوں میں انتہائی تپش دینے لگتا تھا۔ ایک دن صبح کو حضور ﷺ کی حالت مزید بگڑ گئی۔ آپؐ نے اپنے رشتہ داروں کو مدینہ کے مختلف کنوؤں سے پانی بھر کر لانے کا

marfat.com

کہا۔ وہ آپؐ کے حکم کی تعمیل میں پانی بھر لائے۔ حضورﷺ نے ہر پیالہ سے ایک گھونٹ پیا اور فرمایا کہ اب میری طبیعت کچھ سنبھل گئی ہے۔

ہمیں حضورﷺ کے اپنے لئے تجویز کردہ علاج پر حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے ان دنوں عرب میں پانی کو بہترین دوا سمجھا جاتا تھا۔ صرف ایک عرب ہی پانی کی اہمیت بتا سکتا ہے کیونکہ ساری زندگی وہ اسی کی کمی کا شکار رہتا ہے۔ ہمیں اس کی اہمیت کا کیا احساس! ہمیں یہ نعمت کثرت سے میسر ہے اس لئے ہم اس کی اہمیت اور افادیت سے بے خبر ہیں۔ عرب کے صحراؤں میں جب کبھی کوئی بیمار پڑتا پانی ہی اس کا بہترین علاج تجویز پاتا۔

آج بیسویں صدی کے آخری عشرے میں جدید تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ انسان کی بہت سی بیماریوں کا علاج صرف پانی سے ممکن ہے۔ اس طریقہء علاج میں نزلہ زکام کی عام بیماریوں سے لے کر معدہ، خون اور دل کی بیماریاں تک شامل ہیں بلکہ کینسر کی بعض اقسام کا علاج بھی پانی سے ممکن ہے۔

اس روز مختلف کنوؤں کا پانی پینے کے بعد آپؐ نے کچھ تشفی محسوس کی۔ آپ کا دل مسجد جانے کو چاہا اور دو آدمیوں کے سہارے آپ گھر سے باہر تشریف لے آئے۔ دراصل حضورﷺ مسلمانوں سے ایک اور ملاقات کرنا چاہتے تھے۔ اس روز آپؐ نے اپنے یہ الفاظ پھر دہرائے کہ اگر کسی کو آپؐ سے کوئی شکایت ہو تو صاف صاف بیان کرے تاکہ اس کی تلافی کی جا سکے۔ آپؐ نے فرمایا: 'اگر میں نے کسی کو کوئی چوٹ لگائی ہو یا کسی کی ہتک کی ہو تو وہ آگے بڑھ کر اپنے نقصان کا بدلہ لے سکتا ہے۔ اسے اس بات سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے کہ اس کے کسی عمل سے میری کوئی بے عزتی یا بدنامی ہو گی۔ ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ میری نظروں میں اس دنیا کی گالی اگلی دنیا کی شرمندگی کے مقابلے میں بہت کمتر ہے۔' پھر آپؐ نے مسلمانوں سے فرمایا 'یاد کرو میں نے تم سے کوئی ادھار تو نہیں لیا ہوا۔ اگر میرے ذمے کوئی چیز واجب الادا ہو تو مجھے بتاؤ تاکہ حساب بے باک ہو جائے۔' ان میں سے ایک اٹھا اور کہنے لگا 'یا رسول اللہ آپؐ نے ایک بار مجھ سے تین درہم لئے تھے۔' حضورﷺ نے یہ ادھار فوراً ادا کر دیا۔

marfat.com

اس کے بعد آپ حضرت اُسامہؓ کے بارے میں بات چیت کرنے لگے۔ حضرت اسامہؓ، حضرت زیدؓ بن حارثہ کے بیٹے تھے جو اسلام کے ابتدائی دور میں حضورﷺ کے غلام ہوتے تھے۔ ان کا تعلق بنوکعب سے تھا۔ زیدؓ ابھی نوجوان تھے جب ایک جنگ میں انہیں اسیر کیا گیا۔ ایک آدمی حاکم بن حزام انہیں اپنی چچازاد حضرت خدیجہؓ کے پاس لایا، حضرت خدیجہؓ حضورﷺ کی زوجیت میں آئیں تو آپؓ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو حضورﷺ کی نگرانی میں دے دیا۔ حضورﷺ نے نہ صرف انہیں آزاد کر دیا بلکہ اپنا متبنیٰ بنا دیا۔ مکہ کے لوگ حضرت زیدؓ بن حارثہ کو زید بن محمدؐ کہہ کر پکارنے لگے۔ یہ نام اس وقت تک زبان زدِ عام رہا جب تک کہ مندرجہ ذیل آیت مبارکہ نازل نہ ہوگئی۔

> محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسولؐ ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

سورۃ احزاب ۴۰۔۳۳

اس آیت میں یہ حکم لگایا گیا ہے کہ زیدؓ بن حارثہ کو زیدؓ بن محمدؐ کہہ کر نہ پکارا جائے۔ اگرچہ حضورﷺ نے انہیں متبنیٰ بنایا تھا لیکن وہ حضورﷺ کے حقیقی بیٹے نہیں تھے۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ جنگ موتہ میں شہید کر دیے گئے۔ حضورﷺ نے اپنی بیماری کے دنوں میں ان کے بیٹے حضرت اسامہؓ کو مسلم فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔ حضرت اسامہؓ نے فوج کی قیادت کی اور شامی فوجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ حضرت اسامہؓ کی عمر اسوقت صرف اکیس سال تھی۔ یہ تقرری بعض بزرگ سرداروں کے لئے کچھ زیادہ خوشگوار نہیں تھی۔ اگرچہ حضورﷺ کا لحاظ کرتے ہوئے انہوں نے اس وقت ان اعتراضات کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے زمانہ میں انہوں نے اسکے خلاف اپنی آواز بلند کی۔

حضورؐ نے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، 'میں نے اسامہؓ کو سپہ سالار اس

marfat.com

لئے مقرر کیا ہے کہ زیدؓ کا بیٹا ہونے کا ساتھ ساتھ وہ عقلمند اور بہادر بھی ہے۔ میرے خیال میں اس میں ایک اچھا سپہ سالار ثابت ہونے کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں'

حضرت اسامہؓ حضورﷺ کے وصال کے باعث جنگ کی تیاریاں مکمل نہ کر سکے لیکن جب حضرت ابوبکرؓ مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہوئے انہوں نے حضورﷺ کے فیصلے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مسلمان فوج کو حضرت اسامہؓ کی قیادت میں شام روانہ کیا۔ حضرت اسامہؓ شام پہنچے، دشمن کی فوج کا جم کر مقابلہ کیا اور سرخرو واپس آئے۔ اس طرح یہ ثابت ہوگیا کہ اس نوجوان پر حضورﷺ کا اعتماد بلاوجہ نہیں تھا۔ شام میں حضرت اسامہؓ کی اس پہلی کامیابی نے فتوحات کی ایسی بنیاد رکھی جو حضرت عمرؓ کے زمانہء خلافت میں تمام شامی علاقوں کے سرنگوں ہونے کا باعث بنی اور جس سے وہاں کے رہنے والے تمام لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔

اس دن حضرت اسامہؓ کے بارے میں بات چیت کرتے ہوئے حضورﷺ نے آخر میں گفتگو کا رخ اصل موضوع کی طرف موڑا اور فرمایا، ے مہاجرو! میں تمھیں انصار سے شفقت بھرا سلوک کرنے کی نصیحت کرتا ہوں، انصار جو مدینہ کے اصل باشندے ہیں، کیونکہ مجھے ان پر بہت اعتماد ہے۔ جب ہم ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے تو ان لوگوں نے ہمارے لئے بڑی قربانیاں دی تھیں۔ اپنے خلوص کا بہت زیادہ اظہار کیا تھا۔ اس لئے اگر انصار سے کوئی بھول چوک سرزد ہوتی ہے تو ان سے انتہائی شفقت بھرے برتاؤ سے پیش آؤ کیونکہ انصار میرے لئے ایسے ہیں جیسے میرے جسم کے کپڑے۔ انہوں نے اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دیئے ہیں۔ اب ان لوگوں کے ذمہ کوئی فرض نہیں لیکن ان کے تم لوگوں پر حقوق ضرور ہیں۔

'اے لوگو! جب میں اس دنیا سے چلا جاؤں اور تم مجھے دفنا چکو تو میری قبر پر سجدہ نہ کرنا کیونکہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کو روا ہے۔'

اور آپؐ نے فرمایا:

'یہودیوں اور عیسائیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے کیونکہ انہوں نے اپنے پیغمبروں

marfat.com

کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ہے۔'

آپؐ نے مزید فرمایا:

'اللہ کی لعنت ہو یہودیوں اور عیسائیوں پر جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجدیں بنایا'۔

اور پھر آپؐ نے مزید فرمایا:

'میری قبر کو بتوں کی طرح مت پوجنا۔'

یہ فرمانے کے بعد حضورﷺ مسجد سے اپنے گھر تشریف لے آئے اور مسجد میں بیٹھے مسلمان آنسو بھری آنکھوں سے اپنے پیغمبر کو جاتا دیکھتے رہے۔

marfat.com

چادروں سے لیا گیا۔ حضورﷺ کی مرضی کے مطابق آپ کی قبر مبارک اسی حجرے میں بنائی گئی جہاں آپ نے زندگی کی آخری سانسیں لی تھیں۔ آپ کی نماز جنازہ دس دس بندوں پر مشتمل گروہوں کی صورت میں ادا کی گئی۔ سب سے پہلے قبیلہء ہاشم کے سرداروں نے نمازِ جنازہ ادا کی۔ پھر مکہ کے مہاجروں اور پھر اہلِ مدینہ نے۔ اس کے بعد عورتوں اور آخر میں بچوں نے۔

نمازِ جنازہ بغیر امام کے اسی حجرے میں ادا کی گئی جہاں حضورﷺ کا جسم اطہر رکھا گیا تھا۔

منگل کا سارا دن مسلمانوں نے نذرانہ عقیدت پیش کرنے اور نماز جنازہ ادا کرنے میں گزارا۔ تدفین کا عمل بدھ کی اوائل شب میں انجام دیا گیا۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے مطابق دن رات کے بعد آتا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: 'اپنی کمسنی کی وجہ سے میں یہ نہ سمجھ سکی کہ میرے شوہر وفات پا گئے ہیں۔ جب انکی روح رخصت ہوئی میں انکے سرہانے بیٹھی تھی لیکن میں پھر بھی کچھ نہ سمجھ سکی۔ مجھے اس وقت سمجھ آئی جب میں نے عورتوں کی چیخ و پکار سنی۔ اور جب مردوں نے اپنے ہاتھ چہروں پر رکھ کر زار و قطار رونا شروع کیا مجھے اس وقت پتہ چلا کہ حضورﷺ دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے ہیں۔'

جب حضورﷺ دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کے پاس سوائے ایک خچر کے جو انہیں شاہِ حبشہ نے تحفہ میں دیا تھا اور کچھ تلواروں کے، کوئی دنیاوی مال و دولت نہیں تھی۔

marfat.com

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَاوَمَوْلٰينَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى

اے اللہ تو رحمت و سلامتی رکھ ہمارے آقا و مولیٰ محمد پر اور

اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ۔

ہمارے آقا محمد کی آل پر اتنی بار جتنے آپ پر درود پڑھنے والے نہیں ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَاوَمَوْلٰينَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى

اے اللہ تو رحمت و سلامتی رکھ ہمارے آقا و مولیٰ محمد پر اور

اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْخَلَآئِقِ۔

ہمارے آقا محمد کی آل پر اتنی بار جتنی تمام مخلوقات کی جانیں ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَاوَمَوْلٰينَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى

اے اللہ تو رحمت و سلامتی رکھ ہمارے آقا و مولیٰ محمد پر اور

اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ نُجُوْمِ السَّمٰوٰتِ۔

ہمارے آقا محمد کی آل پر اتنی بار جتنے آسمان پر ستارے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَاوَمَوْلٰينَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى

اے اللہ تو رحمت و سلامتی رکھ ہمارے آقا و مولیٰ محمد پر اور

اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ شَىْءٍ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ۔

ہمارے آقا محمد کی آل پر اتنی بار جتنی اس دنیا اور آخرت میں اشیاء ہیں۔

marfat.com

اے اللہ تو رحمت و سلامتی رکھ ہمارے آقا و مولی محمد پر اور

اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ الْحُبُوْبِ وَالثِّمَارِ۔

ہمارے آقا محمد کی آل پر اتنی بار جتنے پھل پھول ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی

اے اللہ تو رحمت و سلامتی رکھ ہمارے آقا و مولی محمد پر اور

اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ۔

ہمارے آقا محمد کی آل پر اتنی بار جتنے رات دن ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی

اے اللہ تو رحمت و سلامتی رکھ ہمارے آقا و مولی محمد پر اور

اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَآ اَظْلَمَ عَلَیْہِ الَّیْلُ وَ اَشْرَقَ

ہمارے آقا محمد کی آل پر اتنی بار جتنی رات کے اندھیروں اور صبح کے

عَلَیْہِ النَّھَارُ۔

اجالوں میں آنے والی اشیاء ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی

اے اللہ تو رحمت و سلامتی رکھ ہمارے آقا و مولی محمد پر اور

اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ صَلّٰی عَلَیْہِ۔

marfat.com

صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ مَلٰٓئِکَتِهٖ وَ اَنْبِیَآئِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَجَمِیْعِ

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کے فرشتوں کی اور اس کے نبیوں کی اور اس کے رسولوں کی اور تمام

الْخَلَآئِقِ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ اِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَ قَائِدِ

مخلوقات کی رسولوں کے سردار اور پرہیزگاروں کے امام اور

الْغُرِّ الْمُحَجَّلِیْنَ وَ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا

سفید ہاتھ پیر والوں کے قائد اور گناہگاروں کے بخشوانے والے ہمارے آقا اور مولیٰ

مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّیَّتِهٖ وَ اَهْلِ

محمد پر اور ان کی آل پر اور ان کے اصحاب پر اور ان کی ازواج پر اور ان کی ذریت پر اور

بَیْتِهٖ وَ اَهْلِ طَاعَتِكَ اَجْمَعِیْنَ مِنْ اَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَ

ان کے گھر والوں پر اور اپنے تمام ماننے والوں پر آسمانوں میں اور

الْاَرَضِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ وَ یَا اَکْرَمَ

زمینوں میں اپنی رحمت کے صدقے اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے اور اے

الْاَکْرَمِیْنَ وَ صَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ

تمام کرم کرنے والوں میں سب سے زیادہ کرم کرنے والے اور اللہ کی رحمت ہو ہمارے آقا محمد اور ان کی

وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَ سَلَّمَ تَسْلِیْمًا دَآئِمًا اَبَدًا کَثِیْرًا وَّ

آل پر اوران کے تمام صحابہ پر اور سلامتی ہو ہمیشہ ہمیشہ ابد تک زیادہ سے زیادہ اور

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اور تمام تعریفیں دنیاؤں کو پالنے والے اللہ کے لئے ہیں۔

marfat.com

ڈاکٹر سلیم ابن محمد رفیع بطور سرجن۔ ڈاکٹر اور استاد جانے جاتے ہیں وہ انسانیت کی خدمت کرنا پسند کرتے ہیں۔ ایک درویش صفت بندہ جو اپنے آپ کو اللہ کا چپڑاسی کہلواتا ہے۔ اپنے مقدس پیشہ کے ساتھ ساتھ رسول اللہ محمد مصطفے ﷺ کی محبت اور عقیدت سے سرشار ہے انکی سوانح حیات کو دل کی گہرائیوں سے پوری کائنات کیلئے ایک نمونہ اور احسان کے طور پر پیش کرنا چاہتا ہے۔ اسی لئے انکی ذات برکات سے دلچسپی اور انکی زندگی کا حصہ بن چکا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہر مسلمان کی شناخت رسول مقبول ﷺ کی مرحون منت ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالی سے متعارف بھی رسول اللہ ﷺ ہی نے کرایا ہے۔

حضور ﷺ کی شان میں نعت۔ کتاب کے شروع میں درود اور آخر میں درود ڈاکٹر صاحب کی عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ڈاکٹر سلیم ابن محمد رفیع لاہور میں پیدا ہوئے والد محترم کا نام محمد رفیع تھا۔ جنکا انتقال فروری 2005ء میں ہوگیا۔ ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر کے انگلینڈ، کنیڈا، اور امریکہ سے سرجری میں تعلیم کو بڑھایا اور طلباء کو پڑھاتے رہے۔

ایک استاد کا ذہن ڈاکٹر صاحب کو کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے رٹائر ہونے کے بعد بھی یونیورسٹی میں بطور پرو وائس چانسلر کام کرائے جا رہا ہے۔ وہ تعلیم دے کر بہت خوش ہوتے ہیں اور اسے اپنے اوپر قرض سمجھتے ہیں۔ سیرت طیبہ کی تحریر اپنے اندر منفرد جاذبیت رکھتی ہے۔ اسکی تحریر میں انکی محبت اور عقیدت دونوں کی جھلک ہے۔ پڑھنے والے کیلئے آسان ہے۔ آپ نے سرجری میں کئی کتب لکھی ہیں پاکستان اور اسکے باہر سائنس کی میدان میں بھی کئی مکالے لکھے ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو جو کہ ملک سے باہر ہیں بہت یاد کرتے ہیں۔ اور اپنا زیادہ وقت خدمت خلق میں صرف کرنے کو پسند کرتے ہیں۔ آپ سرجری کے علاوہ مذہب کا کام بھی شادمان ہاؤس جو کہ انکا طبی مرکز ہے۔ اور چاہتے ہیں کہ پوری زندگی ایسے ہی کرتے رہیں۔

سیرت طیبہ پر بھی بہت سی کتب لکھی جا چکی ہیں۔ مسلم۔ غیر مسلم یہاں تک کہ تحقیق کے طور پر لکھے مکالے بھی دنیا کی لائبریریز میں موجود ملیں گے۔ یوں تو سیرت کی ہر کتاب بہت اچھی ہے۔ اس کتاب کی ایک منفرد خوبی یہ ہے کہ پڑھنے والے کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اور ایک مکمل کہانی کی طرح اسے رلاتی اور سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ جو کہ ریاض سعودی عرب اور لاہور سے بھی چھپ چکا ہے بے حد مقبول ہوا ہے۔ خاص طور پر امریکہ۔ کنیڈا۔ انگلینڈ اور مڈل ایسٹ میں یہ کتاب بڑی دلچسپی سے پڑھی جاتی ہے۔ پاکستان میں کیونکہ اردو پڑھنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لئے اردو میں بھی تحریر کا انداز وہی رکھا گیا ہے۔ امید ہے کہ کارئین کے لئے دلچسپی کا باعث بنے گا۔ اردو بولنے والے اب دنیا کے ہر کونے مین ملتے ہیں اس لئے یہ کتاب ہندوستان۔ مڈل ایسٹ۔ امریکہ۔ ملیشیا اور مالدیپ وغیرہ میں بھی پڑی جائے گی۔ سیرت طیبہ کو پڑھنا۔ سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہر مومن کا ایمان ہوتا ہے۔ امید ہے کہ اسے پڑھ کر اور اسکی تبلیغ میں حصہ ڈال کر ہر مسلمان اپنی آخرت کا سامان کر سکے گا۔ اگر پڑھنے والے کے دل میں حضور ﷺ کی محبت ایک ذرہ برابر بھی بڑھ گئی تو لکھنے والا اسے دونوں جہانوں کے خزانوں سے بھی زیادہ نیکی سمجھے گا یہ کاوش اللہ کرے کہ لکھنے والے اور پڑھنے والے کیلئے بخشش کا سبب بن جائے۔ آمین حضور پاک ﷺ کی ذات بابرکت پر لکھائی۔ تاریخ دوسری کتب اور قرآن پاک سے استفادہ کئے بغیر ممکن نہیں ہو سکتی لکھنے والے چودہ سو سال پہلے کے واقعات کا مکمل علم نہیں ہوسکتا اس لئے میں تحریری طور پر لکھ کر کسی بھی واقع کا ذکر اس کتاب میں حضور ﷺ کی زندگی کی نسبت سے کر چکا ہوں اور وہ ٹھیک نہیں ہے تو بہ استغفار کے علاوہ معافی مانگتا ہوں۔ میں اللہ تبارک وتعالی اور حضور ﷺ کے سامنے بغیر توبہ کے جانا نہیں چاہتا۔